یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

اسلام کی غلام نوازی

تالیف

الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل

مشخصات

ہ ۔ نام کتاب: اسلام کی غلام نوازی

ہ ۔ مولف: الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل

ہ ۔ صفحات: ۴۰۸

ہ ۔ تعداد: ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

ہ ۔ باراول: اکتوبر ۱۹۹۸ء

ہ ۔ کتابت: سید علی قمر لکھنوی و شکیل احمد فیض آبادی

ہ ۔ مطبوعہ: اے۔ بی۔ سی آفسٹ پریس، حوض قاضی، دہلی (انڈیا)

ہ ۔ ناشر: اسکینڈے نیوین حسینی اسلامک ایسوسی ایشن، ترولہتن، سویڈن

ہ ۔ زیر نگرانی: ادارۂ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ۔۳

ہ ۔ زیر اہتمام: طٰہٰ پبلشنگ سینٹر، درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

ہ ۔ قیمت: ۸۰ روپئے

فہرست مضامین

کتابیات

اس کتاب کے لکھنے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی یا جن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۱۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت حصہ اول

۲۔ اسٹڈی آف سوشیالوجی

۳۔ مقدمہ سیلوری اِن دی رومن امپائر

۴۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس مضمون غلامی
(مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا جلد یازدھم)

۵۔ دائرۃ المعارف

۶۔ اصولِ معاشیات

۷۔ سیاسیات کتاب اول باب ۴۔۶ ارسطو

۸۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد اول

۹۔ منوسمرتی

۱۰۔ مغربی تمدن کی ایک جھلک

۱۱۔ مناقب ابن شہر آشوب

۱۲۔ حیات القلوب

۱۳۔ اسد الغابہ

۱۴۔ اکمال الدین

۱۵۔ سلمان محمدی

۱۶۔ طبقات ابن سعد

۱۷۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ

۱۸۔ استیعاب

۱۹۔ نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان

۲۰۔ بحار الانوار

۲۱۔ روضۃ الواعظین

۲۲۔ مجالس المومنین

۲۳۔ کتاب صحابہ وتابعین

۲۴۔ مستدرک حاکم

۲۵۔ فتوحات القدس قلمی (رضا لائبریری رام پور)

۲۶۔ کتاب فضائل

۲۷۔ لواعج الاحزان

ب

اس کتاب کے لکھنے میں جن کتابوں کے مطالعہ سے مدد لی گئی ہے یا جن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۲۸۔ صحیح بخاری

۲۹۔ مہاجرین

۳۰۔ صحیح مسلم

۳۱۔ خطیب آلِ محمدؐ

۳۲۔ کامل بہائی

۳۳۔ رجال طوسی

۳۴۔ غلامانِ اسلام

۳۵۔ مسند امام احمد بن حنبل

۳۶۔ مسند ابوداؤد

۳۷۔ تہذیب التہذیب

۳۸۔ روضۃ الصفا
۳۹۔ کنوز المعجزات
۴۰۔ وسائل الشیعہ
۴۱۔ رجال کشی
۴۲۔ تاریخ الانبیاء
۴۳۔ الارشاد شیخ مفید
۴۴۔ شرح نہج البلاغہ
۴۵۔ اعیان الشیعہ
۴۶۔ شہدائے کربلا
۴۷۔ ابصار العین
۴۸۔ منتہی الآمال
۴۹۔ امالی شیخ صدوق
۵۰۔ کشف الغمہ
۵۱۔ صواعق محرقہ
۵۲۔ مطالب السؤل
۵۳۔ فصل الخطاب
۵۴۔ تاریخ فقہ
۵۵۔ صادقِ آلِ محمدؐ
۵۶۔ مجانی الادب
۵۷۔ اصول کافی
۵۸۔ بصائر الدرجات
۵۹۔ الخرائج والجرائح
۶۰۔ شواہد النبوت
۶۱۔ نور الابصار
۶۲۔ اعلام الوریٰ
۶۳۔ عیون المعجزات

انتساب

میں

اپنی اس حقیر تالیف کو حامی اسلام و ایمان، ماحی آثار البدعت و الطغیان، ہادم ابنیہ الشرک والنفاق، حاصد فروغ البغی والشقاق، نورِ بصرِ حضرت نرجس خاتون ولختِ جگر حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام، امام الانس والجان، خلیفۃ الرحمٰن، شریک القرآن حضرت صاحب العصر والزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ وسہل اللہ تعالیٰ مخرجہٗ سے منسوب کرتے ہوئے بارگاہِ رب العالمین میں اپنے مرحوم والدین کے لیے جنت میں جوارِ محمدؐ آلِ محمدؐ میں اعلیٰ مقام کی دعا اور قارئینِ کتاب سے اُن کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک سورۂ فاتحہ کی درخواست کرتا ہوں۔

غلام غلامانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ
مقبول احمد

اظہارِ تشکر

برادر عزیز الحاج مولانا سید محمد جابر صاحب قبلہ مدیر "اصلاح" کا میں بیحد ممنون ہوں کہ انھوں نے میری اس کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی دل چسپی سے کام کیا ہے، اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم انھیں طول عمر عطا فرمائے تاکہ تادیر قوم و مذہب کی خدمت ہوتی رہے۔

الحاج حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ العالی کا میں شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے بے شمار مصروفیات کو نظر انداز کر کے میری خواہش پر قیمتی مقدمہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ موصوف مجھ سے جو محبت فرماتے ہیں وہ میرے شکریہ سے بالاتر ہے۔ رب کریم ان کے سائے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

میں جناب مولانا سید علی اختر صاحب قبلہ ممتاز الافاضل کا بھی احسان مند ہوں کہ انھوں نے جس خلوص و محبت کا اظہار اپنی تقریظ میں فرمایا ہے، اس کے شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اللہ کرے جو توقعات موصوف کو اس ناچیز سے ہیں وہ پورے ہوتے رہیں۔

اگرچہ میں "پیش لفظ" میں بھی ناظرین کرام سے گذارش کر چکا ہوں کہ کتاب میں نقائص و معائب نظر آئیں تو مجھے مطلع فرمادیں تاکہ میں اصلاح کر سکوں میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں گا۔ کتاب میں جناب معصومہؑ

کی زندگی اور بعض دیگر معصومینؑ کی زندگی کے بارے میں بعض واقعات اہل سنت کی کتابوں سے بعینہٖ انھیں الفاظ میں نقل کر دیے گئے ہیں۔ ناظرین کرام مجھے یہ سوچ کر معاف کر دیں گے کہ نقل کرنے والا تحریف نہیں کر سکتا البتہ مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔ "العذر عند کرام الناس مقبول"۔

مقبول احمد عفی عنہ

پیش لفظ

کل امرٍ مرھون بوقتہٖ اس میں شک نہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے زیرِ نظر کتاب کا خاکہ اب سے بیس۲۰ سال قبل قیامِ رامپور کے دوران ذہن میں آیا تھا اور اس سے متعلق تھوڑا سا مواد رضا لائبریری سے حاصل کیا تھا لیکن وہ ابھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا کہ وطن سے ہزاروں میل دور شمالی یورپ (سویڈن) کا نامساعد حالات کی بنا پر سفر کرنا پڑ گیا یہاں آئے ہوئے بیس۲۰ سال کا طویل عرصہ گزر گیا اور یہ کام معرضِ التوا میں پڑا رہا اس کا سبب یہاں کی مصروفیت کے علاوہ علمی مراکز سے دوری، علماءِ اعلام سے قطع روابط اور ان کی علمی صحبت سے محرومی اور کتابوں کا فقدان تھا۔

بہرحال ہر بات میں خدا کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے سویڈن جو دنیا کا بدنام ترین علاقہ سمجھا جاتا تھا اور مذہبی حلقوں میں کوئی اس کا نام بھی لینا پسند نہیں کرتا تھا اللہ نے اپنے اس بے سواد و بے بضاعت حقیر و ذلیل بندے کے ذریعہ علمی دنیا میں متعارف کرا دیا اور اب نہ صرف ہندو پاک بلکہ ایران و عراق اور لبنان کے اکثر مذہبی رہنما اور جید علماء و خطباء بھی اس سرزمین کو اپنے قدم مبارک سے مشرف اور یہاں کے مومنین کو اپنے علمی بیانات سے فیضیاب فرما چکے ہیں اس وقت شہر ترولھتن میں شمالی یورپ (ناروے، ڈنمارک، فن لینڈ، سویڈن) کا اسلامک سینٹر (عالیشان مسجد اور امام باڑہ) اپنی مثال آپ ہے جس کا سنگِ بنیاد اس حقیر نے ۱۹۸۵ء میں رکھا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ آج اسکینڈے نیوین ممالک (سویڈن، ناروے، ڈنمارک) میں پانچ چھ علماءِ دین مستقل خدمتِ دین میں مصروف ہیں اور مختلف شہروں

میں مومنین کی جماعتیں اور انجمنیں کام کر رہی ہیں نمازِ جمعہ و جماعت، محافل و مجالس اور درس و تدریس قرآنِ مجید و دینیات ہو رہی ہے ایک وہ وقت بھی تھا جب اس پورے علاقہ میں ناچیز ہی مومنین کی مذہبی و دینی خدمات انجام دیتا تھا۔

میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ اس درمیانی مدت میں خدا کو اپنے دین کی خدمت اسی عنوان سے لینا منظور تھی اس لیے جس تحریری کام کا آغاز بیس۲۰ سال پہلے کیا تھا وہ ملتوی رہا۔

لیکن جس موضوع کا انتخاب میں نے کیا تھا اور جس ترتیب سے اس کو لکھنا چاہتا تھا اس موضوع پر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری تھی اس لیے یہ موضوع اس طویل مدت میں بھی میرے دل و دماغ پر چھایا رہا بالآخر حالات و اسباب کی نامساعدت کے باوجود کمرِ ہمت باندھ ہی لی اگرچہ جیسا نمونہ پیش کرنا چاہتا تھا ویسا تو نہ ہو سکا مگر بہرحال ایک کوشش ضرور کی ہے اب یہ ناظرین ہی بتائیں گے کہ میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا۔

میری تمنا تھی کہ ایک ایسی کتاب ہو جس میں غلامی کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا اپنے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ہر معصوم کے غلاموں اور کنیزوں کی تعداد اور ہر ایک غلام و کنیز کے مفصل حالاتِ زندگی پیش کیے جائیں مگر کتابوں کی نایابی کے باعث نہ صحیح تعداد مل سکی اور جن غلاموں اور کنیزوں کے نام دستیاب ہوئے تو ان میں اکثر کے تفصیلی حالات اور نہ تاریخ ولادت اور نہ تاریخ وفات، بس جتنے حالات مل سکے انھیں سے کام لے کر کتاب کو مکمل کر دیا ہے۔

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں وہ اپنے حساب سے بے دینی۔ بے وفائی۔ بے حیائی بد اخلاقی و بد اعمالی کا زمانہ ہے عصرِ حاضر کی لائی ہوئی اس گمراہی اور بے دینی میں سلفِ صالحین کے پاکیزہ کردار کی شدید ضرورت ہے اسی لیے میں اپنی بے کرداری و بے بضاعتی کے باوجود بقدرِ طاقت و امکان جو کچھ ہو سکا بیس۲۰ سال قبل رام پور (ہندوستان) میں جس کام کا آغاز کیا تھا آج ترولھتن (سویڈن) میں انجام تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں

اس طرح بیس[۲۰] سال قبل دیکھا ہوا خواب آج شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

دنیاوی افکار و مشاغل میری راہ میں حائل رہے اس لیے حسبِ خواہش میں پوری لگن سے کام نہ کر سکا اگر آپ کو کتاب میں نقائص و معائب نظر آئیں تو مجھے مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ اصلاح کر سکوں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مقبول احمد عفی عنہ

۹ جنوری ۱۹۹۶ء مطابق ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

گفتار جوادی

فاضل جلیل مولانا مقبول احمد صاحب جو دورِ حاضر کے افاضل میں واقعاً ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کو اپنے ہاتھ کی طاقت قرار دیا ہے جیب کی زینت نہیں بنایا ہے۔

موصوف کے بے شمار مضامین اور متعدد رسائل و کتب منظر عام پر آچکے ہیں اور ان میں سے بعض کا سرسری مطالعہ بھی میں نے کیا ہے۔ لیکن نہ جانے اس مرتبہ موصوف پر کون سا اخلاص طاری ہو گیا ہے کہ انھوں نے میرے اخلاص کا بھی امتحان لینے کا ارادہ کر لیا اور یہ حکم دے دیا کہ میں ان کی زیر نظر کتاب کا از اول تا آخر مطالعہ کروں اور اس کا ثبوت ان چند سطروں کے ذریعہ پیش کروں جو بطور تبصرہ یا تقریظ لکھی جائیں۔

میں ذاتی طور پر موصوف کے خدمات کا بھی احترام کرتا ہوں اور ان سے تعلق خاطر بھی رکھتا ہوں لہٰذا میرے لیے اس فرمائش کا ٹالنا ناممکن ہو گیا اور میں نے اپنے بے شمار مصروفیات کو نظر انداز کر کے ان کی کتاب کا عبوری مطالعہ کر لیا۔

مضامین کتاب کے بارے میں صحیح تبصرہ تو اس وقت ممکن تھا جب وہ تمام کتابیں میرے سامنے ہوتیں جن سے موصوف نے استفادہ کیا ہے اور انھیں اپنی تالیف کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن یہ میری اور ان کی مشترکہ محرومی ہے

کہ کتابوں کا فقدان ہم دونوں کے ملکوں میں ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ان کا ملک
غیر اسلامی کہا جاتا ہے اور میرا مسکن ایک اسلامی ملک ہے۔

پھر بھی کتاب کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ موصوف نے بے پناہ
محنت سے کام لیا ہے اور اپنے امکان بھر مواد کے جمع کرنے میں کسی طرح کی
کوتاہی نہیں کی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ سلوک
کے بارے میں جس ترتیب سے معصومینؑ کا کردار پیش کیا ہے۔ یہ ان کا اردو زبان
میں انفرادی کارنامہ ہے جو بہت دنوں تک یاد رکھا جائے گا اور آئندہ نسلیں بھی
اسے نمونۂ عمل کے طور پر استعمال کریں گی۔

کتاب میں بعض مخصوص نکات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جنھیں عام
طور سے تاریخ اسلام نے بھی نظر انداز کیا ہے اور مصنفین کرام بھی نظر انداز کر دیتے
ہیں۔ واقعہ افک کے بارے میں جناب ماریہ قبطیہ کے کردار کی وضاحت سے
آپ نے ایک بہت بڑی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک بہت
بڑی دیوار عظمت کو گرا دیا ہے جو ریت کے ڈھیر پر اٹھائی گئی تھی اور جس کے
ذریعہ بعض خواتین اسلام کو ممدوحۂ قرآن مجید کا درجہ دیا جا رہا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ کسی بھی پیغمبر کی ازواج میں ایسا کرداری نقص نہیں ہو سکتا
ہے کہ جو پیغمبرؐ کی ازدواجی زندگی کے شایان شان نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی
نہیں ہے کہ کردار کی پاکیزگی کی ہر آیت کو کسی ایک خاص خاتون کی طرف موڑ
دیا جائے اور باقی خواتین کی عظمت کردار کو یکسر انداز کر دیا جائے۔

اس مختصر تمہید کے بعد چند کلمات اصل موضوع سے متعلق درج کیے
جا رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں جملہ کمزوریوں کا مجموعہ

بن کر آتا ہے۔ اس کے پاس نہ علم کی طاقت ہوتی ہے نہ جسم کی۔ یہ صحیح ہے کہ
اس کی طبیعت میں طاقتوں کے بے شمار خزانے پائے جاتے ہیں لیکن سردست
وہ ان تمام خزانوں سے بے خبر اور بیگانہ ہوتا ہے اور ہر صلاحیت کے ظہور میں
دوسرے افراد کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ شاید یہی راز ہے کہ پیدا کرنے
والے نے اسے دو سہاروں کے ذریعہ پیدا کیا ہے اور وہ اپنی زندگی کا راستہ
اسی "بیساکھی" کے ذریعہ طے کرتا ہے۔

اس کے بعد جیسے جیسے فطری صلاحیت سامنے آتی جاتی ہے اور کمزوری
طاقت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے اس کے اندر طاقت کا غرور بھی سر اٹھانے
لگتا ہے اور وہ اس حقیقت سے آنکھیں بند کرنے لگتا ہے کہ اس نے کمزوری
میں دوسروں کا سہارا لیا ہے تو طاقتور ہونے کے بعد اسے دوسروں کو سہارا
دینا چاہیے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ دوسروں سے کام لینے کو اپنا فطری حق
سمجھنے لگتا ہے اور یہیں سے انانیت کا وہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک
دن "نظام عبدویت" تک پہنچا دیتا ہے اور انسان کو یہ خوش فہمی ہو جاتی ہے
کہ اس کائنات میں ہم کام لینے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور باقی تمام لوگ
ہماری خدمت کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ
انسان اس فہرست میں جب ماں باپ کو بھی شامل کر لیتا ہے تو دوسروں
کا کیا ذکر ہے اور شاید اسی لیے کہا گیا ہے کہ اقتدار عقیم ہوتا ہے اور اس کی
کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی ہے۔

دنیا میں طاقت پیدا کر لینے کے بعد جب انسان کمزوروں کے استحصال
کا کام شروع کرتا ہے تو وہ دونوں طرف سے لامحدود ہو جاتا ہے۔ نہ کمزوروں
کے بارے میں معمولی سے معمولی حیثیت کا قائل ہونا چاہتا ہے اور نہ اپنے

بارے میں بڑے سے بڑے عہدہ سے راضی ہوتا ہے اور بالآخر ایک دن "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگا دیتا ہے اور پوری قوم کو اپنی غلامی میں لے لیتا ہے۔

غلامی کا مفہوم

قانونی اعتبار سے غلامی اس نظام کا نام ہے جس میں ایک انسان کے ہاتھ میں دوسرے کا سارا اختیار ہوتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں اپنی زندگی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال سوچنے میں بھی انتہائی مکروہ معلوم ہوتی ہے لیکن انسانیت کا ایک دور ان حالات سے گزر چکا ہے اور ایک دور ان حالات سے گزر رہا ہے۔ انفرادی غلامی کا دور تمام ہو چکا ہے اور اجتماعی غلامی کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کو ہر اختیارِ حیات سے محروم کیے ہوئے ہیں۔

اور شاید اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ کوئی انسان اپنے جملہ ضروریات حیات کا انتظام خود نہیں کر سکتا ہے اور اسے بہر حال دوسرے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اب یہ اس کی شرافت کا تقاضا تھا کہ جس سے کام لے اسے اپنے سے بالاتر تصور کرے اور اپنے کو کمزور محسوس کرے۔ لیکن اس نے اس شرافت کے راستے کو چھوڑ دیا ہے اور شیطانی غرور میں مبتلا ہو کر اپنے کو اس سے بالاتر تصور کرنے لگا ہے جس کے رحم و کرم پر جی رہا ہے اور اس طرح کبھی ان کاشتکاروں کو غلام قرار دے لیتا ہے جن کی روٹی پر گذارا کرتا ہے اور کبھی ان ملکوں کو غلام سمجھ لیتا ہے جن کے پٹرول پر ترقی کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔

اسلام نے غلامی کے ان دونوں پہلوؤں پر نظر کی ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک دوسرے سے کام لینا سنت حیات ہے اور اسے یکسر تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس وقت تک نظام غلامی پر حملہ نہیں کیا جا سکتا جب تک دوسرا کوئی راستہ نہ نکل آئے اور دھیرے دھیرے مزدوری کے راستہ کو کھولا تاکہ اسے غلامی کا بدل بنایا جا سکے اور اس کے ذریعہ ہر شخص اپنے اختیار سے کام کی نوعیت اور اجرت کی مقدار کا تعین کر سکے۔

اور یہ بھی دیکھا کہ غلامی کی یہ شکل ناقابل برداشت ہے لہٰذا اس نے ایک بالکل تازہ قانون ایجاد کیا کہ غلامی کی بنیاد طاقت اور کمزوری کے فرق کو نہیں قرار دیا بلکہ اس کی صحیح بنیاد بغاوت اور شرارت کو قرار دے دیا کہ اگر کوئی انسان عقل و منطق کی باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور نظام عدل و انصاف سے بغاوت پر آمادہ ہے اور طاقت کا استعمال کر کے نظام کو پامال کرنا چاہتا ہے تو اس کی سزا اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ جس طرح وہ نظام عدل و انصاف کے علمبرداروں کو قتل کر کے ان کی نسل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اس طرح نظام عدل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ طاقت کے میدان کو فتح کر کے باغی کی نسل کا خاتمہ نہ کرے بلکہ اس کی نسل کی آزادی کا خاتمہ کر دے تاکہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائے اور زندہ رہ کر سیدھے راستہ پر آنے کی کوشش کر سکے۔

اسلام نے غلامی کے دائرہ کو میدان جنگ کے اسیروں تک اسی لیے محدود کر دیا ہے کہ وہ ہر وسیلہ سے غلامی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے اور اپنے نظام پر قاتلانہ حملہ کو بھی مروت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر کسی قوم نے عقل و منطق کے راستہ کو چھوڑ کر طاقت کے

سہارے اسلام کو تباہ کرنا چاہا تو اسلام اس کی نسلوں کو تباہ تو نہ کرے گا کہ وہ شریک جرم نہیں ہیں لیکن ان کی آزادی کو بہرحال سلب کرلے گا تاکہ وہ جذبۂ انتقام میں بزرگوں کے راستہ پر نہ چل سکیں اور اس طرح دشمن کو آگاہ کردیا کہ اگر اس نسلی ذلت کے برداشت کرنے کا ارادہ ہے تو میدان جنگ میں قدم رکھو ورنہ شرافت سے عقل و منطق کے راستہ کو اختیار کرلو اور جو نظام زندگی مالک کائنات نے بنایا ہے اسے اس کے ملک میں رائج ہونے دو۔

دنیا کی غلامی اور اسلام کی غلامی کا بنیادی فرق یہی ہے کہ دنیا کی غلامی آزادوں کے اقتدار اور جذبۂ حکومت سے پیدا ہوتی ہے اور اسلام میں غلامی غلاموں کے بزرگوں کی شرارت اور شیطنت سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ کا رخ نہ کریں تو یہ سلسلہ یکسر ختم ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد اسلام نے اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ بہرحال بزرگوں کی شرارت کا تمامتر ذمہ دار بچوں کو نہیں بنایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی سزا انھیں دی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس نے غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کی دعوت دی اور کبھی انھیں قیدی دیکھ کر آزاد کرادیا اور کبھی انھیں فروخت ہوتے دیکھ کر اعلان کردیا کہ شریف گھرانے کی عورتوں کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے تاکہ یہ غلامی اور کنیزی صرف بزرگوں کی سزا کی حد تک رہے اور انھیں یہ صدمہ رہے کہ ہماری اولاد حزب مقابل کے ہاتھوں میں غلام و کنیز ہوگئی ہے اور غلام و کنیز کو یہ احساس نہ ہونے پائے کہ ہمیں ناکردہ گناہ کی سزا دی جارہی ہے۔

ائمہ معصومینؑ کے حیات طیبہ اس حقیقت کی بہترین شاہد ہے کہ اسلام غلاموں کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں چاہتا ہے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہتا ہے کہ اگر انھیں آزاد بھی کردیا جائے تو وہ مالک کا گھر چھوڑ کر

جانے پر آمادہ نہ ہوں جس کی بے شمار مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔

اس کے بعد اسلام نے اصلاح معاشرہ میں بھی اس عنصر کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور مختلف جرائم کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی کو رکھ دیا ہے تاکہ غلاموں کو یہ احساس عزت بھی ہو کہ معاشرہ کی اصلاح میں بھی ہمارا حصہ ہے اور ہماری آزادی کا خوف نہ ہوتا تو لوگ بہت سے جرائم سے پرہیز بھی نہ کرتے اور ہماری آزادی کا تصور ہی ہے جو انھیں ان جرائم سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہمیں اپنی زندگی کی عظیم ترین ضرورت محسوس کررہے ہیں۔

نسلی برتری

واضح رہے کہ نظام غلامی کا کوئی تعلق نسلی امتیاز سے نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قانون ہے کہ غلام اور کنیز ہمیشہ پست خاندان کے افراد ہی ہوں گے۔ غلامی ایک سزا ہے جو ہر دشمن اسلام اور مذہب سے برسرپیکار ہونے والے کو دی جاسکتی ہے جو اس کے مقابلہ پر آجائے چاہے اس کا خاندان کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اور اس کا نسب کسی قدر شریف کیوں نہ ہو۔

نسلی برتری کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور غلامی کا تعلق اس کی اجتماعی حیثیت سے ہے لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ انسان نسلی برتری کا بھی حامل ہو اور غلام بھی بن جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان آزاد ہو اور اس میں کسی طرح کی نسلی شرافت و برتری کا تصور نہ ہو۔

اسلام میں سیادت کے احترام کا غلامی کے نظام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ اس نے کسی سید کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دوسرے افراد کو اپنا غلام تصور کرے اور ان کے ساتھ غلامانہ برتاؤ کرے۔ یہاں تو حقیقی سردار جنت بھی اپنے

غلاموں اور کنیزوں کو رشتوں سے یاد کرتے ہیں اور انھیں رشتہ داروں کی جگہ پر
رکھتے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ہماری نسلی شرافت و برتری سرکار
دو عالمؐ سے رشتہ کی بنیاد پر ہے اور ان افراد کی غلامی اور کنیزی ایک اجتماعی اور
سماجی مسئلہ ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ غلام ہونے
کے باوجود اپنی قوم کے شریف و سردار ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے کسی نسلی کمزوری
اور پستی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہیں سے اس حقیقت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تاریخ ائمہؑ میں اگر بعض
کنیزوں کا تذکرہ ملتا ہے اور انھیں واقعاً کنیز تصور کر لیا جائے تو بھی یہ ان کی
سماجی حیثیت کا اعلان ہے۔ اس کا ان کی نسلی برتری سے کوئی تعلق نہیں ہے
اور یہ عین ممکن ہے کہ ان کا تعلق کسی عظیم شاہی خاندان سے ہو یا ان کا سلسلۂ
نسب کسی وصی پیغمبر سے ملتا ہو۔

اس بنیادی نکتہ کے نہ سمجھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ بعض بیہودہ اہل قلم نے اس
موضوع کو توہین معصومؑ کا وسیلہ قرار دے لیا اور اپنی جہالت کا احساس کرنے
کے بجائے ان کی عظمت کو مجروح بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

اسلام میں سیادت ایک بہترین شرف ہے اور اس کے اپنے احکام بھی
ہیں۔ لیکن اس کا مفہوم نہ دوسرے افراد کی غلامی ہے اور نہ اس نسب شریف
کے حامل افراد کی اسلامی قوانین سے بالاتری ہے۔ قانون اسلام قانون الٰہی ہے۔
اس کی پابندی ہر فرد بشر پر واجب ہے چاہے وہ کسی نسل و نسب سے تعلق
رکھتا ہو بلکہ شریف نسب والوں پر اس کی ذمہ داری زیادہ ہے کہ خاندان رسالت
ہی قانون پیغمبرؐ کا احترام نہ کرے گا تو دوسرا کون کرے گا۔

آخر میں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ فاضل مولف

نے جناب معصومۂ عالم کی زندگی اور بعض دیگر معصومینؑ کی زندگی کے بارے میں
بعض واقعات اہل سنت کی کتابوں سے اس انداز میں نقل کر دیے ہیں جس
انداز سے ان کتابوں میں درج تھے اور ان کے بعض ان پہلوؤں پر نظر نہیں کی ہے
جن سے کردار عصمت کے بارے میں غلط فہمی کا خطرہ پیدا ہوتا ہے لیکن بہرحال
ناظرین کرام ان حقائق کو خود بھی جانتے ہیں اور مؤلف کو بھی اس لیے معاف
کر سکتے ہیں کہ نقل کرنے والا تحریف نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ یہ اشارہ کر دینا
زیادہ مناسب تھا کہ مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے اور
غالباً یہ بات پوری کتاب پڑھنے کے بعد مولف کے بارے میں بغیر کہے بھی
سمجھی جا سکتی ہے اور مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

(علامہ) **سید ذیشان حیدر جوادی** (مدظلہ)

ابو ظہبی

۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۸ھ

بسمہٖ سبحانہٗ

تقریظ

مغربی تمدن نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر افشانی کی ہے اس کا بیشتر حصہ مسئلہ غلامی سے مخصوص ہے۔ اور یہ مسئلہ واقعی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اس کے ذریعے بہت زیادہ غلط فہمیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ مغرب نے اپنے زیر اثر اور غلام ممالک میں صدیوں پہلے سے منفی پروپیگنڈہ کر کے ذہنوں کو ایسا بدظن کر رکھا ہے کہ غیر ہی نہیں، اپنے بھی مسئلے کو گہرائی سے سمجھے بغیر غیر ذمہ دارانہ رائے ظاہر کر بیٹھتے ہیں۔ اس موضوع پر اردو میں کسی مستقل تشفی بخش کتاب کے فقدان یا کمی کی وجہ سے علماء کی بھی الجھن ناقابل بیان ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک دوسرا المیہ یہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا میدان اس قدر محدود ہے کہ اس قسم کے حسّاس عصری مسائل کا خیال تک نہیں آتا ہے جب کہ اس کی ضرورت بلکہ شدید تر ضرورت کا ہر مذہبی اور ہر عالم کو احساس ہے۔

رئیس المبلغین عالی جناب الحاج مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ایک طویل عرصے سے یوروپی، مغربی اور افریقی ممالک میں تبلیغی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف اس میدان کے شہسوار ہیں اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنی عظمت و افادیت کا سکہ جمائے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کو اس مسئلے کے حسّاس اور باریک پہلوؤں کو سمجھنے اور برتنے کے

بیشتر مواقع حاصل ہوئے ہوں گے۔ زمانۂ طالب علمی میں مدرسۂ ناظمیہ کا متین، سنجیدہ اور خشک وجود آج بھی نگاہوں میں ہے۔ پھر کبھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ صحافت کے ذریعے نصف ملاقات ہوتی رہی۔
زیر نظر کتاب میں موصوف نے اپنے متین اور سنجیدہ اسلوب کے ذریعہ اس کا تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے۔ لیکن وجود کی خشکی کے بجائے طرز نگارش میں تازگی اور دل کشی ہے۔ موضوع کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر اسے حسین اور دل نشین پیرایۂ بیان میں ہونا چاہیے۔ کتاب ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہے۔ کتاب کے مطالعے کے بعد اس کی افادیت اور قدر و قیمت کے بارے میں ناظرین کو میری تائید کیے بغیر چارہ نہ رہے گا۔
خدا کے بارگاہ میں دعا ہے کہ مولانا آج کے ضروری مسائل سے متعلق موضوعات پر ایسی ہی گرانقدر کتابیں لکھتے رہیں تاکہ ہمارا ذوق مطالعہ وسعت پذیر ہو کر تبدیلیوں سے دوچار ہو۔

سید علی اختر رضوی
ممتاز الافاضل

بسمہٖ سبحانہٗ

غلامی سے نجات

اسلام نے تلقین توحید کے بعد جو جرأت مندانہ کارنامہ اس نے انجام دیا ہے وہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی اخلاقی برائیوں کے خلاف اس کا جہاد مسلسل ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود جو اسلام کی مذکورہ جد و جہد کے بعد مثبت نتائج کی شکل میں سامنے آئے۔ ذہن میں خلش پیدا کرنے والی یہ حقیقت بھی موجود ہے کہ انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کو غلام بنائے جانے کی رسم کے خلاف اس نے کوئی واضح اعلان جنگ نہیں کیا۔

اسلام کے سماجی انقلاب سے متعدد مذاہب اور متعدد طبقات زد میں آئے تھے۔ ان میں تلملاہٹ اور جھنجلاہٹ کا پیدا ہونا لازمی تھا لہٰذا ہر چہار جانب سے اسلام پر جوابی حملے شروع ہوئے۔ ابتدا سے لے کر اب تک تحریک اسلام کو ایک غلط تحریک ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ مخالفین کی جانب سے اس نظام کو ظالمانہ نظام کی شکل میں پیش کیا گیا۔ منجملہ دیگر اعتراضات کے اسلام میں غلامی کا چلن باقی رہنے پر بھی شدید اعتراض رہا ہے۔ چونکہ اس سلسلہ میں اسلام نے جو کام کیا ہے وہ نفسیاتی پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر لہٰذا عام ذہنوں کی پہنچ سے یہ بات دور رہی کہ اسلام نے غلامی کے خلاف بھی کوئی کام کیا ہے۔ نتیجہ میں مخالفوں کے پروپیگنڈہ کا عوام بالخصوص شکار ہوئے جس طرح خواتین کے حقوق کے بارے میں غلط

سلط پروپیگنڈوں کو بغیر کسی غور و فکر کے بآسانی قبول کر لیا گیا۔

اسلام اگر یکسر غلامی کے خاتمہ کی بات کرتا تو عملاً یہ ممکن نہیں تھا اس لیے کہ سب اس کے ماننے والے نہیں تھے بلکہ اس سلسلہ میں جو دور رس فوائد حاصل ہوئے وہ بھی نہ حاصل ہو سکتے تھے۔ مسلم قیدی جس دوسرے معاشرے میں قید ہو کر گئے وہاں انھوں نے محاسن اسلام پھیلائے اور جو غیر مسلم قیدی مسلمانوں کی تحویل میں آئے یہاں انھوں نے محاسن اسلام کی تعلیم حاصل کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سنہری تاریخ سے تاریخ کا طالب علم ناواقف نہیں ہے۔

اسلام میں غلام فروشی کی روایت خال خال ہی ملتی ہے۔ البتہ ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام جن کی سیرت ہی اصل اسلام ہے اس میں یہ بات بالخصوص نظر آتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ غلام خریدے جاتے تھے اور انھیں معمولی معمولی بات پر زیادہ سے زیادہ آزاد کیا جاتا تھا۔ ہماری فقہ میں متعدد گناہوں کی سزا غلاموں کی آزادی قرار دی گئی۔ مثلاً بغیر کسی عذر شرعی کے ماہ صیام کا روزہ ترک کرنا یا اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑنا۔

اگر اسلام میں غلامی کی رسم کو یکسر ختم کر دیا جاتا تو وہ بہت سے غلام جو غیر مسلموں کی تحویل میں تھے آزادی حاصل کرنے کی نعمت سے مستقل محروم رہ جاتے لہٰذا حکمت عملی ایسی اختیار کی گئی جس کے ذریعہ غلاموں کی آزادی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بتدریج دور کیا گیا۔ نتیجہ میں عملاً دنیا سے غلامی کی رسم کا خاتمہ ہو گیا جو مذکورہ روش کی بہترین دین ہے۔

بزرگان دین نے جو حسن سلوک غلاموں کے ساتھ کیا ہے وہ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ ان کے حسن سلوک اور بہترین برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

غلام اور کنیز آزاد ہونے کے بعد بھی ان کی رفاقت سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے آزاد شدہ غلام وہ گزرے ہیں جن کا شمار ائمہ اطہار علیہم السلام کے جلیل القدر اصحاب میں ہوتا ہے۔ گویا مصلحتاً غلامی کی رسم تو جاری رکھی گئی لیکن غلاموں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کی روش کے تار و پو کو بکھیر دیا گیا۔ یہی در اصل آزادی کی روح ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ غلام خود کو آزاد سے بہتر پاتے تھے۔

اسلام میں غلامی کے موضوع پر الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی نے عرق ریزی سے قابل قدر مواد جمع کر دیا ہے۔ موضوع کے ہر پہلو کا اس طرح جائزہ لیا ہے کہ معترضین کے پاس لب کشائی کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ مولانا موصوف دنیا کے دور دراز علاقوں میں جہاں بھی رہے ہیں، اپنے قابل قدر قلمی خدمات جاری رکھے ہیں۔ وہ منفرد موضوعات کا انتخاب فرماتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں وہ سطحی نہیں ہوتا۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین ان کے مزید علمی افادات سے مستفید ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی مولانا موصوف مدظلہ اپنا قلمی جہاد جاری رکھیں گے۔ فی الوقت مغربی ثقافت کی یلغار کے پیش نظر حقیقی اسلامی ثقافت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ فقط

سید محمد جابر جوراسی

ایڈیٹر ماہنامہ "اصلاح" مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ

۲۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۸ھ

غلامی

غلامی کی تعریف
****

غلامی کی تعریف مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا میں یہ کی گئی ہے کہ وہ ایک معاشرتی نظام ہے جس کے باعث ایک شخص دوسرے کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے Wester Mark (ویسٹر مارک) غلامی کی تعریف میں کہتا ہے کہ مالک کا حق غلام کی ملکیت پر اگرچہ ضروری اور قطعی نہیں ہے لیکن ایک مخصوص قسم کا ہے یعنی وہ ایک ایسا حق ہے کہ آقا ہی اس سے دست بردار ہو سکتا ہے لیکن اس کو ملکِ محض نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ قانون اور عرف نے غلام کو بھی یک گونہ کوئی حق دیا۔

غلامی کی اقسام
****

اصولی طور پر غلامی کی دو قسمیں ہیں یعنی ایک یہ کہ ایک قبیلہ کے بعض آدمی اپنے بعض ہم قبیلہ افراد کو اپنا غلام بنا لیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ ایک قبیلہ کے بعض افراد کسی دوسرے قبیلہ کے بعض افراد یا سب کو اپنی غلامی میں لے لیں پہلی قسم کو انگریزی میں Itratribal Slavery اور دوسری قسم کو Extra Trabil Slavery کہتے ہیں۔

بالکل ابتدائی زمانے میں مساوات انسانی کا احساس تھا اور ایک قبیلہ کے بعض افراد اپنے ہم قبیلہ لوگوں کو اسی طرح عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے اغلب یہی ہے کہ غلامی کی قسم اوّل کا وجود شروع زمانہ میں نہیں ہو گا اب رہی غلامی کی دوسری قسم تو اس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی غلامی کا وجود جنگ کے لوازم میں سے ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ جب سے دنیا میں جنگ کا وجود ہے غلامی بھی قائم و موجود ہے اخلاقی نقطۂ نظر سے پہلے زمانے کے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ فریق فاتح کا غالب آنا اس کے برحق ہونے کی اور فریق مفتوح کا مغلوب ہونا اس کے سچے نہ ہونے کی دلیل ہے اور

اس بنا پر فاتح کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو قیدی بنا کر رکھے اب اس حالت میں وہ ان قیدیوں کو مار سکتا ہے کھا سکتا ہے غلام بنا سکتا ہے کسی چیز کے تبادلہ میں دیا اور لیا جا سکتا ہے اور اس کو آزاد بھی کر سکتے ہیں۔

غلامی کے رواج کے اسباب

قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی جہاں تک تاریخ یا کتبے رہنمائی کر سکتے ہیں غلامی کے رواج کا ثبوت ملتا ہے معلوم ہوتا ہے غلامی کی ابتدا جنگوں سے ہوئی ہے ازمنہ قدیمہ میں دستور تھا کہ جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی جو قوم مغلوب ہو جاتی فاتح قوم اس کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جو گرفتار ہو جاتے غلام بنا لیتی تھی جو لوگ اس طرح جنگ میں گرفتار ہو کر آئے فاتح ان کو روزمرہ کے ضروری کاموں میں لگا دیتے تھے غلام اپنے آقاؤں کی خدمت کرتے کھیتوں کو جوتتے اور ان کے ریوڑوں کی پاسبانی کرتے تھے۔

غلامی کے رواج کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں مسٹر اے۔ این۔ گلبرٹسن نے لکھا ہے کہ شمالی امریکہ کے ہندوستانیوں میں ایک رواج قائم تھا جس کو Adoption کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں اس رواج کی رو سے فریقِ مغلوب کے مرد قتل کیے جا سکتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو زندہ رکھ کر اپنے گھر میں رکھ لیتے تھے اس نامور مصنف کی رائے ہے کہ غلامی اسی رواج کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے جس میں عورتوں اور بچوں کی طرح مردوں کو بھی زندہ رہنے دیا جاتا ہے اور ان کو غلام بنا کر رکھتے ہیں نیبور Nieboer نے ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کو جانور پالنے کی عادت ہوتی ہے اسی عادت نے بڑھتے بڑھتے انسانوں کو پالنے کی عادت کی شکل اختیار کر لی اور اسی کو غلام کہا جانے لگا۔

ہمارے خیال میں اصل یہ ہے کہ جب شروع شروع میں تہذیب و تمدن کا پتہ نہ تھا اور عام انسانی طبائع پر بہیمیت غالب تھی فریق فاتح اپنے گرفتار شدہ قیدیوں کو فرط غیظ و غضب میں قتل ہی کر دیتا ہو گا لیکن پھر جب لوگوں کی اقتصادی و معاشرتی ضرورتیں

وسیع ہوئیں اور ان کو بے معاوضہ مزدور کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت انھوں نے اس امر پر غور کیا ہو گا کہ جنگ کے قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے اگر زندہ رکھا جائے تو ان سے بہت سے معاشرتی اور اقتصادی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں اس بنا پر لوگوں نے غلامی کا رواج قائم کیا اور اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا طریقہ مسدود کیا ہو گا کیوں کہ اس سے بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ فاتح قوم کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے جو اس کے لیے تقویت کا باعث ہے (اسلام میں غلامی کی حقیقت حصہ اول ص۱۱ سعید احمد فاضل دیوبند)

غلامی کی نفسیاتی حیثیت

نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو بعض اوقات غلامی ناگزیر یا متعدد فوائد کا باعث ہوتی ہے مثلاً ایک جنگ میں فرض کیجیے ایک فریق کے مرد کثرت سے قتل کر دیے گئے ہیں ان کے لیے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ان کو آزاد کر دیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو لونڈی/غلام بنا کر رکھا جائے پہلی صورت میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان کے سرپرست مرد زندہ نہیں ہیں تو اس آزادی کے عالم میں اندیشہ ہے کہ یہ کہیں اخلاقی خواہش اور بدکاری میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد انگلینڈ اور جرمنی کی عورتوں کا حال ہوا اس بنا پر ان کے لیے آسان اور زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ یہ کسی گھر میں باندی یا غلام ہو کر رہیں ان کے اخراجات کی ذمہ داری ان کے آقاؤں پر ہو گی اور یہ بطور خدمت گزار ان کے گھروں میں رہیں گے ان کے طور طریقہ میں تبدیلی ہو گی اخلاق کی تہذیب و تربیت ہو گی اور پھر یہ اس گھر کے لیے اور یہ گھر ان کے لیے مفید و سود مند ہو گا۔

عورتوں اور بچوں پر ہی مردوں کو قیاس کر لیجیے جو مرد جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں عقلاً ان کے ساتھ حسب ذیل معاملہ کیا جا سکتا ہے (۱) ان کو قتل کر دیا جائے (۲) بے معاوضہ آزاد کر دیا جائے (۳) کسی معاوضے کے بدلے میں آزاد کر دیا جائے

(۴) ان کو کسی جگہ State Prisoner شاہی قیدی بنا کر رکھا جائے (۵) ان کو غلام بنا لیا جائے اب غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کے مختلف حالات اور سیاسی مقتضیات کی بنا پر تمام اسیران جنگ کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں ہو سکتا ایک قیدی اگر آپ کا شدید دشمن ہے اور اس کے زندہ رہنے سے ملک کے امن و امان کو عظیم خطرہ پہنچنے کا اندیشہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اس کے خلاف بعض قیدی ایسے ہیں جن کی آزادی سے ملک کے امن و امان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تو موقع ہو تو بلا معاوضہ ورنہ کوئی عوض لے کر ان کو آزاد کیا جا سکتا ہے پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک قیدی اپنی فطری استعداد و صلاحیت کی وجہ سے تو قابلِ تحسین و لائق ستائش ہے لیکن ایک فساد انگیز ماحول میں رہنے کے باعث ہمارا دشمن بنا ہوا ہے تو اب اس شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اس ماحول سے نکال لیا جائے اور ایک صالح "آب و ہوا" اور درست فضا میں اس کی تربیت کی جائے۔ اس شخص کو نہ تو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ یوں ہی آزاد چھوڑا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ رہی ایک صورت شاہی قیدی ہونے کی تو ظاہر ہے کہ قیدی کو اس صورت میں اخلاقی تربیت اور تہذیب و اکتساب ادب کا ایسا عمدہ اور اچھا موقع نہیں مل سکتا جتنا کہ اس صورت میں مل سکتا ہے جب کہ وہ غلام کی حیثیت سے کسی گھر کا ایک فرد ہو کر رہے۔

بہر حال یہ وجوہ ہیں جن کے باعث غلامی کے رواج کا ظہور ہوا اور نہ صرف کسی ایک ملک و قوم میں بلکہ قریب قریب دنیا کی تمام قوموں میں شائع ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ غلامی کو چاہے کتنا ہی برا کہا جائے اور اس کو مذموم و قبیح قرار دیا جائے لیکن وہ نتیجہ جنگ ہے اور جس طرح آپ مخصوص حالات میں جنگ ایسی ہولناک مصائب بار اور تباہ کن چیز کو برداشت کر لیتے ہیں اور نہ صرف برداشت بلکہ اس کو بعض اوقات صنعت و حرفت کی ترقی اور ملکی عروج و ارتقاء کا باعث قرار دیتے ہیں مخصوص حالات میں اگر آپ اسی طرح غلامی کے جرعہ تلخ کو بھی دوا کا ایک گھونٹ سمجھ کر پی جائیں تو کیا مضائقہ ہے

غلامی کا اجتماعی و تمدنی پہلو

****

یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات و اجتماعیات کے بعض علماء متبحرین نے غلامی کے رواج کو بعض خاص ملکی حالات کے پیش نظر مفید اور نافع اور تمدن کی ترقی کا باعث کہا ہے ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے کہ یہ تسلیم کر لینا بالکل ممکن ہے کہ جب ایک فریق نے تسلط و اقتدار کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہضم کرنے کے بجائے اپنا غلام بنا لیا ہے تو ان کو زندہ چھوڑ دینا ہی ترقی کی طرف ایک قدم ہے غلامی خواہ کتنی ہی بری ہو تاہم وہ اضافی طور پر اچھی ہے اور بعض حالات میں ہنگامی طور پر وہی سب سے زیادہ قابلِ عمل ثابت ہوتی ہے (اسٹڈی آف سوشیالوجی صہ ۲۵۳

بعض اوقات حالات ہی ایسے رونما ہوتے ہیں کہ ان کے پیش نظر یہ کہنا نامناسب نہیں ہوتا کہ غلامی بذاتِ خود آزادی کی منزل کا ایک مرحلہ ہے (مقدمہ سلیوری ان دی رومن امپائر صہ ۱۵ مسٹر آر۔ ایچ۔ بارو نے رومن امپائر میں غلامی کے نام سے ایک نہایت محققانہ اور قابلِ قدر کتاب لکھی ہے اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"غلامی ایک ایسا لفظ ہے جو سنتے ہی کانوں کو برا لگتا ہے اس لفظ کے کان میں پڑتے ہی گراں بار زنجیروں کی جھنکار کوڑوں کی چٹاخ پٹاخ اور مظلوم غلاموں کی چیخ پکار کا تصور قائم ہو جاتا ہے غلامی کو عموماً اس کے برے پہلوؤں کے ساتھ دیکھا جاتا ہے لیکن اگر تحقیق کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں انتہا یہ کہ غلام خواہ کچھ زیادہ مقدس اور پارسا نہ ہوتا ہم اس کو بھی تہذیب کی ترقی میں کسی حد تک ضرور دخل ہوتا ہے ہم غلامی کے رواج کا خاتمہ کر سکتے ہیں لیکن ہم کو نہ چاہیئے کہ عہدِ گذشتہ کے رواج غلامی کو قطعی طور پر برا کہیں اور اس کو بالکل ہی مذموم قرار دیں Hobe House اپنی کتاب ارتقاء اخلاق Maralsin evolution میں لکھتے ہیں

"معاشرتی ترقی میں کبھی ایسا دور بھی آتا ہے جب کہ فتح یاب یہ خیال کرتا ہے زندہ گرفتار قیدی مردہ کی بہ نسبت زیادہ کارآمد ہے (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا

آف ایلی میجن اینڈ اتھکس مضمون غلامی) ایک اور انگریز مصنف نے لکھا ہے
بہر حال جماعت کے خارجی تعلقات اور رشتے خواہ کچھ ہی ہوں غلامی ہرگز
وجود میں نہ آتی اگر اخلاقی اور اقتصادی نقطہائے نظر کے ماتحت کسی قبیلہ کی
معاشرتی ضروریات اس رواج کے ساتھ وابستہ نہ ہوتیں (انسائیکلوپیڈیا
ریلیجن اینڈ اتھکس مضمون غلامی)

غلامی کا اقتصادی واخلاقی پہلو

****

اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ غلامی کا برا یا اچھا ہونا
موقوف ہے غلام بنانے والوں کے اخلاق کے اچھا یا برا ہونے پر اگر وہ لوگ اخلاقی
اعتبار سے بلند و برتر ہیں تو غلام ان کے پاس خوش رہیں گے اور ان کے فیض صحبت
سے ان کے اخلاق بھی اچھے ہو جائیں گے انیسویں صدی کی فرانسیسی دائرۃ المعارف
میں مذکور ہے "لڑائیوں نے نوع بشری کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے یہاں تک کہ
لڑائی کا ایک بدترین نتیجہ یعنی گرفتار شدہ قیدیوں کو غلام بنالینا بھی ایک فائدہ عظیم
سے خالی نہیں ہے نوع بشری کبھی ایسے طریقوں کے ماتحت ترقی پذیر ہوتی ہے کہ اس
کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا غلام بنانے سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ عورت ان مصائب
سے بچ جاتی ہے جو اس کو اس وقت پیش آتی ہیں جب کہ خاوند کے گھر پر کوئی غلام
نہیں ہوتا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر انسان فطرتاً جب کسی قوم کے افراد کے سامنے ہوتا
ہے تو وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اس اجنبی کے سامنے اس کے قول وعمل
سے کسی عزیز و قریب سے متعلق کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس کے باعث وہ خود
اور اس کا تمام کنبہ اور قبیلہ ذلیل و خوار ہو جائے اس بنا پر بڑا فائدہ یہ ہے کہ غلام
کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کا بیوی اپنے شوہر کا اور دوسرے رشتہ داروں کا ادب
واحترام کرنا سیکھ جاتی ہے"۔

اس میں شک نہیں کہ غلامی کا رواج ہنگامی طور پر ہی ضروری یا مفید ہوسکتا

ہے تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت کی غیر معمولی ترقی کے زمانے میں اس کی نہ کوئی
ضرورت ہے اور نہ فائدہ چنانچہ یہی مضمون نگار اس مقالہ کے آخر میں کہتا ہے "لیکن
اب غلام بنانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ طرح طرح کی مشینیں ایجاد ہوگئیں ہیں
جن کے باعث لوگوں کو کاروبار میں غلاموں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں (دائرۃ المعارف
فرید وجدی جلد ۷، ص ۳۸۲)

ہربرٹ اسپینسر نے اپنی کتاب "اصول معاشیات The Principales
of Socialogy میں ایک مقام پر بڑی صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ غلامی کے بغیر
سیاست کا مرحلہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا" سمنر Sumner کا خیال ہے کہ غلامی
جہاں کہیں بھی رہی ہے اس نے سوسائٹی کے تمام گوشوں کو متاثر کیا ہے اس کو قبیلوں
اور جماعتوں میں اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے ان تمام شعبوں میں ایک طرح کا رنگ
وروغن پیدا ہو جاتا ہے پھر اسی نامور مصنف نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ غلامی ایک
بڑی معلمہ ہے جو پھرتی کے ساتھ کام کرنا سکھاتی ہے اور وہ ایک ایسی جماعت ہے جس
کے باعث لوگوں کو صنعتی نظام کے چلانے میں مدد ملتی ہے ایک اور انگریز مصنف کا مقولہ
ہے "فرصت ابتدائی جماعتوں کی اولین ضرورت ہے اور اس کی تکمیل صرف غلاموں کے
ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔

ڈیلے اینڈ وارڈ Dealey and ward ان دونوں کا خیال یہ تھا کہ اصل
مشکل یہ ہے کہ لوگوں سے کسی طرح کام کرائیں اور سوائے غلامی کے کوئی دوسری چیز
اس مقصد کے لیے مفید نہیں ہوسکتی تھی یونان کے فلاسفہ کا عام خیال یہ تھا کہ انسانی طبقات
کو راعی اور رعایا حاکم اور محکوم آقا اور غلام کی طرف منقسم ہونا فطرتاً ضروری ہے۔ دنیا کا
نظام اجتماعی اس وقت تک باقی اور قائم اور برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ بعض لوگ
حکومت کرنے والے قانون بنانے والے اور اس کو نافذ کرنے کی طاقت وقوت رکھنے والے
نہ ہوں اور ان کے بالمقابل اکثر وہ نہ ہوں جو رعایا کہلائیں (سیاسیات کتاب اول باب ۴

۲۰۶ ارسطو) اور جن پر حکومت کی جائے ایک ملک کا مختارِ کلُ اور حاکم اعلیٰ کہلاتا ہے اور تمام
اہلِ ملک اس کی رعیت کہلاتے ہیں بس جس طرح انسانوں کی ایک بڑی جماعت ایک شخص
واحد کی یا چند آدمیوں کی محکوم ہو سکتی ہے انفرادی طور پر ایک فردِ واحد ایک شخصِ واحد کا
بھی محکوم ہو سکتا ہے یہی محکومیت اگر ملکیت کا رنگ اختیار کرے تو غلامی کہلاتی ہے یونانی
فلاسفہ قدیم کی رائے تھی کہ تمدنی اعتبار سے غلاموں کا وجود ناگزیر ہے تاکہ اہلِ دماغ جسمانی
محنت سے محفوظ رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی کام کر سکیں اور فکر و نظر کی یکسوئی میں جسمانی سخت
کام مخل نہ ہوں۔

مسٹر البرٹ این گلبرٹسن نے ذیل کی عبارت میں درحقیقت انھیں فلاسفر کی ترجمانی کی ہے
"غلامی نے انسان کی اقتصادی کوششوں اور اس کے ذریعہ اور معاشرتی شعبوں پر جو
عمیق اثر کیا ہے وہ محنت کا منقسم ہو جانا ہے انسانی جماعت کی یہ تقسیم کہ بعض حاکم ہوں
اور بعض محکوم بالکل ابتدائی اور طبعی تقسیم و تفریق ہے غلامی ایسے افراد کو پیدا کرتی ہے
جو کام کرنے کے لیے ہیں سوچنے کے لیے نہیں پیدا کئے گئے ہیں یہ لوگ سوچنے کے مکلف
نہیں ہوتے کیوں کہ فکر و نظر کے لیے دوسرے افراد ہوتے ہیں"۔ یہی مقالہ نگار آگے چل کر
لکھتا ہے "انسانی سوسائٹی کے انتہائی سادہ طبقوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ
برآمد ہوتا ہے کہ غلامی کا ظہور اور اس کا نشو و نما معاشرتی حالات پر موقوف ہے یہ حالات
ہمارے زمانے کے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے معاشرتی احوال میں سراسر ناپید ہیں (مذہب
و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا جلد یازدہم مضمون غلامی) پھر یہی مصنف اسی مقالہ میں ایک
اور جگہ لکھتا ہے اگر غلامی کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ قتل کر دینے کا عوض و بدل
ہے تو صرف یہی ایک حیثیت اس بات کی دلیل ہے کہ غلامی اخلاقی ترقی کی طرف ایک
پیش قدمی ہے۔

غلاموں کی خرید و فروخت

جب فاتح قوم میدان سے واپس آتی تھی
تو بعض اوقات اس کے ساتھ اتنے قیدی

****

ہوتے تھے جو فاتح سپاہیوں کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوتے تھے ایک ایک سپاہی
کے حصہ میں کئی کئی قیدی آجاتے تھے جن کے نہ تو وہ اخراجات برداشت کر سکتا تھا
نہ ہی اس کے پاس ان کے کرانے کا کوئی کام ہوتا تو اس لیے وہ ان کو ضرورت مند لوگوں کے
ساتھ بیچ دیتے تھے مثلاً جب اہل بابل نے یروشلم کو فتح کیا تو نوتے ہزار یہودیوں کو اپنی
ضرورت سے زائد سمجھ کر فروخت کر دیا۔

ہوتے ہوتے یہ بھی تجارت کی ایک باقاعدہ شاخ بن گئی بڑے بڑے قصبوں میں
غلاموں کی تجارت کی اسی طرح منڈیاں لگتی تھیں جیسے مویشیوں کی اور ان میں یہ
قیدی یا غلام اسی طرح بکتے تھے جیسے مویشی یا دیگر اشیا فروخت تھیں لیکن معلوم ہوتا ہے غلاموں
کی ترقی میں قحط سالی نے بھی اکثر مدد دی ہے کیوں کہ جب کبھی کسی ملک میں قحط نمودار ہوتا
تھا تو غربا، اس خیال سے کہ غلامی کی حالت میں کھانے کو تو مل رہے گا وہ خود اپنے آپ کو
اور اپنی اولاد کو امراء و روسا کی غلامی میں دے دیتے تھے جہالت کا زمانہ تھا مغرور امراء
اپنے غلاموں سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے بات بات میں انھیں کوڑوں
سے پیٹنا آنکھیں نکلوا ڈالنا شکنجہ میں کھنچوا دینا نہایت بے دردی سے قتل کروا دینا معمولی
باتیں سمجھی جاتی تھیں اور ان بے دردوں کو ان پر ذرا رحم نہ آتا تھا حالاں کہ انھیں
مظلوم غلاموں میں بعض ایسے بھی ہوتے تھے۔ جو کبھی ان سے بھی معزز تر یا معزز تر
لوگوں کی اولاد تھے رفتہ رفتہ ہر ایک ملک و قوم میں غلاموں کی کثرت ہوتی گئی،
یہاں تک کہ انھیں غلاموں کے متعلق قانون وضع کرنے پڑے ہر ایک ملک
میں نیک و بد دونوں قسم کے لوگ ہوا کرتے تھے امراء غرور امارت میں اپنے غلاموں
سے وحشیانہ سلوک کرتے تو نیک اور رحم دل لوگ ان کے اس ظلم و ستم پر چشم نمائی
کرتے رہتے۔

مصنف الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد اول صد ۹۴ پر لکھتے ہیں غلاموں کی
کھلم کھلا تجارت ہوتی تھی اور بازاری چیزوں کی طرح ان کا لین دین ہوتا تھا

مختلف شہروں میں ان کے مستقل بازار قائم تھے اور ان کے لیے پوپ سیلسٹائن پنجم ۱۲۹۴ء نے خاص خاص قواعد بنائے تھے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ یہودی صرف وہی غلام رکھ سکتے ہیں جن کو گھروں میں پالا گیا ہو۔ ۲۔ اگر وہ غلام عیسائی ہوں تو آزاد ہو سکتے ہیں۔ ۳۔ اگر کسی پادری نے کسی باندی سے شادی کر لی ہے تو اس کے تمام بچے گرجا کے غلام سمجھے جائیں گے ان کو اپنے باپ (پادری صاحب) کے گناہ کا خمیازہ بھگتنا ہوگا مسٹر اے این گلبرٹسن نے بالکل صاف لفظوں میں کہا ہے کہ مسیحی پیشوایانِ قوم غلاموں سے تو یہ کہتے تھے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کرو لیکن آقاؤں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے غلاموں کو آزاد کرو (مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا) غلاموں کے ساتھ عیسائی قوم کا سلوک اچھا نہیں تھا زمین میں کاشت کراتے تھے سخت سے سخت کام لیتے تھے ویسٹر مارک کہتا ہے غلامی کا رواج کم از کم برطانوی مستعمرات میں اور ان مقامات پر جہاں غلامی کا رواج ہے ظلم و ستم کے اعتبار سے اس غلامی سے بدرجہا زیادہ ظالمانہ اور جابرانہ ہے جو کافروں کے قدیم و جدید ممالک میں پایا جاتا ہے۔

یہی مصنف دوسرے مقام پر یوں رقم طراز ہے۔ تیرھویں صدی میں آقا کو اپنے غلام پر ہر طرح کا حق تھا کہ چاہے تو اس کو زندہ رہنے دے یا ہلاک کر دے یہ لوگ غلام کو لکھنے پڑھنے سے منع کرتے تھے اور جو اس کے خلاف کرتا تھا اس کو سزا دی جاتی تھی غرض یہ تھی کہ غلام اپنے حقوق سے بے خبر رہیں (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۱ ص ۹۴)

غلامی پر ایک تاریخی نظر

****

غلامی سے متعلق مصنفینِ مغرب کے ان خیالات کو معلوم کرنے کے بعد اس پر ایک تاریخی نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کی ترقی یافتہ ہر قوم میں غلامی کا رواج عام تھا بابل، اسیریا، شام، مصر اور ہند وغیرہ کوئی ملک ایسا نہ تھا جس میں کسی نہ کسی طریقہ سے غلامی کا رواج نہ ہو اور مذہبی اعتبار سے دیکھئے تو ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیت اور یہودیت اور ہندومت

ان تینوں کی مذہبی کتابوں میں غلامی کے رواج کی مذمت کہیں نہیں کی گئی جس کی توجیہ آج کل کے عیسائی عجیب و غریب طریقہ سے کرتے ہیں۔

یونان میں غلامی

****

یونان کے ابتدائی دور میں غلام ہر درجہ اور ہر طبقہ کے امیر و غریب تھے جو ناموافق حالات کے باعث غلام بن گئے تھے اس لیے ان غلاموں کی حالت ان غلاموں سے بہت بہتر تھی جو مفتوحہ قوم سے ہوتے تھے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ سلطنت یونان میں سلطنتِ روم کی بہ نسبت غلاموں کی حالت بہت بہتر تھی چنانچہ ڈیموستھنیز کا قول ہے کہ یونان میں غلام ایسی اچھی حالت میں ہیں کہ دوسرے ملکوں میں آزاد لوگ بھی نہیں بایں ہمہ مفتوحہ قوم کے غلاموں کے ساتھ جو سلوک رکھا جاتا تھا اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ سرکار کو ان کی موت وزیست کا پورا حق حاصل تھا ایک دفعہ ایک جنگ میں غلاموں نے بڑی بہادری دکھائی تو اہلِ سپارٹا نے اعلان کیا کہ جن جن غلاموں نے جنگ میں کارہائے نمایاں کئے ہیں وہ حاضر ہوں لیکن بجائے اس کے کہ انھیں کوئی اعزاز دیا جاتا چپکے سے تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اسی طرح جب حکام کسی غلام کو خطرناک خیال کرتے تو اسے قتل کرا دیتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلام بھی اپنے بچاؤ کے لیے جمع ہو کر بغاوتیں کر دیتے سخت ہنگامے برپا رہتے اور خونریزیاں ہوتیں۔ ان خونریزیوں کو روکنے کے لیے افلاطون نے یہ تدبیر بتلائی تھی کہ غلاموں کے ساتھ عزت و توقیر اور انصاف کا برتاؤ کیا جائے اور ایک ہی ملک میں زیادہ غلام نہ رکھے جائیں ارسطو کہتا تھا کہ انھیں لوگوں کو غلامی میں رکھنا چاہئے جو بخوشی غلام بن کر رہنا چاہیں اور جو لوگ آزادی پسند ہوں ان کو غلامی سے آزاد کر دینا چاہیئے ارسطو کے ایک شاگرد ستوامس نے غلاموں کی حالتِ زار سے متاثر ہو کر ایک تقریر میں یہاں تک کہہ دیا کہ خدا نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے اور قدرت نے کسی کو بھی کسی کا غلام نہیں بنایا لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے چوں کہ غلاموں میں بہت سے

مفتوحہ ممالک کے معزز اور بہترین گھرانوں کے لوگ بھی ہوتے تھے جن کی دماغی اور شریفانہ قابلیتیں اس حالت میں بھی اپنے جوہر دکھایا کرتی تھیں وہ بعض اوقات بڑی ناموری پیدا کر لیتے اور غلامی سے آزاد ہو جایا کرتے تھے اس قسم کے لوگوں میں حکیم ایلسیتپ شاعر ہورلیس اور ٹرمینس وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد۔

روم میں غلامی
****

یونان کے بعد روم کی غلامی کا ذکر بھی بیجا نہیں روم میں غلاموں کی حالت بھی یونان سے اچھی نہ تھی آقا غلاموں کو ذرا ذرا سی بات پر کوڑے لگواتے اور معمولی سی فرد گزاشت پر قتل کروا دیا کرتے تھے مشہور یونانی مورخ پلوتارخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک آقا نے اپنے غلام کو اپنے ایک ایسے دوست کی خاطر دل لگی میں قتل کر دیا جس نے کبھی کسی انسان کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا کیٹو کہتا تھا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے کمزور اور ضعیف غلاموں کو فروخت کر دیا کریں لیکن چونکہ ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھُس دے کے مطابق ان کا کوئی خریدار نہ ہوتا تھا... سنگدل رومی انھیں غیر آباد جزیرہ اسکولائپس میں چھوڑ آتے تھے جہاں وہ بیمار بیچارے بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔

رومیوں نے غلاموں سے ایسا ایسا سنگ دلی کا سلوک روا کر رکھا تھا کہ جس کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں انھوں نے ایک بہت بڑی تماشا گاہ بنائی تھی جس میں وہ غلاموں کو آپس میں لڑا کر انسانی قتل و خوں ریزی کا تماشا دکھاتے تھے اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان تماشوں میں رُومی عورتیں بچّے اور لڑکیاں تک شامل ہو کر مقتولوں کو تڑپتا دیکھتے اور قہقہہ لگاتے تھے غلاموں کو شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے کھانستا یا چھینکتا تو اس کی لاٹھیوں سے خوب خبر لی جاتی تھی کسی غلام کو جائداد بنانے کی اجازت نہ تھی۔ ایسے ہی ظلموں سے تنگ آ کر اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ روم کے غلاموں نے سازشیں کر کے اپنے جتھے بنائے اور ایسی ایسی سخت بغاوتیں کیں کہ

بڑی مشکلوں اور دشواریوں سے فرو ہوئیں۔

مشہور رومی فلاسفر ایپک ٹیٹس خود غلام تھا اس نے ایک کمینہ خصلت اور سنگدل آقا کی خدمت میں کئی سال بسر کئے تھے اس کے سنگدل آقا نے ایک دن اس کی ایک ٹانگ شکنجہ میں کس کر اس کو ہمیشہ کے لیے لنگڑا کر دیا تھا جس شخص نے خود غلامی میں ایسی سخت تکلیفیں اٹھائی ہوں اس سے بڑھ کر غلامی کی حالت کا تجربہ کس کو ہو سکتا ہے؟ انھیں تجربات کی بنا پر اس نے اپنی کتاب "اینکریڈین" میں اپنے زمانہ کے ظالم قیصر نیرو کو ان الفاظ میں غلاموں کی حالت کی طرف توجہ دلائی ہے:۔ کیا تو یہ یاد رکھے گا کہ تو کون ہے؟ اور یہ کہ تو کس پر حکومت کرتا ہے؟ اور یہ کہ وہ تیرے رشتہ دار اور بھائی ہیں وہ بھی تیری طرح مشتری کی اولاد ہیں جو بات کہ تو اپنے لیے روا رکھنی نہیں چاہتا اسے دوسروں کے لیے بھی روا نہ رکھ تو غلام بننا نہیں چاہے گا اس لیے تو دوسروں کو بھی غلام نہ بنا کیوں کہ تو اگر دوسروں کو غلام رکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے تو خود غلام ہے نیکی کبھی بدی کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور نہ غلامی آزادی کے ساتھ جس طرح ایک تندرست شخص کسی بیمار سے خدمت لینا نہیں چاہتا اور نہ وہ لوگ جو بیمار کے ساتھ رہتے ہیں سہارا اپنے رہنا چاہتے ہیں اسی طرح ایک آزاد شخص غلاموں سے خدمت لینا نہیں چاہے گا نہ اپنے ساتھیوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہے گا۔

روم کا مشہور حکیم اور زبردست فلسفی سنیکا بڑا نیک دل شخص تھا وہ سنگدل نیرو کا استاد بھی تھا اگرچہ قیصر نیرو کو ظلم و ستم سے باز رکھنے میں اس کی کوشش بار آور نہ ہو سکی تاہم جب اس کو خبر ملی کہ اس کا ایک دوست لوسیلس اپنے غلاموں سے نیک سلوک کرتا ہے تو اس کا دل خوشی سے بھر گیا اور اس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا "مجھے یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنے غلاموں کے ساتھ مہربانی اور دوستی کا برتاؤ کرتے ہو یہ تمہاری دانائی ہے کیا واقعی وہ لوگ غلام ہیں؟ نہیں بلکہ تمہیں سے

انسان، غلام نہیں بلکہ رفیق، غلام نہیں بلکہ تاجر اور غریب دوست اگر تم یہ سمجھو اور سوچو کہ
تقدیر تم پر اور غلاموں پر ایک ساز ور اور اختیار رکھتی ہے تو تم ان کو ویسا ہی خیال کروگے
جیسا کہ میں ان کو بتا رہا ہوں" لیکن ان نیک اور رحم دل فلاسفہ کی آوازیں محض صدا بصحرا
یا نقار خانے میں طوطی کی آواز تھیں رومیوں کے اخلاق اس قدر ذلیل ہو گئے تھے اور
دولت کے غرور نے انھیں اس قدر سنگ دل اور بے رحم بنا دیا تھا کہ اس سے انھیں
کچھ تنبیہ نہ ہوئی اور نہ ہی ان کے دل پسیجے انھوں نے غلاموں پر ایسے ایسے وحشیانہ
ظلم روا رکھے جن کی نظیر کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

ایران میں غلامی

اہلِ فارس ان قوموں میں سے تھے جو غلاموں کی کثرت
کو تمول کی نشانی اور ریاست و امارت کی علامت سمجھتے
تھے اُن کے یہاں غلام کو محض بد زبانی کے باعث کوئی شدید سزا نہ دی جاتی تھی البتہ
اگر وہ اپنی اس حالت کی اصلاح نہ کرتا اور بار بار اُس سے اس طرح کی حرکات صادر
ہوتیں تو پھر اُس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

اہلِ چین اور غلامی

چین والے بھی اپنے مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق
غلام سے ہر طرح کا خاطر خواہ معاملہ کرنے میں مختار تھے
لیکن چینیوں کے اخلاق و عادات دوسری قوموں کی بہ نسبت اچھے تھے اسی لیے وہ
غلاموں کے ساتھ زیادہ وحشیانہ معاملہ نہیں کرتے تھے پہلی صدی عیسوی میں اُن کے یہاں
ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کی رو سے ہر شخص کو اپنے غلام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے
کی تاکید کی گئی تھی۔

ہندوستان میں غلامی

آریہ قوم نے جب ہند میں قدم جمائے تو یہاں کے اصلی
باشندوں کو غلام بنا کر اُن کے لیے جو قوانین بنائے ان
کا اندازہ منوسمرتی کے ان اشلوکوں سے ہو سکتا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں
۱۔ جو شودر خرید کیا گیا ہو یا نہ خرید کیا گیا ہو اس سے داس کا کام کرانا چاہیے

کیوں کہ برہمن کے داس کرم کے لیے برہما جی نے شودر پیدا کیا (منوسمرتی ادھیائے
۸۔ اشلوک ۴۱۳)
شودر کے لیے ایک ہی کرم پربھو نے ٹھہرایا ہے یعنی صدق دل سے ان تینوں ورنوں
(برہمن، کشتری اور ویش) کی خدمت کرنا (منوسمرتی ادھیائے ۱۔ اشلوک ۹۱)
۲۔ شودر سے دولت چھین لی جائے برہمن داس شودر سے دولت لے لیوے اس میں
کچھ بچار نہ کرے کیوں کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے وہ بے زر ہے وہ جو دولت
فراہم کرے اس دولت کا مالک اس کا سوامی ہے (منوسمرتی ادھیائے ۸۔ اشلوک ۴۱۷)
۳۔ شودر کو مذہب کی تعلیم بھی نہ دی جائے:۔ جو شخص شودر کو دھرم اور برت کا اپدیش
دیتا ہے وہ مع شودر کے اسمبرت ترک (دوزخ) میں جاتا ہے (منوسمرتی ادھیائے ۴۔ اشلوک ۸۱)
۴۔ معمولی جرم پر شودر کے ہاتھ کاٹنے کا حکم:۔ شودروں کے متعلق یہ احکام ہم نے سرسری
نظر سے منوسمرتی سے دیکھ کر انتخاب کیے ہیں اور دوسری اسمرتیوں کو چھوا تک نہیں خدا معلوم
اُن میں کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے لیکن اُن سے ہی جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ شودر نہ تو
مذہب قبول کر سکتا ہے تاکہ نجات اخروی حاصل کرے اور نہ ہی دولت کما یا اکٹھی کر
سکتا ہے کہ ذلت و نکبت سے خلاصی پا کر دنیا میں ترقی یا عزت کی زندگی بسر کر سکے یا دوسرے
لفظوں میں یہ دنیا بھی اس کے لیے جہنم ہے اور آئندہ بھی دوزخ "نہ جائے ماندن نہ پائے
رفتن" بلکہ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر
شودر کوئی وید کا منتر اتفاقیہ بھی سن لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال
دینا چاہیے سوامی دیانند جی جو اس تہذیب و روشنی کے زمانے کے مشہور ہندو
مصلح ہوئے ہیں اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں کہ شودر کے منہ کی ہوا
بھی ہندو کے کھانے تک نہ پہنچے انھیں انتہا درجے کے سخت احکامات کا نتیجہ تھا
کہ ہندوستان کے قدیم باشندے دنیا سے بالکل کٹ گئے یا وہ چند افراد بچ
رہے جو جنگلوں اور پہاڑوں میں آج تک گونڈ بھیل وغیرہ کی شکل میں کہیں کہیں

دیکھے جاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی نہ بچ سکتے اگر بدھ مت اور اسلام ان کی دستگیری نہ کرتا۔

مذاہب عالم میں غلامی کا رواج

ملکی اور علاقائی جائزہ لینے کے بعد جب ہم مذاہب عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اعتبار سے بھی غلامی کا رواج عام تھا اور کسی مذہب میں بھی غلام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ انتہائی حقارت اور ذلت آمیز سلوک اس مخلوقِ خدا پر کئے جاتے تھے۔

****

غلامی اور ہندو مذہب

اگرچہ مندرجہ بالا سطور میں ہندو مذہب میں غلامی کا ذکر آچکا ہے لیکن چونکہ ہم مذہبی اعتبار سے غلاموں کا جائزہ علیحدہ سرخی قائم کرکے کر رہے ہیں اس لیے اس مذہب کا تفصیلی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

****

سنسکرت کی تمام مذہبی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے اور اس کی اصل حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے منو کی کتاب میں غلام بنانے کے سات اسباب مذکور ہیں:۔
۱۔ جنگ میں گرفتار ہونا ۲۔ نان ونفقہ کے لیے خود برضا ورغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دینا ۳۔ کسی کنیز کے بطن سے پیدا ہونا ۴۔ خریدنا ۵۔ بطور ہدیہ ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا ۶۔ اپنے بزرگوں سے وراثتاً پانا ۷۔ سزا کے ذریعہ غلامی کی تحقیر کرنا نارد نے غلامی کی پندرہ قسمیں شمار کی ہیں[1] جن میں سے سات یہی ہیں اور آٹھ ان کے علاوہ ہیں اُن میں قمار بازی میں ہار کر کسی کا غلام بن جانا اور قرض ادا نہ کرنے کی بنا پر کسی کا غلام ہو جانا خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں شودروں کی نسبت ان کا خیال یہ تھا کہ یہ لوگ برہما کے قدموں سے پیدا

۱۔ برہمن[1] کھتری[2] ویش[3] شودر[4]

ہوئے ہیں اس بنا پر غلامی اُن کے بدن کا جز بن گئی ہے اگر ان کا مالک انھیں آزاد کر دے یہ لوگ پھر بھی غلامی سے نہیں نکل سکتے ان کا اعتقاد تھا کہ شودر برہمنوں کی خدمت کے سوا کسی اور مقصد کے لیے پیدا ہی نہیں کئے گئے ہندو مذہب میں انسانی طبقات کی چار قسمیں کی گئی ہیں سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا اور سب سے ادنیٰ طبقہ شودروں کا سمجھا جاتا تھا ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شودروں کے لیے جو تعقیبی دفعات تھیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ برہمن کے لیے جائز ہے کہ وہ شودر کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔

۲۔ شودر کا آقا اگر اس کو آزاد کرے تب بھی اس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ جو خدمت چاہے لے چونکہ غلامی اس کے وجود کا جزو لاینفک ہے جو آزاد کر دیے جانے پر بھی اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔

۳۔ کسی شودر کے ہاتھ سے اگر کسی برہمن کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کے لیے بجز قتل کے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔

۴۔ کسی شودر کی زبان سے کسی برہمن کے لیے گالی کا کوئی کلمہ نکل جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی زبان پکڑ کر گدی سے باہر کھینچ لی جائے۔

۵۔ کسی شودر کو کسی برہمن یا اُس کے خاندان کو حقارت آمیز کلام سے خطاب کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ ایک خنجر جس کا طول دس انگل ہو سخت گرم کرنے کے بعد اس کے منہ میں رکھا جائے۔

۶۔ جو چیزیں برہمنوں کے واجبات سے متعلق ہیں ان میں سے کسی ایک کی نسبت اگر کسی شودر کی زبان سے کوئی کلمہ نصیحت ادا ہو تو بادشاہ پر فرض ہے کہ کھولتا ہوا تیل اُس کے منہ اور کانوں میں ڈلوا دے۔

۷۔ برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر

کو مال کا تاوان دلایا جائے لیکن یہی جرم شودر اگر کسی برہمن سے کر بیٹھے تو اس کو صرف تاوان خیانت دینا پڑے گا پھر غلاموں میں کام کے اعتبار سے ایک تفریق یہ تھی کہ بعض غلام تو وہ تھے جو غلیظ اور گندہ کاموں کے لیے وقف ہوئے تھے مثلاً بول و براز کو صاف کرنا۔ گائے بیل کے لیے کٹی کرنا اپنے آقا کو بحالت برہنگی کپڑے پہنانا اور نہلانا۔ گھروں میں جھاڑو دینا وغیرہ وغیرہ۔
غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ آقا غلام کے کاندھوں سے ایک پانی بھرا برتن اتارتا اور اس سے پانی کے چند قطرے لے کر غلام پر چھڑک دیتا تھا اور پھر تین مرتبہ اس کو آزاد کرنے کے کلمات کہتا تھا قدیم ہندو قانون کے مطابق والدین کو اس بات کا پورا حق تھا کہ وہ اپنے بچوں کو فروخت کر دیں یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں دیدیں (دائرۃ المعارف فرید وجدی اور مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا)

غلامی اور یہودیت
******

یہودی شریعت کے اعتبار سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لیے ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا۔
۱۔ کوئی شخص غربت کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا اس صورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مدیون غریب کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے اور اس کو اپنی غلامی میں لے لے۔
۲۔ کسی نے چوری کی ہے اور اب وہ چوری کا مال اس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا تو اس شخص کو یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں قبول کر لے۔
۳۔ والدین کسی بنا پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں (سفر الملادیین (۳۹،۲۵) و سفر الخروج (۲۱، ۷ و ۸) بحوالۂ نداء للمختص الطیف مصنفہ علامہ رشید رضا

مصری مرحوم) یہودی غلاموں کی تجارت بھی کرتے تھے لوئس مقدس Lduis the pious کے عہد میں عیسائی غلاموں کی ایک بڑی تعداد اسپین اور شمالی افریقہ میں لائی گئی تھی یہ لوگ جے ابلسن کے بقول دلالی کرتے تھے مسلمان غلام عیسائیوں کو اور عیسائی غلام مسلمانوں کو پہونچاتے تھے۔
اسپین کی خوشحالی کے زمانہ میں (جس کی مدت دسویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی کے ختم تک ہے یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے (مذہب و اخلاقیات کی انسائیکلو پیڈیا مضمون از جے ابلسن ا

تک ہے یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے (مذہب و اخلاقیات کی انسائیکلو پیڈیا مضمون از جے

ابلسن) لیکن اس میں شک نہیں کہ دوسری اقوام کی بہ نسبت یہودیوں کے یہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں غلامی کی مدت سات برس تھی اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا تھا بعض بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنا لیتے تھے اور ان کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح اُن کے آقاؤں کی بیٹیوں تک سے ہو جاتا تھا (دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۷،
یہودیوں کے مذہب میں غلاموں کے لیے جو حقوق اور رعایتیں تھیں۔ وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی تھیں مثلاً تلمود اور دوسری مذہبی و اخلاقی کتابوں میں یہ لکھا ہے (۱) اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو اس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہوگا (۲) اگر آقا غلام آزاد کرنے کا منشا زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تب بھی وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور وہ شخص اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا (۳) اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کر دی یا اُس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آئتیں ایک مجمع میں پڑھنے کا حکم دیا یا اس کو کسی ایسے کام کرنے کا حکم دیا جو

آزاد لوگوں کے لیے مخصوص ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کا
آقا مجبور ہو گا کہ اس کو پروانۂ آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے (مذہب
واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا مضمون یہودیوں کے ہاں غلامی)

اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کے قوانین وضوابط سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ
یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابل تحمل معاملہ کرتے تھے لیکن ساتھ ہی
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ غلاموں کا مرتبہ معاشرتی اعتبار سے کتنا پست اور ذلیل
سمجھتے تھے گویا ان کے نزدیک غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ کسی
شریف عورت سے نکاح کرے اور نہ اس لائق تھا کہ کسی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی
تین آیتیں پڑھے اور نہ اس کا حق دار تھا کہ اس کے سر پر ازراہِ شفقت و محبت کوئی
تعویذ آقا کے ہاتھ سے رکھا جائے۔

غلامی اور مسیحیت

مسٹر ایل۔ڈی۔آگیٹ L. D. Agate لکھتے ہیں: حضرت مسیحؑ
کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ
صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لیے انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔
اس کے برخلاف غلامی کا حمایتی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن Scripture کے
الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے کہ ہمارے آقا حضرت مسیح نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو
پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات تلقین کی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق
کام کرتی ہیں۔ سینٹ پال کی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں لیکن اس سے زیادہ
وضاحت ہم کو اس پیغام میں ملتی ہے جو سینٹ پال نے فائلمین کے نام بھیجا ہے اور جس میں انھوں نے اس
کے بھاگے ہوئے غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت کرنے کا رواج بہت افراط و
بہتات کے ساتھ پایا جاتا ہے تو اب انھوں نے حضرت عیسٰی کی تعلیمات میں تاویلات و
توجیہات پیدا کرنی شروع کیں اور اس سلسلے میں خوب خوب موشگافیاں کیں چنانچہ یہی
مصنف لکھتا ہے۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے غلامی ایسی وحشیانہ رسم کی
مذمت کیوں نہیں کی تو جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں (۱) ہمارے
آقا (مسیح) نے اپنی تعلیمات ایسے انداز میں پیش کی ہیں جو ہر زمانہ کے سیاسی
حالات کے ماتحت قابلِ عمل ہو سکیں۔

۲۔ یک لخت غلامی کے رواج کا خاتمہ کر دینا اس کے لیے کوشش کرنا رومانی
سوسائٹی کے نظام معاشرت کو صدمۂ عظیم پہونچاتا۔

۳۔ گرجا کا ابتدائی عہد اس امید میں تھا کہ حضرت مسیح پھر دوبارہ جلد ہی
تشریف لائیں گے اس بنا پر غلامی ایسی مادی چیز پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور
یہ خیال قائم کر لیا گیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی اس دنیاوی زندگی میں اپنی
حالت پر قانع رہنا چاہیئے خواہ وہ کسی کا حاکم رہ کر زندگی بسر کر رہا ہو یا کسی کا
محکوم و مغلوب ہو کر"۔

اسی مضمون میں اس کی ایک اور توجیہہ کی گئی ہے اور وہ غالباً سب سے زیادہ عجیب و
غریب ہے فاضل مقالہ نویس کہتا ہے۔

"غالباً سینٹ پال کو اس کا خطرہ تھا کہ اگر عیسائیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ تمام
عیسائی خواہ وہ دنیاوی پوزیشن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف
ہوں روحانی برتری اور معنوی بزرگی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر
ہیں تو کہیں اس احساس کے باعث پرانا نظام معاشرت درہم و برہم نہ ہو جائے۔

ہم نہیں کہتے کہ حضرت عیسٰی کی تعلیمات کی یہ توجیہات و تاویلات غلط ہیں لیکن کیا اچھا
ہوتا کہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت بھی یہ تاویلات ان مسیحی اربابِ قلم سے فراموش
نہ ہو جاتیں۔

غلاموں کا مسیحی تخیل

آقا اور غلام کا رشتہ کیا ہوتا ہے اسکندریہ کے
سینٹ کائرل نے ان دونوں کو صانع و مصنوع سے

تنبیہ دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات غلام کو کس متحقرانہ نظر سے دیکھتے تھے (مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا) انجیل میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم کہیں نہیں ہے اور نہ ان کے ساتھ حسن معاشرت کرنے پر زور دیا گیا ہے اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم سے سر مو منحرف نہ ہوں۔

حضرت مسیح کے حواری بولیس نے اپنے ایک خط میں جو اس نے افسین کے نام لکھا ہے غلاموں کا ذکر کیا ہے اور ان کو تاکید کی ہے کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت ایسی ہی کرو جیسی کہ حضرت مسیح کی کرتے ہو اور جو خط تیموشاوس کو لکھا ہے اس میں بھی یہی تحریر کیا ہے اور اخیر میں یہ تصریح کر دی ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ حضرت مسیح کی بعینہٖ تعلیم ہے اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے جھوٹا ہے حضرت مسیح کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انھیں چاہیئے کہ ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں"۔

بولس نے جو خط اہل افسین کے نام لکھا ہے قدیس باسیلیوس نے اپنی کتاب۔ القواعد الادبیہ میں اس کے بعض حصوں کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ خط اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غلام پر اپنے آقاؤں کی اطاعت واجب ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعا کی تعظیم ہے (اسلام میں غلامی کی حقیقت صـ۲۲)

مسیحی علماء غلاموں کو انسانی بیکسی و بے بسی کا المناک حادثہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ انسانی طبیعت کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ ان میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام جیسا کہ قدیس لوقاس نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اور پھر اپنے دعوے کو مذہبی وضعی قوانین سے ثابت کیا ہے ان لوگوں کو غلاموں پر رحم کیوں آتا یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے غلاموں کو قتل نہیں کیا یہی ہمارا سب سے بڑا احسان اور کرم ہے جیسا کہ ایک مشہور پادری لوسونٹ فرنسادی نے لکھا ہے۔

علامہ فرید وجدی نے لادوس کی انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

تمام عیسائی علماء اس کا اقرار کرتے ہیں کہ غلام بنانے کا رواج ان کے یہاں مشروع تھا اور مذہبی احکام میں داخل تھا مسٹر اے۔ این گلبرٹسن تحریر فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ یاد دلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ابھی تھوڑے ہی زمانے تک غلامی نہ صرف یہ کہ ترقی یافتہ قوموں کی حکومتوں میں منظم طریقہ پر رائج تھی وہ قومیں جو مذہباً عیسائی تھیں۔ بلکہ دینیات کے بڑے بڑے عالم اس کو حکم خداوندی سمجھتے تھے اور ایک مصلحانہ قانون یقین کرتے تھے (مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا) پھر اس مصلحانہ قانون میں اس قدر شدت اور افراط ہوئی کہ افریقہ کی بعض قوموں کا بالکل خاتمہ ہی ہوگیا اور یورپ والوں نے ان کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا ایک عیسائی مبلغ لکھتا ہے" یورپ والوں نے افریقہ کے سیاہ فام انسانوں پر بڑے بڑے مظالم کیے ہیں اور اتنے سخت کہ اب ان کا کفارہ کبھی ادا نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر قومیں بالکل ختم ہو گئی ہیں مثلاً سونغوی اور فالوہ اور نحومی سفید فام نخاس آتے تھے اور انھیں اور ان کے بچوں کو گرفتار کر کے لیجاتے تھے (حاضر العالم الاسلامی مصنف Lathrop Slodderad بحوالہ الاسلام والحضارة العربیہ صـ۹۷)

کیا یورپ نے غلامی کو مٹا دیا

****

اس میں شک نہیں کہ یہودیت اور عیسائیت میں جو غلامی مروج تھی وہ ہو بہو ان اقوام کی غلامی سے مشابہ تھی جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں یورپ نے جب تجارت اور ترقی کے میدان میں قدم رکھا تو وہاں کے باشندوں نے ان غلاموں کے علاوہ جو ان کے قبضہ میں تھے افریقہ اور امریکہ سے وہاں کے اصل باشندوں کو گرفتار کر کر کے لانا شروع کر دیا اور ان سے شب روز اپنی مصنوعات کی تیاری میں اس قدر کام لینے لگے کہ وہ بیچارے کام کرتے کرتے تھک جاتے اور جان سے گزر جاتے تھے یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب کہ اسپین کی عیسائی سلطنت کے پاس یورپ کی تمام سلطنتوں سے زبردست بیڑہ موجود تھا اور اس کو غلاموں کو پکڑ کر لانے اور اس سے منفعت حاصل کرنے سے تمام سلطنتوں پر تجارت میں فوق حاصل تھا اگر دوسری سلطنت اپنے ملک کے کارخانوں کے لیے غلام لینا چاہے تو وہ اس کے لیے

اسپین کی دست نگر رہتی تھی کیوں کہ بردہ فروشی کی ٹھیکہ داری اسپین کے ہاتھوں میں تھی
اور یہ ظاہر ہے کہ اسپین کے باشندے صرف انھیں غلاموں کو دوسروں کے ہاتھ فروخت
کرنے پر رضامند ہوتے اور وہ بھی حد درجہ گراں قیمت پر جو زائد ہوتے اس طرح دوسرے
ممالک تجارت میں اسپین کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس تجارت کی دوڑ میں یورپ کی کوئی
سلطنت اس وقت تک اسپین سے آگے نہ بڑھ سکتی تھی جب کہ غلامی کا حربہ اسپین کے
ہاتھوں سے ٹوٹ کر نہ گر جائے اس لیے سب سے پہلے برطانیہ نے اس راز کو سمجھا۔ اور
انگریزوں نے اُس کے خلاف آواز بلند کی یہاں تک کہ وہ اس میں کامیاب ہو کر رہے اور ایک
عہد نامہ کے ذریعہ دنیا سے غلامی کا رواج ظاہری طور پر مٹ گیا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا
غلامی کا رواج دنیا سے اٹھ گیا ہے یا صرف اس کی ہیئت اور نام میں تبدیلی ہو گئی ہے
اگر ہم موجودہ زمانے کے تمدن کا بغور مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ غلامی پہلے
سے زیادہ بھیانک صورت میں موجود ہے یورپ باوجود دعوائے آزادئ افراد قوموں
کو غلام بنا رہا ہے اور نہ صرف غلام بنا رہا ہے بلکہ غلام بنا کر ان سے ایسی سخت مشقت
لے رہا ہے کہ جس پر قدیم یونان و روم کے لوگ ہی عمل کرتے تھے یورپ کے باشندے
ذرا ذرا سے مالی نفع کے لیے خدا کی مخلوق کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتے مثال کے طور
پر ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

"بیلجیم جس کو تمام یورپ مظلوم بیلجیم کے نام سے یاد کرنے کا عادی ہو گیا ہے ملک
افریقہ کا ایک علاقہ ہے جس میں ربڑ پیدا ہوتا ہے بیلجیم کے لوگ ربڑ کے حاصل
کرنے کے لیے وہاں ایسے ظلم کرتے ہیں کہ دل کانپ جاتا ہے وہ اس خطہ کے
اس باشندوں کے ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں قتل کر دیتے ہیں غرض جو چاہے کرتے
ہیں لیکن سوائے اس کے کہ دوسرے ممالک کے اخبار ان مظالم کے فوٹو اپنے
اخباروں میں چھاپ دیں اور دو چار لفظ ہمدردانہ پیرایہ میں لکھ دیں ان سے
کوئی باز پرس نہیں کرتے (اب یہ علاقہ آزاد ہو چکا ہے اور وہاں جمہوری نظام

حکومت ہے۔ مولف)

امریکہ میں وہاں کے اصل باشندوں کا باوجود عیسائی ہونے کے جو کچھ حال ہے۔ وہ
سب پر عیاں ہے گوری قوموں کے لوگ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک کر جس جس
طرح انھیں قتل کرتے اور ان کی درگت بناتے رہتے ہیں اخبار پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔

گذشتہ جنگ نے جس طرح یورپ کے چہرہ سے تہذیب کا دلفریب نقاب اٹھا کر اس
کی بہیمیت اور وحشت کو عالم میں آشکارا کر دیا ہے اور کسی طرح اس کی نقاب کشائی ممکن نہ
تھی اگرچہ جنگ ختم ہو گئی لیکن اس کے ہیبت ناک مظالم کو پڑھ کر دنیا صدیوں لرزہ براندام
رہے گی۔

یورپ کے کارخانوں کو دیکھو اس کے محرروں، مزدوروں، ملازموں کی فریادیں سنو
قلیل قلیل اجرتوں پر جیسے جیسے سخت کام وہ کرتے ہیں غلام اس سے کچھ زیادہ نہ کرتے
ہوں گے ہندوستان کے ہر قسم کے محکموں میں جاؤ اور سیر کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ چند درہم
کے لیے جو تن کے ڈھانپنے اور پیٹ کے پالنے کے لیے بھی کافی نہیں۔ لوگ غلامی کے طوق
میں جکڑے ہوئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ کون سا کام ہے جو آزادی کے پردے میں آزاد غلام نہیں
کر رہے ہیں جو ازمنۂ گذشتہ میں غلام کرتے تھے۔

جنھیں انگلستان کے اخبارات پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ دیکھتے ہوں گے کہ تقریباً ہر ایک
اخبار میں انھیں کوئی نہ کوئی عنوان "غلام محرر"، "کنیز عورتیں"، "غلام مزدور" وغیرہ وغیرہ کا نظر آتا ہے
اور جس کے ذیل میں انھیں موجودہ آزادی کے خوفناک کرشمے نہ دکھائی دیتے ہوں۔

نسلی امتیاز اور مغرب
****

نسلی برتری کی تھیوری جس کے بعض اہل فلسفہ
یا بعض منکرین قائل ہیں وہ ملتوں کی مساوات
و برابری کے قائل نہیں ہے نسلی برتری کے طرفدار یہ چاہتے ہیں کہ بہترین و طاقتور نسل
کو دنیا میں حکومت کرنی چاہیئے اور کمزور و پست اقوام کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری
کرنی چاہیئے اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ایسا طرز نگاہ حیات بشری کے اصول سے

نسل نہیں کھاتا اور شخصی و اجتماعی آزادی کے اصول کے بالکل خلاف ہے علمی و تاریخی نقطۂ نظر سے بہت سے معاصر اہلِ فلسفہ و محققین نسلی برتری کو امر موہوم و خود ساختہ و بے بنیاد سمجھتے ہیں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ بعض محققین اس قانون کی بنا پر کہ ابھی تک خالص نسل نہیں دیکھی گئی اور نہ کسی علمی تحقیق نے نسلی امتیاز کو مکمل واضح کیا ہے آریائی نژاد کے قائل نہیں ہیں اور اس کو ایک افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور نہ کسی طرح یہ بات ثابت ہو سکی ہے کہ تاریخ میں واقعاً کوئی آریائی نژاد قسم کی چیز موجود تھی صرف آریائی زبان کا وجود ثابت ہے مگر آریائی نسل نہیں ثابت ہو سکی اور عموماً یہ بات دیکھی گئی ہے کہ بہت سی نسلیں ایک ہی زبان بولتی ہیں (تاریخ ادیان ص ۲۱۹)

دوسری عالمی جنگ کے منجملہ اسباب میں ہٹلر کی جرمنی میں فلسفہ نیشنل سوشلزم National Socialism کا ظہور تھا جس کی بنیاد ہی نسلی برتری پر رکھی گئی تھی ہٹلر کا اصلی مقصد جرمنی کی وسعت اور یورپ کے مرکز میں ایک نہایت طاقتور۔ مقتدر جرمنوں کی حکومت کا قیام تھا اس منحوس نے اپنی جابرانہ حکومت میں نمائندگانِ ممالک کا اجتماع کر کے اور وسیع تر تبلیغ کر کے قومی طاقتوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس بہانے سے جذبۂ ہوس ملک گیری کو سکون پہنچایا۔

ڈاکٹر گستف لی بان Dr. Gustaflebon لکھتا ہے ایک اہم بات جس نے معاشرہ کو برباد کیا وہ یہی نسلی برتری کا عقیدہ تھا گذشتہ حکام وقت اس عقیدہ کے پکے حامی تھے اور ان کی سیاست کا محور یہی عقیدہ تھا انجام کار خونی کشمکشوں کا سلسلہ بڑھتا گیا اور بے انتہا وطرانیت پر جا کر ختم ہوا۔

اس عقیدے کو ضرورت سے زیادہ تقویت اس خیال سے پہنچی کہ غیروں کے حملوں سے محفوظ اور قوی تر وہی قوم و ملت ہو سکتی ہے جس کی زمین زیادہ ہو اور جس کی تعداد زیادہ ہو حالاں کہ ایسی قومیں غالب ہونے کے بجائے مغلوبیت سے بہت قریب ہوتی ہیں۔

دنیا کے متمدن ترین ملکوں میں یہی طرزِ فکر یعنی گورے کو کالے پر برتری ہے اب بھی

زیادہ تر ذہنوں میں راسخ ہے گہوارۂ تمدن میں سیاہ رنگ جرم ہے اور عملی طور سے کالے بہت سی جائز آزادی اور حقوقِ انسانی سے محروم ہیں امریکہ کے بعض مقامات پر قانوناً کالا آدمی گورے سے شادی نہیں کر سکتا اور نہ مدرسہ' یونیورسٹی' اسپتال وغیرہ میں گوروں کے ساتھ رہ سکتا ہے بلکہ دونوں کے لیے الگ الگ مدرسے' الگ الگ اسپتال قائم کیے گئے ہیں گوروں کے مجمع عام' مہمان خانوں اور کھانے کے کمروں ڈائننگ ہال میں سیاہ پوستوں کا داخلہ ممنوع ہے عام بسوں اور کارخانوں میں کالے ایک برتھ پر گورے کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے انتہائی شرمناک بات یہ ہے کہ بعض گرجاؤں میں کالوں کو مذہبی مراسم ادا کرنے کا حق نہیں ہے۔

امریکہ کے سابق رئیس جمہوریہ نے فروری ۱۹۶۳ء میں نمائندگان ممالک کی کانفرنس میں اعلان کیا کہ بلا کسی تخصیص کے امریکہ میں ہر جگہ گورے بچوں کے مقابلہ میں نصف کالے بچوں کو یہ حق ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور گوروں کے مقابلہ میں ایک تہائی کو یہ حق ہے کہ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں اور اسی طرح ایک تہائی کو حق ہے کہ کسی فن میں اسپیشلسٹ بنیں اور دو تہائی کو حق یہ ہے کہ وہ بیکار رہیں۔

"رسالہ اخبار و گزارشہائے جہاں" لکھتا ہے کہ امریکہ میں گیارہ مقامات پر کالے حق رائے دہی حق تعمیر مکان' ریسٹورنٹ میں آزادی' دو کانوں کی آزادی سے محروم ہیں یعنی مختصراً" زندگی کے ہر شعبہ میں ان کو محروم رکھا گیا ہے الاباما' می سی پی اور اسی طرح جنوبی امریکہ وغیرہ کے تمام مدارس میں نمونے کے طور پر بھی ایک سیاہ پوست نہیں ملے گا۔

۱۹۵۴ء میں امریکی پارلیمنٹ نے رائے دی کہ سیاہ پوست بھی مدارس میں گوروں کی طرح برابر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں تو صرف چار فیصد سیاہ پوست طلاب کو گوروں کے مدارس میں قبول کیا گیا اور بہت سی جگہوں پر سیاہ پوست کے نام لکھوانے پر جنگ و جدال کی نوبت آگئی اور پولیس کو دخل دینا پڑا (تہران مصور شمارہ ۱۱۷۴)

گوروں نے سیاہوں پر ایسے ایسے ظلم وستم کو جائز قرار دے رکھا ہے جس سے قرونِ وسطیٰ کی تباہ کاریاں اور ظلم وستم یاد آجاتے ہیں۔

عالمی حقوقِ انسانی کی حفاظت کرنے والی کمیٹی بھی اس ظلم وستم کو ختم نہ کر سکی تسخیرِ فضا کے اس دور میں بھی دنیا قومی تعصب اور نسلی برتری کی آگ میں جل رہی ہے اور انسانی رنگوں کے اختلافات کو سرسام آور حد تک محفوظ رکھا ہے۔

مشہور فلسفی اے سوروکین A. Sorokin کہتا ہے میں اس شعر کا شدت سے مخالف ہوں کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ یہ دونوں ایک جگہ اکٹھا ہی نہیں ہو سکتے آخر کیوں؟ انسانوں میں کیا فرق ہے؟ حضرت مسیح نے دو ہزار سال پہلے یہ پیغام دیا تھا فضیلت وانسانیت کا دار مدار نیت، عمل نیک پر ہے اور ہم بیسویں صدی کے متمدن لوگ انسانوں کی فضیلت و برتری کو خون و رنگ میں منحصر سمجھتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں ہٹلر بہت برا تھا کہ نسلی برتری کا قائل تھا لیکن آج ہم جدھر دیکھتے ہیں ادھر ہی چھوٹے چھوٹے ہٹلر بھرے ہیں اگر ان کا بس چلے تو نازیوں کے خدائے مرحوم و ملعون کو بھی سفید کر دیں ذرا جنوبی افریقہ کو دیکھئے خود ہمارے امریکہ کو دیکھئے ہر جگہ نسلی برتری موجود ہے میرا یہ عقیدہ ہے کہ ویت نام میں ہونے والی ہماری جنگ بھی "نسلی جنگ" ہے جس کا محرک مغربی گوروں کا کمزور ایشیائی لوگوں پر احساسِ برتری ہے" خدا وند و کعبہ ص۱۹۸"

جنوبی افریقہ کی عین چوتھائی (۳/۴) آبادی کالوں پر مشتمل ہے اس کے باوجود گورے اپنی نسلی برتری کو نہایت شدت وسختی کے ساتھ باقی رکھتے ہیں اس ملک میں برتری جو اپارٹیڈ کے نام سے مشہور ہے"۔ اسی قاعدے پر مبنی ہے جس نے کالوں اور گوروں میں کامل جسمانی جدائی پیدا کر رکھی ہے اس قانون کی بنا پر گورے ہندی کالے مہاجر سے الگ زندگی بسر کرتے ہیں ان کے شناخت ناموں میں یہ بات تحریر کر دی جاتی ہے جنوبی افریقہ کے رہنے والوں کا شناخت نامہ ان کی شخصیت کا تعین

کرنے کے ساتھ ان کی قومیت کو بھی بتاتا ہے مختلف نسلوں کے لوگ مختلف بسوں اور ریلوں میں سفر کرتے ہیں گرجاؤں میں ہوٹلوں میں الگ الگ جاتے ہیں ٹیکسی اسٹینڈ۔ ٹیلی فون بوتھ سے الگ الگ استفادہ کرتے ہیں الگ الگ اسپتالوں میں علاج کراتے ہیں حد یہ ہے کہ الگ الگ قبرستان میں دفن ہوتے ہیں۔

اس ملک میں کالے گورے کی شادی ممنوع ہے خلاف ورزی کرنے والوں کو شدید ترین سزائیں دی جاتی ہیں گوروں کے ایریا میں کالے کوئی فنی کام انجام نہیں دے سکتے بلکہ بہت ہی معمولی کاموں پر بہت کم مزدوری پر کام کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ میں نسلی طبقہ بندی بھی ایک اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اس طبقہ بندی کی وجہ سے اس کی آزادی اور اختیارات کے حدود معین کئے جاتے ہیں کہ کیونکہ اور کہاں زندگی بسر کرے کس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے اور کس قسم کا کام کر سکتا ہے اور کیسی تعلیم وتربیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کبھی کبھی اس ملک کے قیدخانوں میں قیدی ہو جاتے ہیں کالوں کی قسمت کا فیصلہ گوروں کے رحم وکرم پر ہے کوئی قانون ان کی حمایت نہیں کر سکتا ملکی اخباروں میں عدالت کا ایک فیصلہ شائع کیا گیا تھا جس کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں:۔

جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں ایک سفید پوست خاندان میں کالی لڑکی پیدا ہوگئی تو جنوبی افریقہ کی عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک کالے کو گوروں کے خاندان کا فرد بننے کا حق نہیں ہے اس لیے اس لڑکی کو اس خاندان سے نکال دیا جائے اور کالوں کے محلہ جوہانسبرگ Johansberg میں رہنے پر مجبور کیا جائے عدالت نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ لڑکی ملازمہ کی حیثیت سے اپنے باپ کے گھر کام کر سکتی ہے لڑکی کے والدین اس فیصلہ سے مبہوت ہو گئے اور اس کے باپ نے کہا اگر میں اپنی لڑکی کا حق دلانے میں ناکامیاب ہو گیا اور جنوبی افریقہ کی ہائی عدالتوں نے بھی اس غیر انسانی فیصلے کو نہ بدلا تو بیرونِ ملک کے جو لوگ اس لڑکی کو قبول کرنے پر تیار ہوں گے میں ان کے سپرد

کر دوں گا (کیہان شمارہ ۷۰۱۳)

شارپ ویلے (Sharp ville) کا حادثہ جنوبی افریقہ کے گوروں کا کالوں پر ظلم وستم کا ایک معمولی واقعہ ہے "شناخت نامہ کو ہمراہ رکھنا ضروری ہے" اس حکم کے خلاف جنوبی افریقہ کے چند شہروں میں مظاہرے کیے گئے کچھ افریقی بہت آرام واطمینان سے شارپ ویلے میں ایک تھانے کی طرف سے گزرے، پولیس نے شناخت نامہ نہ ہونے کے جرم میں گرفتار کرنے کے بجائے گولی چلادی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۹ آدمی قتل ہوگئے اور ۱۸۰ آدمی شدید زخمی ہوئے (اطلاعات شمارہ ۱۳۱۴۹) آخر اس خلافِ انسانیت اور وحشیانہ رفتار کا کیا نام ہے؟ کس عاطفہ بشری سے اس کو الہام ہوتا ہے؟ اس قسم کے اعمال سے غلامی کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور ہو سکتا ہے؟ ایک جماعت کا دوسری جماعت کو اپنی پیروی پر جبراً مجبور کرنا غلامی کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ ان حالات کے پیش نظر غلامی کہاں ختم ہوئی؟ اور کس عدالت نے غلامی کے قانون کو ختم کیا۔؟

مشہور امریکی رائٹر ہری ہاروڈ (Harry Harwood) اپنی کتاب (آزادی زنجیراں) میں لکھتا ہے یہ صحیح ہے کہ قرونِ وسطیٰ والی غلامی اس دور میں ختم ہوگئی ہے لیکن طبقہ بندی کی شکل میں ہمارے نظام میں غلامی اب تک باقی ہے آج بھی یہی کوشش ہے کہ کالے ذلت کی زندگی بسر کریں۔

ظالمانہ قوانین کے ماتحت کبھی اُن کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں اور کبھی حکومت کی لاپرواہی اور کبھی بغیر کسی اطلاع کے معمولی بہانہ کر کے اُن کو قتل کر دیا جاتا ہے (مغربی تمدن کی ایک جھلک ص۸۶-۸۸ مصنفہ مجتبیٰ لاری)

اسلام عدالت وآزادی کا دین ہے

************ ***************

ان ظالموں اور جابروں کے تسلط سے آزادی کا نام اسلام ہے، جو اپنے خود غرضی کے ماتحت انسانوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں جو لوگوں کی شرافت، آبرو، جان ومال سے کھیلنا چاہتے ہیں جو لوگوں کو اپنا زر خرید سمجھتے ہیں

اور یہ سب اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی خواہشات کے سامنے سر جھکا دیں یہ ظالم ڈکٹیٹری سرمایہ داری کے ذریعہ سے لوگوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ظلم وجبر کے ذریعہ معاشرے کو حق وعدالت کے برخلاف قوانین کی پیروی پر مجبور کرتے ہیں اسی لیے اسلام نے تمام اقسام قدرت کو خدا میں منحصر کر کے بندوں کو سرکشوں اور ظالموں کے غلامی سے نجات بخشی ہے تاکہ وہ لوگ واقعی آزادی سے فائدہ مند ہو سکیں ایسی آزادی جو کسی ظالم نظام کے تحت نہ ہو۔

اسلام چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اندر انسانی شرف کو محسوس کرسکیں اور یہ احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک معاشرہ کے تمام افراد صرف ایک خدا کے سامنے سر نہ جھکائیں کیوں کہ اسی صورت میں یہ بات ممکن ہے کہ کوئی کسی کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا بلکہ ہر شخص کا حکم ایک ہی ہے۔

اسلام تمام تر انسانی قدر وقیمت کا قائل ہے اس کا مقصد اصلی انسان کے فطری حقوق کی حفاظت ہے اور شخصی واجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں عدالت و برابری کی برقراری ہے اسلامی معاشرے میں قانون نے تمام لوگوں کے برابری کی ذمہ داری لی ہے اور قانون کے سامنے سب کی حیثیت ایک ہے۔

اگر اسلام نے قومیت، ملیت، نسلی عنصر کا اعتبار کیا ہوتا تو کسی بھی قیمت پر ایسے درخشاں پیش رفت سے ہمکنار نہ ہو سکتا۔ ترقی کا یہی راز ہے کہ جس کی بنا پر ایک صدی سے بھی کم مدت میں آدھی سے زیادہ دنیا پر اس نے حکومت قائم کر لی اور ہر جگہ بہت ہی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا اور مختلف اقوام وملل نے اسلام قبول کیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں کچھ بے بنیاد قسم کے عقائد وافکار نے ملتوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور انسان کے مختلف گروہوں میں جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے اس قسم کی چیزوں میں سب سے زیادہ دخل نسلی برتری، ملت پرستی، مذہبی احساسات

کے غلط استعمال کو ہے اسلام نے عوامل اختلاف کو بنیاد نہ بنا کر عوامِل وحدت
اور انسانی قدر و قیمت اور اشتراکِ ایمان کو اساس بنایا ہے۔ مسلمان تو یہودی۔ مجوسی
نصرانی سب ہی سے کہتا ہے آخر ہم آپس میں کیوں اختلاف کریں آؤ سب مل کر ایک خدا
کی پرستش کریں قرآن کہتا ہے اے آسمانی کتابوں کے ماننے والو آؤ، ہمارے تمہارے
درمیان میں جو بنیاد مشترک ہے اس پر عمل کریں اور وہ مشترک بنیاد یہ ہے کہ غیر
خدا کی عبادت نہ کریں کسی کو اُس کا شریک نہ کریں، ہم میں سے کچھ لوگ دوسرے
لوگوں کو خدا کی جگہ پر صاحبِ اقتدار نہ مانیں۔

آج جو قومیں وحدت، یگانگت، عدالت، حریت کی متمنی ہیں جو استعمار کے چنگل
سے اور نسلی امتیاز کی تباہ کاریوں سے نجات چاہتی ہیں وہ اپنے مقصد کو اسلامی نظام
کے اندر ہی پا سکیں گی۔ کیوں کہ اسلام ہی کے زیر سایہ ملتوں کا اتحاد، افرادِ انسانی
کی مساوات متحقق ہو سکتی ہے۔ اور تمام لوگ۔ سیاہ، سفید، زرد، سُرخ۔ انسان کے
دوش بدوش چل سکتے ہیں اور کامل آزادی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

اسلام کسی بھی شخص کی برتری کا دو بنیادوں پر قائل ہے۔ علم و عمل اور امتیاز
کا دارومدار صرف پاکیزگیٔ روح اور فضیلتِ اخلاق پر ہے۔ اسلام نے شرافت اور
شخصیت کی بنیاد تقویٰ پر رکھی ہے اس کے علاوہ کوئی معیارِ فضیلت نہیں ہے ارشاد
خدا ہے" تم سب ہمارے نزدیک یکساں ہو تم میں سب سے بزرگ وہی ہے جو سب
سے زیادہ متقی ہو (سورہ حجرات۔ آیت ۱۳)

رسولِ خدا نے علی الاعلان فرما دیا عرب کو عجم پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی
فضیلت نہیں ہے البتہ تقویٰ و روحانی فضیلت سبب ہے۔

مکہ فتح کرنے کے بعد رسولؐ خدا نے متکبر خود پسند زبان و نسل کو مایۂ افتخار سمجھنے
والے عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ اس خدا کی تعریف ہے جس نے اسلام کے
طفیل میں تمہارے جاہلیت کے آثار، فخر، تکبر، نخوت کو ختم کیا۔ یاد رکھو خدا کی بارگاہ

میں تمام لوگ دو ہی طرح کے ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو تقوائے الٰہی کی بنا پر بارگاہِ
ایزدی میں بزرگ ہے دوسرا گروہ وہ ہے جو گنہگاری کی وجہ سے اس کے سامنے
سر جھکائے ہے۔

ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی مولا روئے زمین پر کوئی
ایسا نہیں ہے جس کے آباؤ اجداد آپ کے آباؤ اجداد سے بالاتر اور شریف تر ہوں۔ امامؑ نے
فرمایا ان کی بزرگی تقویٰ کی وجہ سے تھی ان کا مقصدِ حیات اطاعتِ پروردگار تھا یہ شخص امامؑ
کی نسلی برتری ثابت کرنا چاہتا تھا آپ نے فوراً اس کے غلط طرزِ فکر کو روک کر برتری کا
معیار تقویٰ کو بتایا ایک اور شخص نے حضرت سے کہا خدا کی قسم آپ دُنیا میں سب سے
بہتر ہیں امامؑ نے فوراً کہا اے شخص قسم مت کھا اگر کوئی مجھ سے زیادہ متقی ہے اور مجھ سے
زیادہ خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ مجھ سے بہتر ہے خدا کی قسم ابھی یہ آیت منسوخ نہیں
ہوئی ہے (وہ آیت یہ ہے) تم میں سب سے محترم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

وہی تقویٰ جو عین حریت ہے نہ کہ محدودیت، کیوں کہ محدودیت انسان کو سعادت
سے محروم کر دیتی ہے لیکن تقویٰ روح کی زرہ ہے جو اس کو معنویت عطا کرتی ہے اور اس
کو قید بندگی و ہوا و ہوس سے آزاد کرتی ہے اور شہوت و حشم، حرص و طمع کی زنجیروں کو اپنے
گلے سے نکال دیتی ہے اجتماعی زندگی میں بھی تقویٰ بشر کے لیے آزادی بخش ہے جس
کے گلے میں روپے اور مرتبے کی زنجیر پڑی ہو وہ اجتماعی لحاظ سے آزاد زندگی نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں قیامت کے دن درستی و پاکیزگی کی کنجی اور ذخیرہ تقویٰ
ہے یہی تقویٰ غلامی کی ہر قید و بند سے آزادی ہے ہر بدبختی سے نجات و رہائی ہے تقویٰ
سے انسان اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے دُشمن کے شر سے محفوظ رہتا ہے اپنی امیدوں
اور آرزوؤں کو حاصل کر لیتا ہے۔

تاریخ کے اس تاریک ترین دور میں جب نسلی و طبقاتی نزاع و کشمکش لوگوں میں
پوری شدت کے ساتھ موجود تھی اور عقل و آزادی کے برخلاف وسیع پیمانے پر امتیازات

موجود تھے جب کمزور و تہی دست تمام شخصی و اجتماعی حقوق سے محروم تھے، قوم و ملت خونخوار حاکموں کے پنجوں میں تڑپتے تھے اُس وقت پیغمبر اسلام نے بڑی بے جگری کے ساتھ ہر قوم کے ناجائز و غلط امتیازات کو لغو قرار دیا اور تمام افراد میں برابری و کامل مساوات کا اعلان فرمایا بندگی خدا کے زیر سایہ ہر شخص کو معقول آزادی بخشی یہاں تک کہ معاشرے کے وہ کمزور طبقے جو اشراف حکام کے سامنے اپنے ارادے کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں تھے اسلام کے مبنی بر انصاف قانون کے زیر سایہ طاقتور ہو گئے اور رؤسا و بزرگانِ قوم کے شانہ بشانہ چلنے لگے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا کے موجود مکاتیب فکر اجتماع بشری سے محروم اور ستم رسیدہ لوگوں کا دفاع اسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح اسلام نے کیا ہے وہ یقیناً اشتباہ میں مبتلا ہیں انھوں نے حقیقتِ اسلام کو درک ہی نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی عدالت کی جو کامل ترین صورت اسلام نے پیش کی ہے کوئی بھی سسٹم یا مکتب فکر نہیں پیش کر سکا انتہا یہ ہے کہ کیمونسٹ جو دین و مذہب کے دشمن ہیں اسلام کے عظیم نہضت، موثر نقش، اساسی تعلیمات کا اعتراف کرتے ہیں۔

ایران کا ایک کیمونسٹ اخبار لکھتا ہے ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں اسلام کا ظہور تاریخ کا وہ بہترین شاہکار ہے جس نے بشر کے چہرۂ تمدن میں انقلاب پیدا کر دیا اس عظیم واقعہ ظہورِ اسلام جس کے فتوحات ایک صدی سے بھی کم مدت میں ایک طرف تو ساحلی "لوآر" تک اور دوسری طرف ساحل "سندھ و جیحون" تک پہنچ گئے تھے نے کتاب زندگی میں ایک دلچسپ باب کا اضافہ کیا ہے۔

خود جزیرۃ العرب کے اندر یہودی عیسائی متعدد مرکز تبلیغ تھے، اعراب مکہ اور بادیہ نشین قبائل بت پرست تھے، مکہ مرکزِ تجارت تھا سود خواروں کا گڑھ تھا، قبائل سسٹم کا ملجا و ماویٰ تھا ملی تعصب کا منبع تھا، مختلف مذاہب کا مرکز تھا۔

اسلام ابتداً چھوٹے موٹے تاجروں، کسانوں، غلاموں میں مقبول ہوا اور چونکہ سود خواروں

کی مخالفت کرتا تھا اس لیے مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوا اسلام ایک طرف سے تو تمام دوسرے مذاہب کے خصوصیات کا حامل ہے لیکن دوسری طرف سے سرزندہ و مادی جنبوں کا بھی حامل ہے رہبانیت سے فرار، نسلی و قبائلی مساوات زن و مرد کے حقوق کی مساوات غلاموں کی حمایت، غریبوں مجبوروں کی طرف داری، سادہ اصول یہ چیزیں ایسی ہیں جس نے اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کر دیا۔

خونخوار اور مغرور حاکموں کے سر پر اسلام سنگین ضرب بن کر آیا دیہاتیوں پیشہ ور شہریوں نے اس کو رحمت و نجات سمجھ کر دل سے لگایا۔ عظیم پیکر شاہی (مگر بوسیدہ) پر بہت ہی برمحل اسلام نے ضرب کاری لگائی اور اس کو نیست و نابود کر دیا اور دو صدی کے اندر اندر چین سے لے کر اسپین تک اپنی عظیم حکومت قائم کی (ماہنامہ مردم شمارہ دوم سال سوم)

جس وقت اسلامی پیشواؤں اور سوشلسٹ ملکوں کے ذمہ دار ان حکومت کا مقابلہ کیا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اُن حکومتوں میں اور اسلام میں زمین سے لے کر آسمان تک فرق ہے اسلام طبقاتی نظام کے بالکل برخلاف ہے وہ حاکم و محکوم کو نہیں پہچانتا وہاں کامل مساوات ہے حضرت علیؑ کو جب یہ خبر پہونچائی گئی کہ آپ کے نمائندہ "عثمان بن حنیف" کے اعزاز میں بصرہ کے اندر ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے تو آپ کو یہ بات نہایت ہی ناگوار گزری کہ حاکم اور شہر کے اونچے طبقہ میں خصوصی روابط پیدا ہو جائیں جس کے سبب سے بڑے لوگوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جائے آپ نے فوراً اپنے گورنر کو ایک عتاب آمیز خط لکھا اور بہت زیادہ اس میں عثمان کی سرزنش کی (نہج البلاغہ)

نسلی امتیازات کا مقابلہ دنیا کے تمام مکاتیب فکر سے پہلے اسلام نے کیا اگرچہ آج ساری دنیا میں سیاہ و سفید کے برابری اور قانونی مساوات کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے لیکن قول و فعل میں بہت فرق ہے کیوں کہ بشری تاریخ کے تاریک ترین زمانے کی طرح

آج بھی انھیں بنیادوں پر مختلف امتیازات موجود ہیں کیا صرف برابری، مساوات، آزادی جیسے الفاظ بشریت کو کوئی فائدہ پہونچا سکتے ہیں جب کو ان لفظوں کے پیچھے تلخ حقائق اور ناگوار حقائق پنہاں ہوں کیا اُن تمام موجودہ امتیازات کے باوجود آج کی متمدن قوموں کو آزادی و حریت کا بنیاد گزار کہا جاسکتا ہے؟

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد بشری آزادی و برابری کا منشور ساری دنیا میں مان لیا گیا اسی طرح حقوق بشر کو فرانس کے انقلاب کے بعد درست مانا گیا لیکن یہ سب صرف زبانی جمع خرچ ہے کیوں کہ جس ملک میں اُن کے خصوصی منافع پر چوٹ نہ پڑتی ہو وہاں تو اس پر عمل درآمد ہوتا ہے ورنہ مختلف بہانوں سے اس مسئلے کو گول کر دیا جاتا ہے۔

بہت سے متمدن ملکوں کے رہنے والوں کے لیے اب تک یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ رنگ و نسل کا اختلاف سببِ فضیلت و برتری نہیں ہوا کرتا اسلام کی طویل ترین تاریخ میں "نسلی امتیاز" کا سلسلہ ہی نہیں اٹھا آج کی طرح کل بھی تمام کالے لوگ بلا کسی احساسِ کمتری کے اسلامی اجتماعات، مذہبی جگہوں پر جمع ہوا کرتے تھے اور معاشرہ کے جملہ حقوق سے بہرہ مند ہوا کرتے تھے بانیٔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے کی تاریک دنیا میں عملی طور سے اس نابرابری کا خاتمہ کیا اور اسی مقصد کی خاطر اپنی پھوپھی زاد بہن "زینب" کا عقد اپنے غلام "زید بن حارثہ" سے کیا۔

ایک دن رسولِ خدا (ص) بہت ہی حسرت کے ساتھ "جویبر" یہ ایک سیاہ رنگ کے فقیر تھے مگر بہت پرہیزگار لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ کی طرف دیکھ کر فرمایا جویبر کتنا اچھا ہوتا کہ تم شادی کر لیتے تاکہ شریکِ زندگی مل جاتی جو دنیا و آخرت میں تمہاری مدد کرتی جویبر نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بھلا کون عورت مجھ سے شادی پر تیار ہوگی؟ میں نہ حسب رکھتا ہوں نہ نسب، نہ مال و منال نہ حسن و جمال پھر کوئی عورت میری بیوی بننا کیوں کر گوارہ کرے گی؟ رسولِ خدا نے فرمایا خداوند عالم نے زمانۂ جاہلیت کے بے سبب آقائیت کو لغو قرار دے دیا ہے اور جو لوگ اسلام سے پہلے

محروم و بے چارہ تھے ان کو آقائیت بخشی ہے زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ ذلیل تھے اسلام کی وجہ سے آج صاحب عزت ہیں اسلام نے زمانۂ جاہلیت کی خود پسندی، نسلی و خاندانی تفاخر کے محلوں کو مسمار کر دیا ہے آج تمام کالے گورے برابر ہیں، عرب عجم برابر ہیں سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پیارا شخص وہی ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری میں سب سے بہتر ہو اے جویبر! میں کسی کو تم سے برتر نہیں سمجھتا البتہ وہ شخص جس کا تقویٰ اور اطاعتِ خدا تم سے زیادہ ہو وہ تم سے بہتر ہے ورنہ نہیں اس کے بعد فرمایا تم قبیلہ "بنی بیاضہ" کے شریف ترین شخص "زیاد بن لبید" کے پاس جا کر کہو کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دو جس وقت جویبر پہونچے تو زیاد اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جویبر اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوئے اور سب کو سلام کر کے زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، رسولِ خدا نے مجھے تمہارے پاس ایک حاجت لے کر بھیجا ہے آپ کہیئے تو سب کے سامنے عرض کر دوں یا آپ چاہیں تو تنہائی میں عرض کر دوں؟ زیاد نے کہا تنہائی میں کیوں؟ نہیں نہیں تم سب کے سامنے کہو! کیوں رسولِ خدا کا پیغام میرے لیے باعث صد افتخار ہے جویبر نے کہا! رسولِ خدا نے فرمایا ہے آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دیں! زیاد نے کہا ہم انصار اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے سے کم مرتبے والے کے ساتھ نہیں کرتے واپس جاؤ اور رسولِ خدا کو میرا عذر بتا دو!

جویبر وہاں سے روانہ ہوئے کہ رسولِ خدا کو جواب بتا دیں! ادھر زیاد بہت پشیمان ہوئے اور ایک آدمی کو بھیج کر جویبر کو راستے ہی سے واپس بلا لیا اور اُن کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور کہا آپ ٹھہریے، میں پیغمبر اسلام سے بات کر کے آتا ہوں وہاں پہنچ کر کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں جویبر آپ کی طرف سے ایک پیغام میرے پاس لائے تھے میں نے

چاہا میں خود براہ راست حضور سے بات کر لوں اور عرض کر دوں کہ ہم انصار اپنے
سے کمتر والے میں لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے رسولِ اسلام نے فرمایا! اے زیاد
جویبر مومن ہے مومن کی ہمسر مومنہ ہوتی ہے مسلمان کی ہمسر مسلمہ ہوتی ہے اپنی بیٹی کی
شادی اس کے ساتھ کر دو اس کو داماد بنانے میں ننگ و عار محسوس نہ کرو! زیاد وہاں
سے واپس آئے بیٹی سے پورا واقعہ بیان کیا! لڑکی نے کہا بابا رسولؐ کے مشورہ پر
جویبر کو اپنا داماد بنا لیجئے زیاد وہاں سے نکل کر باہر آئے جویبر کا ہاتھ پکڑ کر قبیلہ کے
افراد کے پاس لائے اور اُن کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی مہر و جہیز کا انتظام بھی خود ہی
کیا اور زیاد کے حکم سے ایک گھر جس میں لوازماتِ زندگی موجود تھے جویبر کے حوالے
کر دیا گیا اور اس طرح ایک عظیم قبیلہ کے بزرگ ترین شخص کی بیٹی ایک فقیر سیاہ رنگ
کے ساتھ بیاہ دی گئی جس کے پاس ایمان کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔!

ایک جگہ تین مختلف قوم کے آدمی جمع تھے سلمانِ فارسی، صہیبِ رومی، بلالِ حبشی
اتنے میں وہاں قیس آیا اُس نے تینوں کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے کہا اوس و خزرج تو
خیر عرب تھے جنھوں نے اپنی خدمات و فداکاری کے ذریعہ رسولِ خدا کی مدد کی! مگر یہ
تین آدمی کہاں سے آگئے! کس نے ان کو پیغمبر کی مدد کے لیے بلایا تھا؟ جب رسولِ خدا
کو اس کی خبر ہوئی تو بہت ناراض ہوئے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور اُن
سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا خدا ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تمہارا دین ایک ہے
جس عربیت پر تم فخر کر رہے ہو نہ وہ تمہاری ماں کی طرف سے آئی ہے اور نہ باپ
کی طرف سے! عربیت تو صرف تمہاری زبان ہے۔

رسولِ خدا قومیت کا سر کچلنے اور برابری کا قانون نافذ کرنے کے لیے ہر وقت
کوشاں رہتے تھے ایک دن ایک کالا آدمی پیغمبر کے پاس آیا ابوذر کو اُس سے کچھ
پہلے ہی سے پرخاش تھی لہٰذا اُس کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے فرزندِ سیاہ! بس اتنا سننا
تھا کہ رسولؐ کو غصّہ آگیا ابوذر سے فرمانے لگے کیا اس کی ماں کے کالے پن پر طنز کر رہے

ہو؟ رسولِ خدا کو اس حالت میں دیکھ کر ابوذر کے حواس گم ہو گئے اور اپنی اس غلطی
پر بہت پشیمان ہوئے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لیے اپنے چہرے کو زمین پر ملنے
لگے تب رسولِ اسلام نے اس لغزش کو معاف فرمایا۔

ساری دنیا میں غالباً اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے خون، نسل، رنگ، قومیت
کے حدود و فاصلوں کو ختم کر دیا ہے اور اسلامی معاشرہ کی چار دیواری میں ایسا اتحاد
اور یگانگت قائم کیا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے افرادِ بشر کے درمیان کفر و ایمان کے
علاوہ کوئی حد فاصل نہیں ہے صرف ایک چیز جو سب کو ایک پرچم کے نیچے لا سکتی ہے
اور بشریت کی خدمت کر سکتی ہے وہ یہی اتحاد و یگانگت ہے جو ایمان باللہ اور روحانی
و اخلاقی فضائل کے محور پر گھومتی ہے کیونکہ اس قسم کے اتحاد میں برادری کی رُوح بیدار
ہوتی ہے اور دل و فکر باہم مربوط ہو جاتے ہیں نسلی امتیاز، قومی اختلاف قسم کی چیزیں اس
میں خلل انداز نہیں ہو سکتیں۔

اسلام انسانی معاشرہ کو بہت اونچا کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے مسلمانوں میں
اتحاد رہے اور اُن کے دل پاک انسانی احساسات سے بھرپور رہیں خدا نے دنیا اس لیے
نہیں پیدا کی کہ انسانی قلوب میں شگاف و فاصلے باقی رہیں ارشاد ہوتا ہے ہم نے تم کو قبیلوں
میں اس لیے قرار دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔

اسلامی برادری ایک بہت ہی پر ارزش و واقعی مسئلہ ہے جس میں ہر قسم کی
محبت و عطوفت کو ہونا چاہیئے اگرچہ مغربی غلط افکار کے تاثر کی وجہ سے اسلامی معاشرہ
میں روحِ مادیت و سود خوری وسیع ہو گئی ہے لیکن پھر بھی بہت سے مسلمانوں کی زندگی
ان خرافات سے خالی ہے اسی لیے ایک مغربی سیّاح کہتا ہے شفقت، مہربانی، مہمان
نوازی، غریب پروری مشرقی لوگوں کا خاصّہ ہے جس میں اسلامی تعلیمات نے اور زیادہ جلا
بخشی ہے اُن میں سے تھوڑی سی بھی خصوصیت یورپی لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ (مغربی
تمدن کی ایک جھلک ص۱۹۶)

اسلامی مساوات پر مغربی دانشوروں کا اعتراف

مشہور فرانسیسی

****

دانش مند ڈاکٹر گستاولے لیبون (D.R cantave Lebon) لکھتا ہے مسلمانوں میں مساوات و برابری حد درجہ تھی یورپ میں جس مساوات کا ذکر بڑی شدت سے کیا جاتا ہے اور مختلف لوگوں کی زباں زد ہے یہ صرف کتابوں کی حد تک ہے خارج میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے مگر مسلمانوں میں علمی طور سے موجود تھی اور مشرقی معاشرت کا جزو تھی طبقاتی اختلافات جن کی بنا پر یورپ میں انقلاب آیا مسلمانوں میں نہیں ہیں پیغمبر اسلام کی نظر میں ہر مسلمان برابر ہے۔

دنیائے عرب میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے مختلف اقوام و قبائل کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور ان کو مخصوص قوانین و نظام کی مضبوط زنجیر میں باندھ دیا کسی بھی مملکت کا رہنے والا مسلمان دوسروں کے لیے اجنبی نہیں ہے مثلاً ایک چینی مسلمان کا حق اسلامی ملکوں میں اتنا ہی ہے جتنا کسی اسلامی ملک میں رہنے والے کا ہے اگرچہ خود مُسلمان نسل و ملیت کے لحاظ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن مذہبی رشتے کی بنا پر اُن کے اندر ایک خاص قسم کا معنوی ربط موجود ہے جس کی بنا پر بہت آسانی سے ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔

ایم یو لوپلانے M.U. LEPLAV لکھتا ہے کہ کاریگروں اور ستم دیدہ افراد کے اصلاح حال کے سلسلہ میں جن خطرات اور برے نتائج سے یورپ میں انتظامیہ دوچار ہوئی ہے اسلامی معاشرے میں اس کا وجود نہیں ہے مسلمانوں کے یہاں بہترین انتظامیہ ہے جس کی بنا پر امیر فقیر کے درمیان صلح و آشتی قائم رہتی ہے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے جس قوم کے لیے یورپ کا دعویٰ ہے کہ ان کو تعلیم دے کر تربیت دی جانی چاہیئے واقعاً خود یورپ کو اس سے سبق لینا چاہیئے اسلام میں ممتاز طبقے، موروثی منصب کا کوئی وجود نہیں ہے اسلام کا سیاسی نظام بہت ہی سادہ ہے اور اس نظام کے تحت

جن لوگوں کا ادارہ کیا جاتا ہے اس میں شریف، رذیل، امیر، فقیر، سیاہ، سفید سب ہی برابر ہیں۔

گب GOB اپنی کتاب میں لکھتا ہے اسلام میں ابھی اتنی قدرت ہے کہ انسان کی بزرگ و عالی خدمت انجام دے اصولی طور پر اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب یا گروہ ایسا نہیں ہے جو انسان کے مختلف نسلوں کو کسی ایک ایسے مقصد پر جمع کرا کے جس کی بنیاد مساوات پر ہو عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو سکے افریقہ، ہندستان و انڈونیشیا میں عظیم اسلامی معاشرہ اور چین میں یہی چھوٹا معاشرہ اور جاپان میں بہت ہی قلیل اسلامی معاشرہ خبر دیتا ہے کہ اسلام کے اندر ایسی طاقت ہے جو ان تمام مختلف عناصر و طبقات کے درمیان اثر انداز ہو سکے اگر کبھی مشرق و مغرب کی بڑی حکومتیں اپنے اختلافات کو دور کرنے کے لیے کسی ترازو کا سہارا لیں تو وہ سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مراسم حج میں بھی وحدت فکر و عمل کی بنیاد پر اسلامی تعلیم استوار کی گئی ہے ظاہری امتیازات کا وہاں کوئی شائبہ بھی نہیں ملتا۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو اپنی عجیب و غریب قوت جاذبیہ کی بنا پر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام لوگ صرف ایک قانون کی پیروی کرتے ہیں اور کسی سیاہ و سفید، سرخ و زرد امتیاز کے بغیر ایک صف میں پہلو بہ پہلو پُر شکوہ با عظمت مراسم کو بجا لاتے ہیں۔

فیلپ ہٹی PHILIP HATTI یونیورسٹی کا استاد لکھتا ہے کہ اسلام میں فریضہ حج کی بنیاد تمام زبانوں میں ایک اہم اجتماع کا سبب ہے اور مُسلمانوں میں سب سے بڑا اجتماع یہاں ہوتا ہے کیوں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ بشرط استطاعت اس فریضہ کو بجالائے یہ عظیم اجتماع جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو چاروں طرف سے کھینچ لیتا ہے عجیب و غریب اثر رکھتا ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔

اپنے خدا کے حضور میں زنگی، بربری، چینی، ایرانی، ہندی، ترکی، شامی، عربی، غنی
فقیر، بلند، پست سب ہی مل جل کر متحد ہو کر کلمۂ شہادتین پڑھتے ہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عظیم سالانہ اجتماع اس نظریہ کے ماتحت
عظیم ترین خدمت انجام دیتا ہے اور ملیونوں ایسے آدمیوں کے درمیان جو دنیا کے
مختلف گوشوں میں زندگی بسر کرتے ہیں دین و مذہب الٰہی کو نشر کرتا ہے (اسلام از
نظرگاہ دانشمندان عرب ص ۲۳۹، ۲۴۰)

اسلام اور غلامی :- حضور رحمۃ للعالمینؐ کی آمد سے پہلے یہ دنیا
*************** جہاں تمام اقسام کے فسق و فجور میں ملوث
تھی وہیں غلاموں کے لیے بھی جہنم سے کم نہ تھی غلامی جس کے ذریعہ افراد بشر کو
اس طرح گرفت میں لے لیا جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا دشوار ہو جاتا ہے کوئی پسندیدہ
چیز نہیں غلاموں کے ساتھ اسلام سے پہلے ایسا سلوک کیا جاتا تھا جس کے تصور سے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ریگ زار عرب ہی میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں حسب
حیثیت کم و بیش غلام موجود نہ ہوں اور ان غلاموں کی وقعت بھی ان کے آقاؤں کی
نظروں میں ایسی ہی تھی جیسی کہ دیگر ممالک میں ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی
تھی جنھیں مالک تکلیفیں دے دے کر جب چاہیں مار ڈالیں یا وہ حیوان تھے کہ ذرا
ذرا سی بات پر کوڑوں سے پیٹتے پیٹتے لہو لہان کر دیے جاتے۔
اسلام نے جہاں دنیا کے دیگر عیوب کی اصلاح کی وہاں غلاموں کی حالت میں
ایسا تغیر پیدا کر دیا کہ گویا غلام تھے ہی نہیں اور اگر تھے بھی تو ایسے کہ صرف چند
روز میں ان کی غلامی کا خاتمہ ہو جائے اسلام نے جس غلامی کو باقی رکھا ہے۔ وہ
غلامی نہیں بلکہ انسانی ہمدردی و غمخواری تھی اسلام نے غلاموں کو ممنوع تو نہیں
قرار دیا لیکن شریعت میں ایسے احکام جاری کیے جن پر عمل ہوتا رہتا تو کچھ دنوں
میں غلامی کا خاتمہ ہو جاتا اسلام نے سب سے پہلا قدم تو غلاموں کے سلسلے میں یہ اٹھایا

کہ ان کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ ہونے لگا صفوف بشر میں وہ آزاد آدمیوں کے
پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے ان سے انسانیت سوز برتاؤ کا خاتمہ کر دیا غلاموں میں یہ احساس
پیدا ہو گیا کہ وہ بھی انسان ہیں ان کو بھی دنیا میں جینے کا حق ہے وہ سمجھنے لگے کہ جس
طرح آزاد انسان تعمیر دنیا کی ایک بنیادی اینٹ ہیں وہ بھی انھیں کے مانند ایک
انسان ہیں انھیں بھی تعمیر دنیا میں وہی کرنا ہے جو آزاد انسانوں کو کرنا ہے۔
غلام کی غلامی کی بقا کے ساتھ اسلام نے اسے اتنا نوازا کہ بڑے بڑے نامی
گرامی افراد ان کے مقابلہ میں پست ہو گئے اس لیے کہ اسلام نے شرافت و بزرگی کا
ایسا معیار بنایا کہ جو اپنے کو اس معیار کے مطابق بنا لے وہ معزز و محترم ہو سکتا ہے
خواہ وہ سید ہو قریشی ہو یا غلام حبشی ہو ارشادِ باری ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم
خدا کے نزدیک سب سے گرامی وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو احادیث میں
بھی اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں ان بہترین تعلیمات پر خود پیغمبر اسلام
اور ائمہ معصومین و بزرگانِ دین نے عمل کر کے دکھایا سلمان فارسی غلام تھے۔ جو
ایمان کے دس درجوں پر فائز تھے بلال موذن رسولؐ غلام ہی تھے جن کو حضرت
نے اپنا مؤذن قرار دیا زید بن حارثہ غلام ہی تھے پیغمبر اسلام نے ان کو اپنا متبنیٰ بنایا
اور جنگ موتہ میں لشکر اسلام کی سرداری عطا کی جس میں مہاجرین و انصار سبھی موجود
تھے غلام جب آزاد کر دیا جاتا تھا تو اس میں اور آزاد مسلمانوں میں کوئی فرق
نہیں رہ جاتا تھا بلکہ وہ ان تمام حقوق کا مستحق ہو جاتا تھا جو مستند سے مستند
کسی قبیلہ کے افراد کے حقوق ہوتے تھے یہ ظاہر ہے کہ ایک وہ جس کا حسب و نسب
معلوم ہو شرافت و نجابت کا شہرہ ہو اور کجا وہ بازار میں اس طرح لایا گیا ہو کہ کسی
جنگ میں اسیر کیا گیا ہو اور فروخت کر ڈالا گیا ہو نہ اس کا حسب معلوم نہ نسب
نہ شرافت و نجابت خاندانی کی خبر اس پر طرفہ اضافہ یہ ہے کہ کل تک قلادۂ غلامی
گردن میں پڑا ہوا تھا اگرچہ اب آزاد ہو گیا ہے لیکن شرفاء کے مقابلہ میں جب

بیٹھے گا سرنگوں ہو جائے گا آزاد غلاموں کا یہ حال تھا۔

اسلام دینِ فطرت ہے قیامت تک کے لیے آیا ہے اس کی شریعت ہمیشہ باقی رہے گی اس لیے معاشرے پر اسے نظر کرنا ہی پڑے گی کہ آیا یہ پسماندہ اور گرا ہوا طبقہ ہے جو کبھی غلام تھا جس کے حسب و نسب، قوم و قبیلہ کا کچھ پتہ نہیں کس طرح رکھا جائے کل تک یہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا نہ اس کے پاس مال و دولت تھی نہ زمینوں اور باغات کا مالک تھا اب آزاد ہونے کے بعد اس سے کیا برتاؤ کیا جائے بیت المال میں اس کا کیا حصہ مقرر کیا جائے شادی بیاہ اس کے ساتھ کی جائے یا نہیں؟ اسے تعلیم دی جائے یا جاہل رکھا جائے؟ میل جول اور معاشرت میں کیا اسے مساوی درجہ دیا جائے یا نہ دیا جائے کسی عہدہ اور منصب پر اسے سرفراز کیا جائے یا محروم رکھا جائے؟

اسی طرح کے بکثرت مسائل ہیں جن پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنا ہے یا اسے اسلام نے نظر انداز کر دیا ہے یا اربابِ جاہلیت کی سیرت پر عامل رہا یا اس لیے کہ یہ بھی اولادِ آدم و حوّا کی اولاد میں داخل ہیں مسائل کشمکشِ حیات میں مساویانہ اور عادلانہ برتاؤ کیا جائے حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے آزاد شدہ غلاموں سے وہی برتاؤ کیا جو برتاؤ مستند قبائل کے روساء سے کیا جاتا ہے جب قرآن و احادیث و سیرت کی سیر کی جاتی ہے تو واضح الفاظ میں ملتا ہے کہ بیت المال سے جو حصہ قریش یا صاحبِ حسب و نسب افراد کو دیا جاتا تھا اتنا ہی آزاد شدہ غلاموں کو بھی ملتا تھا تعلیم معارف و حقائق میں اسلام نے کوئی امتیاز غلاموں اور آزاد افراد میں نہیں کیا ہے بلکہ پیغمبرؐ اسلام اور اُن کے اوصیاء طاہرینؑ جب معارف و حقائق شریعت کی تعلیم دیتے تھے تو جس طرح اس سیلابِ علم سے آزاد لوگ اپنی پیاس بجھاتے تھے انھیں کے دوش بدوش غلام و کنیز خواہ آزاد بھی نہ ہوں اپنے کو زیورِ علم سے آراستہ کر لیتے تھے آج ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کا جو عظیم ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ جس طرح آزاد لوگوں کا رہینِ منت ہے اسی طرح غلاموں کا بھی ممنونِ احسان ہے راویانِ حدیث میں ایک بڑا طبقہ غلاموں کا بھی داخل ہے منصب و عہدے جس طرح آزاد افراد کو دیئے جاتے تھے غلاموں کو بھی یہ عزت دی جاتی تھی۔

بعض لوگ جن کی نظریں سطحی اور علم محدود ہوتا ہے اسلام پر اپنی کوتاہ نظری کے سبب کبھی کبھی ایسے اعتراض کر دیا کرتے ہیں جو حقائق سے بہت دور ہوتے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام نے اگرچہ غلاموں کے متعلق حسنِ سلوک کے احکام جاری کر کے اُن کی حالت قدرے بہتر بنا دی لیکن غلامی کی رسم کو بالکل نابود نہ کر سکا یہ اعتراض زیادہ تر یورپین مورخین اور ان کے متبعین کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ہم اس سلسلے میں ان سے صرف اتنا سوال کرتے ہیں کہ اگر ان کے حسبِ منشاء اسلام تمام غلاموں کو فی الفور آزاد کرا دیتا تو وہ بیچارے کھاتے کہاں سے اپنے پیٹ کو پالنے کے لیے کام کہاں تلاش کرتے اور آخر اس کا جو خوفناک اثر بصورت بدامنی اور فساد پیدا ہوتا اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟ پھر بھی رحم دل بھیڑیئے حضورؐ پر قلتِ تدبر اور قانون فطرت سے ناواقفی کا الزام لگاتے اور کہتے کہ جو شریعت اسرارِ فطرت سے اس قدر ناواقفیت پر مبنی ہو وہ خدا کی طرف سے کس طرح ہو سکتی ہے غرض کہ حیلہ جو را بہانہ بسیار۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور حضورِ سرورِ کائناتؐ قانونِ فطرت کے سب سے بڑے ماہر تھے اس لیے اس کے جو احکام ہیں وہ سب فطرت سے مناسبت رکھتے ہیں اس لئے غلامی اور غلاموں کے متعلق بھی جو احکام ہیں وہ ایسے پُر حکمت ہیں کہ اگر زمانہ بعد کے مسلمان بھی اُن پر عمل کرتے تو غلامی صدیوں پہلے نابود ہو گئی ہوتی اور دشمن کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملتا آپ قرآن شریف اور حدیث کو اگر غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ذرا ذرا سی حکم خداوندی کی خلاف ورزی

پر اسلام جو مسلمانوں سے فدیہ چاہتا ہے وہ غلام کو آزاد کرنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا اور ہونا چاہیئے تھا کہ جہاں جہاں اسلام پہونچتا آہستہ آہستہ غلامی کا نام و نشان تک مٹ جاتا اسلامی احکام کے بعد جو ہمیں دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ جس شریعت کے یہ احکام ہیں اس کے مبلغ اور متبعین کا عمل کیا تھا انھوں نے ان احکام کو عملی طور پر کس طرح جامہ پہنایا اور خود نمونہ بن کر دنیا کو بتا دیا کہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام کے احکام صرف کتابوں ہی میں محفوظ رکھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے بھی تھے۔

حضور رحمتہ للعالمینؐ جن کی شفقت و مروت مرد، عورت، بچہ، بوڑھا انسان حیوان، غلام و آزاد سب کے لیے یکساں تھی وہ اس مظلوم فرقہ کی تکالیف سے کیونکر نہ متاثر ہوتے انھوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے غلام کو بچہ اور لونڈی کو بچی کہہ کر پکارا کریں تاکہ لفظ غلام سے ان کا دل نہ دکھے حضورؐ کے پاس جس قدر غلام آتے رہے حضورؐ ان کو آزاد فرماتے رہے کوئی غلام ایسا نہ تھا جو حضورؐ کے سایۂ شفقت میں آیا اور حضورؐ نے اس کو آزاد نہ کر دیا ہو یہ دیکھ کر صحابہ میں غلام آزاد کرنے کا ایسا شوق پیدا ہو گیا تھا کہ بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی تھی عمر بن عبسہ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا جس شخص کی جوانی اسلام میں گزری قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہوگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر بھی مارے خواہ وہ دشمن تک پہونچے یا نہ پہونچے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور جو شخص ایک غلام آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں ایک عضو آزاد کرنے والے کا آگ سے بچائیگا۔

قیس بن عاصم ایک صحابی تھے انھوں نے عرض کیا حضورؐ میں زمانہ جاہلیت میں اپنی بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] لڑکیاں زندہ دفن کر چکا ہوں اس کا کیا کفارہ دوں حضورؐ نے فرمایا ہر لڑکی کے عوض ایک غلام آزاد کر دو۔

لیکن بایں ہمہ بعض لوگ غلاموں کی خدمت سے اس زمانہ میں بھی ایسے ہی بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ اس زمانہ میں ملازموں سے۔ اس زمانہ میں ملازموں کے بجائے غلام کام کرتے تھے اور بعض غلام بھی اپنا اور اپنے عیال کا پیٹ پالنے کے لیے آزادی کی نسبت اپنے آقا کے یہاں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے اس لیے انکی نسبت بھی جو حضورؐ کا فرمان ہے سُن لیجئے " اُن پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب اور عاجز آجائیں اور اگر کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو بھی تو اُن کا ہاتھ بٹاؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو وہی انھیں بھی کھلاؤ اور پہناؤ" حضورؐ کے اس فرمان کا صحابہ پر یہ اثر تھا کہ حضرت ابوذر جب بازار میں نکلتے تو لوگ دیکھتے کہ جو لباس آپ کا ہے بعینہٖ وہی غلام کا بھی ہے ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ کھانا کھا رہے تھے غلام شوربہ کا پیالا لایا جلدی میں یا کسی اور وجہ سے وہ شوربہ آپ کے کپڑوں پر گر گیا حضرتؑ نے بس ایک نگاہ ڈالی مگر جرم کے احساس سے دل اُس کا لرز رہا تھا اُس نے کہا (چونکہ افتادِ طبع معصومینؑ معلوم تھی) والکاظمین الغیظ غصّہ کے روکنے والے آپ نے فرمایا کظمت غیظی اچھا میں نے روکا اپنے غصّہ کو" العافین عن الناس اور عفو کرنے والے لوگوں کے حضرت نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا اس نے کہا واللہ یحب المحسنین آپ نے فرمایا میں نے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔"

حضورؐ اور حضورؐ کے اہلبیتؑ کے عملی نمونوں نے غلاموں کی حالت کو اس قدر ارفع کر دیا تھا کہ زمانۂ اولیٰ میں مسلمان اپنے غلاموں کو اپنے اہل و عیال اور بال بچوں کی طرح رکھتے تھے کسی گھرانے کا غلام اس گھر کا ممبر سمجھا جاتا تھا فضہؓ جناب سیدہؐ کی کنیز تھیں مگر حسنینؑ انھیں امّاں فضہ کہہ کر پکارتے تھے ایک دن گھر کا کام ملکۂ خانہ کرتی ہیں اور ایک دن فضّہ کرتی ہیں قنبر امیر المومنینؑ کے غلام تھے قنبر کو ساتھ لے کر بازار میں کپڑا خریدنے تشریف لے جاتے ہیں ایک سات درہم کا اور ایک پانچ درہم کا پیراہن خرید فرماتے ہیں سات درہم والا قنبر کو عنایت فرماتے ہیں اور پانچ درہم کا لباس خود زیب جسم فرماتے

ہیں قنبر نے عرض کیا کہ یہ لباس آپ زیب جسم فرمایئے آپ نے جواب دیا جیسے بچوں کو جواب
دیا جائے، قنبر تم نوعمر ہو تمہارے لیے یہی لباس بہتر ہے۔ میں یہ لباس پہن لوں گا۔
ایک شخص نے امام زین العابدینؑ سے عرض کیا کہ آپ کے غلام آپس میں تذکرہ کرتے
ہیں کہ آپ کا کوئی رعب ان کے دلوں پر نہیں ہے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا فرمایا"
میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کے بندے مجھ سے ڈرتے نہیں اس کا نتیجہ یہ تھا کہ غلام
اپنے مالک کو بارِ خاطر نہ سمجھتے تھے یہ غلام درحقیقت فرزندوں کی طرح رہتے تھے غلام
کا نام بدنام ہے لیکن اچھائی اور برائی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے تو اسلام کی غلامی
دوسرے اقوام کی آزادی سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بہت سے مایۂ ناز محدث
فقیہ، عالم فاضل اور بادشاہ یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد۔ دور کیوں جایئے ہندوستان
میں ہی خاندان غلامان کے بادشاہ اس امر کی دلیل ہیں کہ اسلام نے غلاموں کے لیے ہر
قسم کی ترقیوں کی راہیں کھول دی تھیں اور دوسرے آزاد مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنی
لیاقت کے جوہر دکھا دکھا کر دنیا کی سب سے بڑی عزت وعظمت یعنی تختِ حکومت تک
حاصل کر لیا کرتے تھے سلطان محمود غزنوی کا باپ تک غلام تھا اس مختصر مضمون میں لکھیں
چند الفاظ پر اکتفا کر کے ہم دنیا بھر کے مذاہب اور قوموں بلکہ زمانہ موجودہ کی مہذب
ترین قوموں کو اس تہذیب کے زمانہ میں بھی چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک آدھ ہی
ایسا نمونہ تمام دنیا کی تاریخ میں تلاش کر کے دکھائیں یا اس روشن ترین زمانہ میں ہی
کوئی ایسا نمونہ پیدا کر دیں ورنہ کہا جائے گا سے

ہاں غلامی وہی اب بھی وہی آقائی ہو
دورِ حاضر کی مساوات کو پسپائی ہو

تذکرۂ غلامانِ اسلام

****

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے معنی اور اس کی تاریخی اور سماجی پہلوؤں پر جائزہ
لینے کے بعد ان غلاموں کے حالات پیش کر دیے جائیں جن کی عظمت اور بلندیٔ ایمان پر
اسلام اور مسلمانوں کو ناز ہے۔
سب سے پہلے ہم پیغمبر اسلامؐ کے غلاموں اور کنیزوں سے اس موضوع کی ابتدا
کر رہے ہیں ان سب کے حالاتِ زندگی تو لکھنا بہت دشوار ہے البتہ کوشش ہوگی کہ مشہور
ومعروف غلاموں کا تذکرہ ناظرینِ کرام کی خدمت میں پیش ہو سکے۔

غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: سلمان فارسیؓ، زید بن حارثہ، اسامہ بن زید

****

ابورافع آنحضرتؐ کے چچا عباس نے ان کو آنحضرت کی غلامی میں دیا تھا حضرت نے ان
کو آزاد کر دیا تھا ابورافع کی بیوی سلمیٰ کے بطن سے عبید اللہ پیدا ہوئے یہ امیرالمومنینؑ
کے کاتب تھے بلالؓ حبشی صہیبؓ رومی، سفینہؓ ان کا نام مفلح الاسود تھا رومان، بلجی پکارے
جاتے تھے یہ امِ سلمہ کے غلام تھے حضرت نے ان کو آزاد کر دیا امِ سلمہ نے آنحضرتؐ کی خدمت
کی شرط کر لی تھی۔ ثوبان حمیری ان کو آزاد کر دیا تھا مگر یہ زمانہ معاویہ تک آنحضرتؐ اور ان
کی اولاد کی خدمت سے جدا نہ ہوئے یسار نوبی یہ غزوہ ثعلبہ میں قید ہوئے بعد کو حضورؐ

نے انھیں آزاد کر دیا۔ شقران ان کا نام صالح بن عدی حبشی تھا یہ غلام آپ کو اپنے
باپ سے ورثہ میں ملا تھا یہ رے کے دہقانوں کی اولاد سے تھا۔ مدعم[11] خشمی یہ فروہ بنت
عمر جذامی کا ہدیہ تھا۔ ابو مویہبہ[12] آپ نے انھیں بھی آزاد کر دیا تھا ابو کبشہ[13] اس کا نام سلیم
تھا ارض دوس یا مکہ کا رہنے والا تھا حضرت نے اسے خرید کر آزاد کر دیا تھا ابو بکرہ[14] ہشام
اس کا نام نفیع تھا اس کو بھی آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ ابو ایمن[15] جن کا نام رباح تھا۔ یہ
سیاہ فام تھے ابو لبابہ[16] قرظی جس کو آنحضرت صلعم نے خرید کر آزاد کر دیا تھا فضالہ[17] ان کو رفاعہ
بن زید جذامی نے آپ کو ہبہ کیا تھا وادی قریٰ میں قتل ہوئے۔ انیجب۔ بن کردی یہ عجم
کے رہنے والے تھے بدر میں شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو بکر کی خلافت
کے زمانے میں وفات پائی۔ کرکرہ[19]۔ یہ آپ کو ھدیہ ملا تھا آپ نے آزاد کر دیا بعض کے نزدیک
یہ غلامی کی حالت میں انتقال کر گئے۔ ابو ضمرہ[20] اس کو ام سلمہ نے آنحضرت کے لیے خریدا
تھا حضرت نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ اسلم الاصغر[21] رومی۔ حبشتہ النجشی[22]، ماہر[23] شاہ حبشہ مقوقس
نے بطور ھدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ابو ثابت[24]۔ ابو بزیزد[25]۔ ابو السلمیٰ[26]۔ ابو عسیب[27]۔ ابو
رافع اصغر[28]۔ ابو لقیط[29]۔ ابو البشر[30]۔ مہران[31]۔ عبید[32]۔ افلح[33]۔ رفیع[34]۔ یسار اکبر[35]۔ ریاح[36]۔ رویفع[37]۔
ابو ہند[38]۔ انجشہ[39]۔

کنیزیں:۔ حارثہ[1] بنت شمعون شاہ حبشہ نے آپ کی خدمت میں ھدیہ بھیجا مدہ
تھا۔ سلمیٰ[2]۔ ورضوی[3]۔ ام ایمن[4] ان کا نام برکہ تھا۔ اسلمہ[5]۔ آنسہ[6]۔ مویہبہ
بعضوں نے ان دونوں کو غلاموں میں شمار کیا ہے اور مویہبہ خصی تھا اور اس
کو مابور کہتے تھے (مناقب شہر آشوب الجزء الاول صد ۱۷۱-۱۷۲ حیات القلوب)

سلمان فارسی

نام کنیت اور القاب:۔ اظہار اسلام سے پہلے کتب تواریخ واحادیث
میں آپ کے دو نام زیادہ نظر آتے ہیں ماہبہ اور

روزبہ ہمارے نزدیک روزبہ زیادہ معتبر ہے ان دو ناموں کے علاوہ بھی لوگوں نے آپ
کے نام لکھے ہیں مثلاً ماہویہ، بہبود اور حمد اللہ متوفی نے آپ کا نام ناجیہ بتایا ہے لیکن
یہ زیادہ مشہور نہیں ہیں۔

اظہار اسلام کے بعد آنحضرت نے آپ کا نام سلمان اور امیر المومنینؑ نے مسلسل
رکھا تھا آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، ابو البنات اور ابو المرشد ہے سلمان خیر و سلمان
محمدی کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں آپ خود اپنے کو سلمان ابن اسلام کہتے تھے۔

حلیہ:۔ آپ کے سر کے بال گھنے، کان لمبے اور دراز قد آدمی تھے ابن ایسے اس
ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ گرگ گرگ آمد گرگ آمد (گرگ ایران کے ایک
شہر کا نام تھا) کہتے ایک مرتبہ گورنری کے زمانے میں اس شان وشوکت سے نکلے کہ
سواری میں بلا زین کا گدھا تھا لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی جو سواری پر
سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں
لڑکے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی
دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو (ابن سعد جز ۴ صد ۶۲)

حسب ونسب:۔ آپ ایرانی النسل ہونے کے باعث سلمان فارسی کہے جاتے
ہیں بعض نے رامہرمز بعض نے جی جو اصفہان کا ایک شہر ہے
آپ کا اصل وطن بتایا ہے ابن شہر آشوب اور علامہ نوری نے آپ کو شیرازی لکھا ہے
اور وہ روایت نقل کی ہے جو خود جناب سلمان فارسی نے امیر المومنینؑ سے اپنے ایمان
کے بارے میں بیان کی ہے جو آئندہ نقل کی جائے گی۔

اگرچہ مذہب اسلام میں ظاہری حسب ونسب کی ایمان وعمل کے مقابلہ میں کوئی
وقعت وحیثیت نہیں ہے لیکن اس اعتبار سے بھی آپ ایک بلند شخصیت کے مالک ہیں
آپ کے والد شیراز کے صاحب دولت وثروت مالک مکانات وجائداد دہقان تھے
لیکن مذہباً آتش پرست (مجوسی) تھے اس لیے آپ نے ہمیشہ اس دنیاوی عزت کو دین

کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے مابہ بن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن شہرل شاہ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۱۴۰)

اکمال الدین میں آپ کے والد کا نام خشبوذان اور بعض لوگوں نے شہنشاہ منوچہر کی اولاد سے بتایا ہے آپ کے والد کے نام کے بارے میں روایات کی کثرت تائید کرتی ہے کہ بدخشان تھا اور آپ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن آپ نے اس ظاہری حسب و نسب پر کبھی فخر نہیں کیا بلکہ اگر کبھی کسی پوچھنے والے نے آپ سے آپ کے نسب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں (مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے ہماری تصنیف سلمان محمدی صفحہ ۲۴، ۲۶، ۲۵)

تعلیم و تربیت:-

****

آپ کے والدین کو آپ سے حد درجہ محبت تھی ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے رکھتے تھے اگرچہ آپ کے علاوہ بھی آپ سے بڑا ایک لڑکا موجود تھا سلمان خود فرماتے ہیں کہ میں اُن کو تمام خلائق میں سب سے زیادہ محبوب تھا انھوں نے مجھے گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھایا اور پرورش کیا تھا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۱۴۰) سن شعور کو پہونچنے کے بعد والدین نے آپ کو بغرض تعلیم شیراز کی ایک مجوسی درس گاہ میں داخل کیا اس زمانہ کے رواج کے مطابق درس گاہوں کے معلم جو موبد و راہب کہلاتے تھے ژند و اُستا (اس زمانہ کے ایرانی عقائد کی آسمانی کتابیں تھیں) کے علاوہ صحف ابراہیم توریت و انجیل کی بھی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ جناب سلمان فارسی نے ایک مدت تک شیراز کی مختلف درس گاہوں میں ان کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ ان کتابوں میں چونکہ بعثت محمدی کی بشارت اور آنحضرتؐ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ موجود تھا لہٰذا آپ کے دل میں بتائید ایزدی اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کی محبت پیدا ہونا شروع ہوئی جس قدر مطالعہ بڑھتا گیا اسی قدر یہ عشق ترقی کرتا گیا تا اینکہ مجوسیت سے ان کو قطعاً نفرت و بیزاری ہو گئی ایک بار وہ اپنے وطن میں موجود تھے کہ ایک مجوسی عید آ گئی لوگ مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے عید گاہ کی طرف جانے لگے آپ

کے والد بھی قدیم دستور کے مطابق نیا لباس پہن کر چلنے کے لیے تیار ہوئے اور آپ سے بھی چلنے کے لیے کہا اوّل تو آپ نے چلنے سے انکار کر دیا لیکن جب زیادہ مجبور کیا گیا تو ساتھ ہو لیے جو کام دل سے نہیں ہوتا اس میں لذت بھی نہیں آتی سب لوگ عید گاہ میں خوش خوش نظر آتے تھے مگر آپ رنجیدہ تھے ماں باپ نے اُن سے کہا تم ایسا کیوں نہیں کرتے آپ نے جواب دیا میں اصل سبب تو نہیں بتا سکتا صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میرا دل ان مذموم رسوم کی ادائیگی کے قابل نہیں ماں باپ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور جب عید گاہ سے واپس ہوئے تو بہت کچھ ڈانٹا ڈپٹا مگر آپ کے دل پر ان کی خفگی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ماں باپ نے آخری حجت تمام کرنے کے لیے پھر ایک روز سمجھایا اور نرم و گرم دونوں طریقے استعمال کیے لیکن انھوں نے صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ میں ایک ایسے نبی کی آمد کا منتظر ہوں جو اخلاقِ کریمہ اور صفات پسندیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا اور بتوں کی پرستش سے منع کر کے اس واحد و یکتا خدا کی پرستش اور عبادت کا شوق دلائے گا جو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا ہے میں آفتاب کو خدا سمجھ کر کبھی سجدہ نہیں کر سکتا یہ جواب سن کر والدین غصہ میں آگ بگولہ ہو گئے اور اسی روز اس برگزیدہ خدا کو ایک گہرے کنوئیں میں قید کر دیا دن بھر میں صرف ایک روٹی کھانے کو اور ایک پیالہ پانی پینے کو دیا جاتا تھا جب قید کی مدت کو طول ہوا تو آپ نے رو رو کر درگاہِ الٰہی میں دعا کی کنوئیں میں ایک نورانی بزرگ نے آ کر اس مصیبت سے نجات دلائی اور ایک دَیر میں لا کر چھوڑ دیا ان نورانی بزرگ کے غائب ہو جانے کے بعد آپ دَیر کے اندر گئے دَیر کے راہب نے آپ کا نام لے کر بلایا اور وہ لوح طلب کی جو آپ کے پاس تھی (سلمان محمدی مؤلفہ راقم الحروف)

تلاشِ حق:-

****

جناب سلمان فارسی اپنے ایمان لانے کی داستان خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحبِ جائیداد اور مالک مکانات

تھے انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا اے فرزند تم دیکھتے ہو میں یہاں مشغول ہوں تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن وہاں ٹھہر نہ جانا کہ میں جائیداد کا خیال چھوڑ کر تمہاری فکر میں پڑ جاؤں میں کھیتوں کے دیکھنے کے لیے نکلا اور نصرانیوں کے گرجا کے پاس سے ہو کر گزرا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں ان کو دیکھنے لگا مجھے ان کا یہ طریقۂ عبادت بہت پسند آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا بخدا یہ ہمارے دین سے بہتر ہے میں اُن کے پاس کھڑا ہوا ان کی عبادت دیکھ رہا تھا کہ آفتاب غروب ہو گیا نہ میں کھیتوں پر پہنچا اور نہ باپ کی طرف لوٹ کر آیا والد نے میرے آنے میں تاخیر ہو جانے پر قاصدوں کو بلانے کے لیے بھیجا میں نے نصاریٰ سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے لوگوں نے جواب دیا کہ شام میں۔

میں اپنے گھر واپس آیا میرے والد نے مجھ سے پوچھا اے فرزند میں نے تمہارے بلانے کو قاصد روانہ کئے تھے میں نے جواب دیا کہ میں ایسی قوم کے پاس سے آرہا ہوں جو گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے مجھ کو اُن کا دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میرے والد نے کہا بخدا ہرگز نہیں! ان کو میری طرف سے اندیشہ ہوا اور انھوں نے مجھ کو قید کر دیا میں نے نصاریٰ سے کہلا بھیجا اور میں نے ان سے ان کے دین پر موافقت کا اظہار کیا اور ان سے پوچھا کہ جو شخص شام کے جانے کا ارادہ رکھتا ہو مجھ کو آگاہ کرد۔ انھوں نے ایسا ہی کیا میں نے بیڑیوں کو اپنے پیروں سے اتارا اور اُن کے ساتھ وطن سے شام کے سفر کے لیے نکل پڑا یہاں تک کہ شام میں پہونچا اور ان سے ان کے عالم کے بارے میں معلوم کیا انھوں نے اسقف کا نام لیا۔ میں اس کے پاس آیا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں تمہاری خدمت کروں گا اور تمہارے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ میں اس کے ساتھ رہتا تھا لیکن وہ اپنے دین میں برا آدمی تھا وہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا اور خود اپنے واسطے ذخیرہ کر لیتا تھا اس طرح اُس نے سات مٹکے سونے اور چاندی سے بھر کر جمع کر لیے تھے

جب وہ مر گیا میں نے لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کیا ان لوگوں نے اس کی لاش کو لٹکا کر سنگسار کیا اور دفن نہیں کیا پھر میں نے اُن لوگوں کو اس کا مال بتا دیا ان لوگوں نے اس کی جگہ پر ایک بڑے دیندار زاہد اور آخرت میں رغبت رکھنے والے شخص کو بٹھا دیا خدا نے اس کی محبّت میرے دل میں ڈال دی یہاں تک کہ اُس کے مرنے کا وقت آگیا اور میں موصل میں چلا آیا اور اس شخص سے جس کا ذکر مرنے والے نے کیا تھا' ملا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا میں نے اس کو اسی کے طریقہ پر پایا اور جب اُس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھ کو وصیت کر اس نے کہا میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے طریقہ پر ہو سوائے ایک شخص کے جو عموریہ میں رہتا ہے میں عموریہ میں آیا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا اُس نے مجھ کو ٹھہرنے کا حکم دیا یہاں میرے پاس مالِ دنیا سے کچھ جمع ہو گیا تو میں نے کچھ بکریاں اور گائیں خرید لیں جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا مجھ کو اب کس کے پاس جانے کی وصیّت کرتا ہے اسُ نے جواب دیا کہ اس وقت کسی کو نہیں جانتا جو ہماری جیسی حالت پر ہو لیکن اس نبی کا زمانہ تم سے قریب ہے جو دین حنیف ابراہیم پر مبعوث ہو گا اس کی ہجرت کی جگہ کھجوروں والی زمین ہے اور اس میں کھلی ہوئی نشانیاں اور علامتیں ہیں اس کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ہے وہ ہدیہ کھاتا ہے صدقہ نہیں کھاتا پس اگر تم سے ہو سکے تو اُس کے پاس پہونچ جاؤ وہ یہ کہہ کر مر گیا۔

عرب کے بنی کلب کا قافلہ میرے پاس سے ہو کر گزرا میں نے اُن سے ساتھ چلنے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ میں اپنی گائیں اور بکریاں تم کو دے دوں گا تم مجھ کو اپنے شہر کی طرف لے چلو وہ مجھے وادی القریٰ کی طرف لے گئے اور مجھ کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا میں نے کھجوروں کے درختوں کو دیکھ کر جان لیا کہ یہ وہی شہر ہے جس کی صفت مجھ سے بیان کی گئی ہے میں اپنے آقا کے پاس رہا اس کے پاس قبیلہ بنی قریظہ کا ایک شخص آیا اور اس نے مجھ کو اس سے خرید لیا وہ مجھ کو مدینہ لے کر آیا میں

اس کے پاس اس کی کھجوروں میں کام کرتا تھا اسی اثنا میں خدا نے اپنی نبی کو مبعوث
کر دیا لیکن میں اس سے غافل رہا اور اطلاع نہ مل سکی یہاں تک کہ آپ مدینہ میں
تشریف لے آئے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں اترے میں کھجور کی چوٹی پر تھا کہ
میرے مالک کا بھتیجا آیا اور اس نے کہا اے فلاں خدا بنی قیلہ کو ہلاک کرے یہ
ابھی ان کے پاس سے ہو کر گزرا وہ لوگ ایک شخص کے پاس جو مکہ سے آیا ہے
اور اپنے کو نبی کہتا ہے جمع ہیں۔

بخدا میں یہ سن کر خوش ہو گیا اور مارے خوشی کے درخت پر کانپنے لگا قریب
تھا کہ نیچے گر جاؤں میں جلدی سے درخت سے اترا اور دریافت کیا کہ یہ کیسی خبر ہے
میرے مالک نے ایک گھونسا مارا اور کہا تم کو ان سے کیا مطلب! تم اپنا کام کرو میں اپنا
کام کرنے لگا شام ہوئی تو میں نے کچھ کھجوریں جمع کیں اور ان کو لے کر آنحضرت کے
پاس آیا آپ اپنے اصحاب کے ساتھ قبا میں تھے میں نے کہا میرے پاس کچھ جمع
ہو گیا ہے چاہتا ہوں کہ اس کو صدقہ کر دوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں
اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب محتاج ہیں میں آپ لوگوں کو اس کا مستحق زیادہ
جانتا ہوں یہ کہہ کر اس کو آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور
اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کھاؤ وہ لوگ کھانے لگے میں نے اپنے دل میں کہا یہ ایک
نشانی پوری ہوئی میں واپس آیا اور آپ بھی قبا سے مدینہ واپس چلے آئے میں نے
کچھ اور جمع کیا اور اس کو آپ کے پاس لے کر گیا اور کہا میں نے آپ کی بزرگی کو
دوست رکھا اور اب یہ ھدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے آپ نے اپنا ہاتھ
بڑھایا اور اصحاب کے ساتھ آپ نے بھی کھایا میں نے کہا یہ دو نشانیاں ہوئیں اور
واپس آیا پھر میں آپ کے پاس گیا اس وقت آپ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع کی
طرف تشریف لے جا رہے تھے آپ کے گرد و پیش آپ کے اصحاب تھے میں نے سلام
کیا اور پھر آپ کی پشت میں مہرِ نبوت دیکھنے لگا آپ نے میرا ارادہ معلوم کر کے چادر

اتار دی میں نے مہرِ نبوت کی زیارت کی اور اس کو بوسہ دیکر رونے لگا آپ نے مجھ کو اپنے
سامنے بٹھایا میں نے آپ سے اپنا کل حال بیان کیا جس طرح اے ابن عباس میں تم
سے بیان کرتا ہوں آپ نے اس کو پسند کیا اور چاہا کہ اپنے اصحاب کو بھی یہ خبر سنائیں۔

میں بدر اور احد میں اپنی غلامی کی وجہ سے آپ کے ساتھ شریک ہونے سے
معذور رہا آپ نے مجھ سے فرمایا اے سلمان تم مکاتب بن جاؤ یعنی اپنے مالک کو کچھ
معاوضہ دے کر آزاد کرالو میں اپنے مالک سے کہتا تھا لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا
تھا ایک دن میں نے اس سے تین سو درخت خرمہ لگانے اور چالیس[۴۰] اوقیہ سونے پر
کتابت کر لی آنحضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی کھجوروں کے درخت
سے مدد کرو لوگوں نے پانچ پانچ دس[۱۰] دس[۱۰] درختوں سے میری مدد کی تین سو درخت
میرے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے مجھ سے فرمایا ان کے واسطے تھالے کھودو اور ان
کو بٹھاؤ نہیں میں ان کو اپنے ہاتھ سے بٹھاؤں گا میں نے تھالوں کو کھودا اور صحابہ نے
میری مدد کی جب میں فارغ ہو گیا اور آپ کے پاس آیا تو میں آپ کو درخت لا کر دیتا تھا
اور آپ اس کو بٹھاتے اور مٹی برابر کرتے جاتے تھے آپ لگا کر واپس آ گئے خدا کی
قسم ان درختوں میں سے ایک درخت بھی ضائع نہیں ہوا اب صرف سونا باقی رہ گیا
تھا آنحضرت بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انڈے کے برابر
سونا لایا جو اس کو کسی کان میں ملا تھا آپ نے فرمایا مسکین سلمان فارسی کو بلاؤ میں حاضر
خدمت ہوا آپ نے وہ سونا مجھے دیا اور فرمایا کہ اس کو ادا کر دے میں نے کہا یا رسول اللہ
جو کچھ مجھے ادا کرنا ہے اس کو یہ کہاں پورا کر سکتا ہے ابو طفیل نے سلمان سے روایت
بیان کی ہے کہ رسولؐ نے سونے کے انڈے سے میری مدد فرمائی تھی اگر میں اس کو کوہِ احد
سے وزن کرتا تو وہ اس سے بھاری ہوتا (ترجمہ اسد الغابہ ص ۱۴۴-۱۴۰) اکمال الدین اور
روضتہ الواعظین میں محمد الفتال سے مروی ہے کہ ایک دن قبرِ رسولؐ کے پاس اصحاب
پیغمبر بیٹھے ہوئے تھے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب نے جناب سلمان فارسی سے ان

کے ایمان لانے کا سبب دریافت فرمایا آپ نے جواب دیا میں شیراز کے ایک دہقان کا لڑکا ہوں میرے والد مجھ سے بہت محبت و الفت کرتے تھے ایک دن عید کے موقع پر میرا گزر صومعہ (دیر) کی طرف ہوا وہاں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان عیسیٰ روح اللہ و ان محمداً حبیب اللہ۔ محمدؐ کا نام سنتے ہی میرے رگ و پے میں محبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیوست ہو گئی جب میں گھر واپس آیا تو ایک نوشتہ میں نے اپنے مکان کی چھت میں لٹکا ہوا دیکھا میں نے ماں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کے قریب نہ جانا اس لیے کہ اگر تیرے باپ کو پتہ چل گیا تو وہ تجھے قتل کر ڈالے گا میں اس وقت تو خاموش ہو گیا لیکن جب رات کی تاریکی چھا گئی تو میں نے وہ تحریر وہاں سے لی اور پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھٰذا عھد من اللہ الیٰ ادم انی خالق من صلبه نبیا یقال له محمد یامر بمکارم الاخلاق وینھی عن عبادۃ الاوثان یا روزبه! ات وصی عیسیٰؑ فامن واترك المجوسیة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عہد نامہ ہے اللہ کی طرف سے آدم کے لیے کہ میں ان کے صُلب میں ایک نبی کو پیدا کرنے والا ہوں جس کا نام محمدؐ ہوگا وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دے گا اور لوگوں کو بُت پرستی سے رُوکے گا اے روزبہ (سلمان) کا پہلا نام وصی عیسیٰ کے پاس آکر ایمان لا اور مجوسیت کو چھوڑ دے۔

سلمان کہتے ہیں کہ اس سے قبل میں عربی زبان سے ناواقف تھا اللہ نے مجھے اسی دن عربی سے واقف کر دیا اور میں عربی کا عالم ہو گیا اس عہد نامہ کو پڑھ کر مجھ پر بجلی سی گر گئی میں یہ پڑھ کر حیران رہ گیا اور گھر سے تلاشِ حق میں نکل جانے کا مصمم ارادہ کر لیا جب میرے ماں باپ کو پتہ چلا کہ میں گھر سے جانے والا ہوں تو انھوں نے پہلے تو سختی کی پھر مجھے ایک گہرے کنویں میں ڈال دیا اور کہا کہ اگر تو اپنے آبائی دین سے پلٹ گیا تو ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے انھوں نے آب و طعام میرے اوپر بند کر دیا جب میرے اوپر یہ مصیبت آئی اور مدّت طولانی ہوئی تو میں نے حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ان کے

وصی (حضرت علیؑ) کا واسطہ دے کر خدا سے دُعا کی کہ مجھے اس بلا سے نجات دے۔ بس ایک شخص سفید پوش میرے پاس آیا اور کہا کہ اے روزبہ تیار ہو جا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کنویں سے باہر نکالا ایک راھب کے دیر میں لے آیا اور غائب ہو گیا میں نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان عیسیٰ روح اللہ و ان محمداً حبیب اللہ اس راہب نے کہا اے روزبہ تو میرے پاس رہا کر معلوم ہوتا ہے کہ راہب کو بھی پہلے سے کسی غیبی طاقت نے اطلاع کر دی تھی میں دو سال اس کے پاس رہا جب وہ مرنے لگا تو مجھ سے راہب انطاکیہ کے بارے میں وصیّت کی کہ میں اس کے پاس چلا جاؤں اور کہا کہ میرا اس سے سلام کہنا اور یہ لوح اس کو دے دینا پس میں وہاں گیا اور دو سال اس کی خدمت میں رہا جب وہ مرنے لگا تو اس نے راہب اسکندریہ کے بارے میں وصیت کی اور کہا اس کو میرا اسلام کہنا اور یہ لوح اس کو دے دینا جب میں اس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوا تو وہاں پہونچا اور صومعہ میں آیا اور اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان عیسیٰ روح اللہ و ان محمداً حبیب اللہ کہا پس دو سال اس کی خدمت میں رہا جب وہ مرنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب تو مجھے کس کے پاس چھوڑتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کسی سے واقف نہیں ہوں جو میرا ہم مسلک ہو البتہ ولادت محمد مصطفےٰ کا زمانہ قریب ہے جب تو ان کی خدمت میں وارد ہونا تو میرا اسلام کہنا اور یہ لوح ان کو دے دینا جب میں اس کے دفن سے فارغ ہوا تو وہاں سے چل دیا اور ایک قوم کے ساتھ رہنے لگا جو بکری کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے تھے میں نے کہا میں مرد راہب ہوں گوشت نہیں کھاتا پھر وہ شراب پیش کرتے تو میں اس کو بھی قبول نہ کرتا اس پر انھوں نے مجھے خوب مارا میں نے اس خوف سے کہ مجھے قتل نہ کر دیں ایک شخص کی غلامی قبول کر لی اس نے مجھے اس قوم سے نکال کر ایک یہودی کے ہاتھ تین سو درہم میں فروخت کر دیا اس یہودی نے میرا قصہ معلوم کیا تو میں نے اس سے کہا کہ میرا سوائے اس کے اور کوئی قصور نہیں ہے کہ میں محمدؐ اور ان کے وصی (علیؑ) کا دوست ہوں یہودی نے یہ سن کر کہا میں تیرا اور محمدؐ دونوں کا دشمن ہوں اس نے مجھے اپنے دروازے کے

باہر نکال دیا جہاں ریت کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ اس ریت کو صبح تک یہاں سے اٹھا کر پھینک دے ورنہ میں قتل کر دوں گا میں نے رات بھر اسے اٹھایا مگر ختم نہ ہوا میں نے اللہ سے دُعا کی ناگاہ ایک آندھی آئی اور اس ریت کو اڑا لے گئی جب یہودی نے صبح کو دیکھا تو کہا کہ تو جادوگر ہے میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ اُس شخص نے مجھے ایک عورت کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کا ایک باغ تھا اس نے اُس کی نگرانی میرے سپرد کر دی ایک دن سات آدمی وہاں آئے جن کے سروں پر ابر سایہ فگن تھا ایک محمد مصطفےٰ دوسرے علی مرتضیٰ تیسرے ابوذر چوتھے مقداد پانچویں عقیل چھٹے حمزہ اور ساتویں زید۔ میں نے اُن کے سامنے کچھ خرمے رکھے اور کہا کہ یہ صدقہ ہے پس رسولؐ نے اصحاب کو سوائے علی ابن ابی طالب کے کھانے کا حکم دیا سب نے ان کو کھایا لیکن آپ اور آپ کے بھائی نے چھوا تک نہیں پھر میں نے ایک طبق خرموں کا پیش کیا اور کہا کہ یہ ھدیہ ہے وہ انھوں نے بسم اللہ کہہ کر کھا لیے میں نے اپنے دل میں کہا دو علامتیں تو (ابر کا سایہ فگن ہونا اور صدقہ حرام ہونا) ظاہر ہو گئیں اب میں تیسری علامت کی تلاش میں حضرت کے پیچھے آیا آپ نے فرمایا اے روزبہ مہرِ نبوت کی تلاش ہے یہ فرما کر آپ نے شانے کھول دیے میں نے مہرِ نبوت کی زیارت کر لی آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کا دین قبول کر لیا آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی مالکہ کے پاس جا کر کہو کہ محمد بن عبد اللہ پوچھتے ہیں کہ تم اپنے غلام کو فروخت کرنا چاہتی ہو میں نے اپنی مالکہ کے پاس جا کر آپ کا پیغام پہونچایا اس نے جواب دیا میں چار سو درخت خرما پر فروخت کر سکتی ہوں جن میں دو سو ایسے ہوں جن پر سرخ رنگ کے خرمے آئیں اور دو سو ایسے ہوں جن پر زرد رنگ کے خرمے اتریں میں نے آپ کو آکر مطلع کر دیا آپ نے فرمایا یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا اے علیؑ چار سو گٹھلیاں جمع کر کے ان کو بو دو اور سیراب کر دو حضرت علیؑ نے حکم کی تعمیل کی درختِ خرما فوراً ہی جوان ہو کر پھل دینے لگے آپ

نے مجھ سے فرمایا کہ اب جا کر اس سے کہو کہ تیری خواہش پوری ہو گئی اب ہماری چیز ہمارے حوالے کر اُس نے آکر کہا میں اُس وقت تک فروخت نہ کروں گی جب تک یہ خرمے زرد رنگ کے نہ ہو جائیں پس جبرائیل امین آئے اور اپنے پروں سے درختوں کے پھلوں کو مس کیا وہ فوراً زرد ہو گئے اُس عورت نے کہا مجھے محمدؐ اور تجھ سے زیادہ یہ خرمے کے درخت پسند ہیں اور میں نے کہا مجھے آج تجھ سے اور دنیا کی ہر چیز سے محمدؐ زیادہ محبوب ہیں۔ پس رسولؐ نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام سلمان رکھ دیا (ابن شہر آشوب ص ۱۰۱ ۱۲)

جناب سلمان کے عشقِ رسولؐ میں وطن چھوڑنے اور ایمان لانے والی روایت کو ہم نے دو کتابوں سے نقل کیا ہے پہلی روایت نہ صرف اسد الغابہ بلکہ اہلسنت کی تمام کتابوں میں اسی طرح نقل کی گئی ہے جن میں اصابہ فی تمیز الصحابہ استیعاب اور طبقات ابن سعد قابلِ ذکر ہیں روایت جناب ابن عباس سے نقل کی گئی ہے اور دوسری روایت مناقب ابن شہر آشوب کے علاوہ تمام شیعہ کتب حیات القلوب، نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان، بحار الانوار، اکمال الدین روضۃ الواعظین وغیرہ میں بھی اسی طرح درج ہے چند باتوں میں اختلاف ہے ۱۔ کتب اہلسنت میں اس لوح کا تذکرہ نہیں ہے جس میں آنحضرتؐ کی نبوت کی پیش گوئی تھی ۲۔ محبتِ رسولؐ کے ساتھ وصی رسولؐ کا تذکرہ نہیں ہے جو تمام شیعہ کتب میں موجود ہے ۳۔ کتب اہلسنت میں ہے کہ آپ نے چندہ کر کے آپ کو آزاد کرایا اور کتب شیعہ میں ہے کہ آپ نے باعجاز درختِ خرما اگائے اور قیمت ادا کی (۴) اسد الغابہ اور دوسری اہلسنت کی کتابوں میں ہے کہ آپ مدینہ میں ایمان لائے اور مناقب اور دوسری شیعہ کتابوں میں ہے کہ آپ نے مکہ میں اظہارِ اسلام کیا۔

مجھے یقین ہے کہ ناظرین کے لیے اب وجہ اختلاف معلوم کرنے میں سہولت ہو گئی ہو گی چونکہ تاریخیں ان حکومتوں کے اشاروں پر لکھی گئیں جو علیؑ اور اولادِ علیؑ کی دشمن تھیں اُن کی یہ کوشش رہی کہ جہاں بھی علیؑ اور اولادِ علیؑ کی کوئی فضیلت ظاہر ہوتی ہو اس کو مٹا دیا جائے چنانچہ سلمان کے ایمان لانے کے واقعہ کو بھی توڑ مروڑ کر پیش

کیا گیا تا کہ فضیلت علیؑ پر پردہ ڈال دیا جائے اور لوح کے تذکرے کو حذف اور
مدینہ میں ایمان لانے کو اس لیے بیان کیا گیا کہ لوگوں کی سبقت ایمانی باقی رہے

جناب سلمان کا اسلام و ایمان

مورخین نے سلمان کے مدینہ میں ایمان لانے کی حکایت اس

****

لیے وضع کی ہے کہ آپ کا اگر مکّہ میں ایمان لانا بیان کیا جاتا تو پھر لوگوں کی سبقت
ایمانی پاش پاش ہو کر رہ جاتی حالانکہ شیعہ سنّی اختلاف کے باوجود بھی امیر المومنین علیؑ
کے بعد سبقت سلمان ہی کو حاصل رہتی ہے فرق اتنا ہی رہتا ہے کہ شیعہ کتب میں ہے
کہ وطن ہی میں آپ غائبانہ ایمان لے آئے تھے اور سُنّی کتب میں ہے کہ عموریہ کا
راہب جو آخری راہب تھا اس کی وصیت کے بعد سے آنحضرتؐ کی محبّت و الفت آپ
کے دل میں پیدا ہو گئی تھی مگر یہ زمانہ بھی آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے کا ہے

درحقیقت سلمان نے خدمتِ پیغمبر میں حاضر ہو کر اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اظہارِ
اسلام کیا ہے آپ کو سرکارِ رسالت کی نبوت و رسالت کا یقین قبل ولادت ہی اتنا تھا
کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکا آپ کی شخصیت وہ عظیم شخصیت
ہے جس نے کبھی رسولِ اسلام کی نبوت و رسالت میں شک بعثت سے پہلے بھی نہیں
کیا درآنحالیکہ لوگوں کو آپ کے مبعوث ہو جانے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی بار بار
شک ہوتا رہا آپ اظہارِ اسلام سے پہلے ہی آنحضرتؐ کے سچے عاشق اور دینِ الٰہی کے
سچے پیرو تھے آنحضرت کی محبت ہی نے ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا وہ ظاہراً ایمان
لانے سے پہلے ہی ایمان کی اس منزل پر فائز تھے کہ بارگاہِ صمدی میں اُن کی دُعا قبول
ہوئی تھی اور رد نہ کی جاتی تھی آنحضرتؐ فرماتے ہیں:۔ ما کان سلمان مجوسیا ولکن
کان مظهرًا للشرك ومبطنا للایمان ۔ سلمان کبھی مجوسی نہیں تھے بلکہ وہ ظاہر میں
مشرک اور باطن میں مومن تھے علامہ صدوق نے اکمال الدین میں کہا ہے کہ سلمان روئے
زمین پر طلب حجت میں پھرتے رہے ایک عالم سے دوسرے عالم اور ایک فقیہ سے دوسر

فقیہ سے مخفی علوم میں بحث اور اخبار سے استدلال کرتے تھے چار سو برس سے قیام
قائم سید اولین و آخرین حضرت محمد مصطفٰے کے منتظر تھے یہاں تک کہ آپ کو ان کی ولادت
کی بشارت دی گئی

ایک روز کسی شخص نے حضرت امیر المومنینؑ سے جناب سلمان کے بارے میں سوال
کیا آپ نے فرمایا اس کامل ایمان کا کیا کہنا اس کی طینت ہماری طینت سے ہے اس
کی رُوح ہماری رُوح سے ہے خدا نے اس کو اول و آخر اور ظاہر و باطن سے مختص فرمایا
ہے اے شخص ایک دن میں خدمتِ رسولؐ میں موجود تھا سلمان بھی اس وقت موجود تھے
ایک مردِ عرب آیا اور ان کو ان کی جگہ سے ہٹا کر بیٹھ گیا آنحضرت کو غصہ آ گیا فرمایا۔
اے شخص تو نے اس شخص کو ہٹایا ہے جس پر جبرائیل امین خدا کا سلام میرے پاس
لاتے ہیں تو نہیں جانتا سلمان ہم سے ہے جس نے اس پر ظلم کیا اُس نے ہم پر ظلم کیا۔
جس نے اسے اٹھایا اُس نے مجھے اٹھایا جس نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اس نے مجھے اپنے
پاس بٹھایا اے شخص سلمان کے بارے میں دھوکہ نہ کھا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں
سلمان کو لوگوں کی موت کے اوقات اور ابتلات سے آگاہ کر دوں اور وہ امور تعلیم
کروں جو حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرا یہ خیال
نہیں تھا کہ سلمان ایمان کے اس درجہ پر فائز نہیں ہیں بلکہ صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں
کہ کیا وہ پہلے مجوسی نہیں تھے فرمایا اے عرب تو عجیب عقل کا آدمی ہے تجھ
سے برابر سلمان کے فضائل بیان کرتا رہا ہوں اور تو یہی کہے جا رہا ہے کہ سلمان
مجوسی تھے او بے عقل وہ مجوسی نہ تھے بلکہ شرک کو تقیہ کے طور پر ظاہر کرتے اور
ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

سید المتہالمین حیدر بن علی الآملی نے کتاب کشکول میں فرمایا کہ جناب سلمان
آنحضرتؐ کی جستجو کرتے ہوئے مکہ تک پہونچے اور مشرف باسلام ہو کر زمرہ مہاجرین
میں شامل ہو گئے تھے (مجالس المومنین ص۲۰۷)

تاریخ گزیدہ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا سابقین اسلام چار ہیں میں عرب میں صہیب روم میں سلمان فارس میں اور بلال حبش میں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں مقداد آٹھ درجوں پر ابوذر نو درجوں پر اور سلمان دس درجوں پر فائز ہیں۔

آپ وصی عیسیٰؑ تھے:۔

****

سلمان نے سورج کو کبھی سجدہ نہیں کیا بلکہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے تھے ان کی نماز کے لیے مشرق کی سمت قبلہ قرار دی گئی تھی ان کے والدین یہ سمجھتے تھے کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہ تھا وہ جناب عیسیٰؑ پیغمبر کے وصی تھے آپ کی وصایت اس طرح کی تھی جیسے پیغمبر اسلام نے جناب امیرالمومنین کے بارے میں جناب ام سلمہ کو وصی بنایا تھا اور امام حسینؑ نے اپنی بیٹی جناب فاطمہ کبریٰ یا بروایت دیگر اپنی نانی جناب ام سلمہ کو امام زین العابدین علیہ السلام کے حق میں اپنی جانب سے وصی قرار دیا تھا کہ یہ تبرکات میری شہادت کے بعد میرے فرزند زین العابدین کو پہونچا دینا جس طرح جناب ابوطالب وصی ابراہیم واسمٰعیل تھے یعنی وہ ان کتابوں کے محافظ تھے جناب سلمان کی وضاحت بھی ایک امر خاص میں تھی اور وہ حمل لوح اور سلام کا آخری نبی تک پہونچانا تھا اور ایک وقت میں بہت سے وصی ہو سکتے ہیں (نفس الرحمٰن فضائل سلمان)

اخلاق واوصاف

****

جناب سلمان محمدی نے اپنے اخلاق واوصاف کی تکمیل پیغمبر اسلام اور ان کے خاندان والوں سے انھیں میں کا ایک فرد بن کر کی تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اخلاق وعادات زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت کے مالک تھے خاص خاص اخلاق واوصاف جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں وہ آپ کی سادگی، رواداری، مساوات، مہمانوازی، غربا ومساکین کی امداد، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی، شجاعت و بہادری، جرأت وہمت، صاف گوئی اور حق گوئی، عبادت وریاضت زہد وورع اور تقویٰ و پرہیزگاری وغیرہ ہیں جن میں سے

صرف بعض صفات کا یہاں مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

سادگی

*****

مدائن کی امارت کے زمانے میں جب کہ شان وشوکت کے تمام لوازم آپ کے لیے مہیا تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے اس وقت بھی آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا ایک چادر تھی جس کے نصف حصے کو پہنتے اور نصف کو بچھاتے تھے زندگی بھر گھر نہیں بنایا دیواروں اور درختوں کے سایہ میں زندگی گزار دی ایک دفعہ حذیفہ نے آپ سے کہا ہم تمہارے لیے گھر نہ بنوا دیں؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ کیا اس لیے کہ مجھ کو بادشاہ بنا دو اور میرے واسطے ایسا گھر تعمیر کرو جیسا کہ تمہارا مدائن میں ہے انھوں نے جواب دیا نہیں بلکہ پھوس کا اور اس کی چھت چٹائی کی ہوگی اور صرف اتنا بلند ہوگا کہ تم کھڑے ہو تو تمہارا سر چھت سے جا کر لگے اور تمہارے سر پر گرنے کے لیے تیار ہو اور جب سو رہو تو تمہارے پیر دیوار سے ٹکرائیں اور چھت تمہاری آنکھوں پر گرنے کے قریب ہو آپ نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور جو میری خواہش تھی اسی کو تم نے بیان کیا (اسد الغابہ ج ۴)

ایک مرتبہ ایک فوجی دستہ کی سرداری آپ کے سپرد ہوئی فوجی شان وشوکت کا تو ذکر ہی کیا یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی چنانچہ فوجی جوان دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے یہی ہمارے امیر ہیں وفات کے وقت بیس۲۰ یا بائیس۲۲ درہم سے زیادہ کا اثاثہ نہ تھا بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو۲ اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے اس پر بھی فرماتے تھے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہو اور میرا برا حال ہے (کتاب صحابہ وتابعین ص۵۸)

مساوات

****

کبھی غلام سے دو۲ کام ایک وقت میں نہ لیتے تھے آپ کے یہاں فرائض کی تکمیل تقسیم بھی تھی اور اسی طرح حقوق میں بھی حقیقی مساوات تھی آپ کا اپنے غلاموں کے ساتھ وہ حسن سلوک تھا جس کی مثال ملنا مشکل ہے خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ کہیں اس کی طرف سے سوء ظن پیدا نہ ہو جائے

(صحابہ وتابعین صہ ۵۸)

ضیافت:۔ جو شخص بھی بحیثیت مہمان آتا بے تکلفی سے جو کچھ ہوتا اس کے سامنے لا کر رکھ دیتے اور فرمایا کرتے تھے اگر خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے تکلف کو منع نہ فرمایا ہوتا تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا اور تکلف کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز موجود نہ ہو اس کو بہ تکلف حاضر کیا جائے۔

ابو وائل سے مروی ہے کہ ایک بار میں اپنے ایک دوست کے ساتھ آپ کا مہمان ہوا آپ نے بے تکلفی سے جَو کی روٹی اور نمک ہمارے سامنے لا کر رکھ دیا میرے ساتھی نے کہا اگر اس کے ساتھ پودینہ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا یہ سن کر آپ اپنا لوٹا لیے ہوئے باہر گئے اور چند منٹ بعد پودینہ لے کر واپس آگئے، ہمیں دیکھ کر کہا لو کھاؤ میرے دوست نے کھانا کھانے کے بعد کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو ہماری روزی پر قانع کیا، آپ نے فرمایا اگر قناعت کرنے والے ہوتے تو میرا لوٹا رہن ہو کر یہ پودینہ نہ آتا۔۔۔۔

(حیات القلوب ۲ صہ ۶۱۴)

زہد و تقویٰ:۔ حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اہل کتاب صحابہ وتابعین میں لکھتے ہیں کہ آپ کا زہد وورع اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے (اہل کتاب صحابہ وتابعین صہ ۵۸)

صدقات سے اجتناب:۔ صدقات سے سخت پرہیز کرتے تھے اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے اس نے عرض کیا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا فرمایا تم مجھ کو لوگوں

کے ہاتھوں کا دھوون کھلانا چاہتے ہو (ابن سعد جز ۴ صہ ۶۴)

رعب وجلال:۔ چونکہ آپ حق بات کہنے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے اس لیے باوجود فقیرانہ زندگی کے اصحاب رسولؐ آپ سے خوف کھاتے تھے ایک مرتبہ آپ حضرت عمر کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے آپ کو دیکھ کر وہ گدا (گاؤ تکیہ) آپ کی طرف بڑھا دیا (مستدرک حاکم ج ۳ صہ ۵۹۹)

ازواج واولاد:۔ طبقہ جہلا میں عام طور سے آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی تھی اور آپ عنّین یا خواجہ سرا تھے یہ غلط ہے آپ نے بنی کندہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کی تھی اس سے دو فرزند پیدا ہوئے انھیں سے آپ کو کثرتِ نسل کا شرف حاصل ہوا ان میں سے بعض اسی جگہ آباد تھے اور سب کے سب صاحبانِ فضل وکرم تھے (مجالس المومنین صہ ۸۹) اسد الغابہ میں ہے کہ آپ کی تین لڑکیاں تھیں ایک لڑکی اصفہان میں اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ اہلِ اصفہان انھیں کی اولاد ہیں اور دو لڑکیاں مصر میں تھیں (اسد الغابہ ج ۴)

عبد اللہ بن سلمیٰ سے روایت ہے کہ سلمان نے بنی کندہ کی ایک عورت سے شادی کی تھی جب رات کا وقت آیا آپ اس کے پاس بیٹھے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور اس سے فرماتے تھے میری اطاعت کرو اس چیز میں جس کا خدا نے تجھے حکم دیا ہے وہ کہتی تھی میں مطیع وفرمانبردار ہوں آپ فرماتے تھے کہ میرے خلیل آنحضرت نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب میں اپنے اہل کے ساتھ جمع ہوں تو اللہ کی اطاعت پر جمع ہوں پس آپ اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے دونوں نے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر فطری تقاضہ کی تکمیل کی جو مرد اپنی عورتوں سے کرتے ہیں جب صبح ہوئی مصاحبین نے آپ سے پوچھا آپ نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا آپ نے ان کو بتانے سے اعراض کیا اور کہا کہ خدا نے ستر پوشی کا حکم دیا ہے لہٰذا اس کے بارے میں

ہر گز سوال نہ کرو۔

کتاب مہج الدعوات کی حدیث تحفتہ الجنتہ میں ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عبد اللہ تھا اسی لیے آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہوئی۔

وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے تزویج نہیں کی ضعیف ہے روایاتِ معتبرہ و مشہورہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس روایت کا راوی حسین بن حمدانی ضعیف راوی ہے اور اس پر اعتبار جائز نہیں ہے نجاشی کا قول ہے کہ حسین بن حمدان الحصینی ابو عبد اللہ فاسد المذہب تھا اور خلاصہ میں مزید کہا گیا ہے کہ وہ ملعون تھا (نفس الرحمن)

مدت حیات: آپ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں کتاب سعد الاخبار میں
****
ڈھائی سو۔ تین سو ساڑھے تین سو اور ڈیڑھ ہزار سال تک کی روایات موجود ہیں اسی طرح اسد الغابہ میں ہے کہ عباس ابن یزید نے کہا ہے کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے لیکن ڈھائی سو برس میں کسی کو شک نہیں ابو نعیم نے کہا کہ سلمان بڑی عمر والوں میں سے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے خود عیسیٰ ابن مریم کو پایا تھا اور دونوں کتابیں پڑھی تھیں (اسد الغابہ ج ۴)

فوجات القدس میں ہے کہ ایک دن جناب امیر بیٹھے ہوئے خرمے کھا رہے تھے آپ نے مزاحاً ایک گٹھلی سلمان کی طرف پھینکی جس پر آپ نے کہا اے علیؑ آپ مجھ سے مزاح فرما رہے ہیں حالاں کہ میں آپ سے سن میں بڑا ہوں اور آپ میرے سامنے ایک کمسن بچے ہیں بچوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بڑوں سے مزاح کریں امیر المومنین نے جواب دیا اے سلمان تم اپنے کو بزرگ سمجھتے ہو اور مجھے خرد حالاں کہ تم یہ بھول گئے کہ جب تم صحرا میں پانی کے ایک چشمہ پر غسل کر رہے تھے تو ایک جنگلی شیر نے تم پر حملہ کیا تھا تم نے اس مصیبت سے نکلنے کے لیے بارگاہِ قدس میں دعا کی تھی تو ایک شخص نے جو گھوڑے پر سوار زرہ پہنے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے تھا تمہاری مدد کی تھی جانتے ہو وہ کون

تھا اے سلمان ذرا غور سے دیکھو وہ شخص میں ہی تو تھا سلمان نے اس کا اقرار خدمت نبوی میں آکر کیا اور امیر المومنین سے عرض کیا کہ اے علیؑ اس واقعہ کو تین سو تیس سال گزر گئے ہیں آج تک میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا آج آپ نے اس کو یاد دلایا (فوجات القدس قلمی صد ۲۳۲ رضا لائبریری رام پور)

یہ واقعہ آنحضرت کے زمانے کا ہے اگر اس کو آپ کی زندگی کے آخری ایام کا بھی مانا جائے تب بھی پیغمبرؐ کے بعد سلمان ۲۵ سال زندہ رہے اس صورت سے آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال سے کچھ زیادہ ہی قرار پاتی ہے۔

وفات: حضرت عمر بن خطاب نے آپ کو مدائن کا حاکم بنایا تھا اس عہدہ پر آپ
*****
اس وقت تک قائم رہے جب امیر المومنین ولی امر ہوئے جناب رسول خدا خبر دے گئے تھے کہ اے سلمان جب تمہاری موت کا زمانہ آئے گا تو مردہ تم سے باتیں کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا (دیکھئے ہماری کتاب سلمان محمدی) اصبغ کہتے ہیں کہ جب مُردہ نے آپ سے باتیں کیں اور قبر سے آواز آنا پیدا ہوئی حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ اب مجھے گھر لے چلو جب ان کے مکان پر لائے تو آپ نے فرمایا زمین پر لٹا دو جب میں نے لٹا دیا تو آسمان کی طرف دیکھ کر ایک دعا پڑھی اور اس دارِ فانی سے دارِ باقی (آخرت) کی طرف کوچ فرمایا میں متحیر تھا کہ آپ کو دفن کیوں کر کروں اتنے میں دور سے ایک سوار دکھائی دیا جب قریب آیا میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں حضرت نے آکر اپنے دستِ مبارک سے آپ کو غسل دیا کفن پہنایا اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ (کتاب فضائل صد ۷۹ تا ۸۴ و حیات القلوب ج ۲ صد ۶۱۸ و لواعج الاحزان بحار الانوار میں

حبیب بن حسن نے جابر ابن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے صبح کی نماز ہمارے ساتھ ادا فرمائی پھر ہماری طرف رخ کر کے فرمایا ایہا الناس! خدا تم کو تمہارے بھائی سلمان کی موت پر صبر کرنے میں اجر عطا فرمائے۔ لوگ اس بارے میں بات

چیت کرنے لگے آپ نے رسولؐ کا عمامہ سر پر رکھا زرہ زیب تن کی رسولؐ کا عصا ہاتھ میں لیا اور تلوار کمر میں باندھی اور آپ کی سواری عصبار پر سوار ہوئے اور قنبر سے فرمایا دس تک گن قنبر کہتے ہیں میں نے تعمیلِ حکم کی اور ہم نے اپنے آپ کو سلمان کے دروازہ پر (مدائن میں) کھڑا ہوا پایا۔ زادان خادمِ سلمان فارسی کہتا ہے کہ جب میں نے اپنے آقا کی وفات کا وقت قریب پایا تو آپ سے غسل کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس نے (علیؑ) رسولِ خداؐ کو غسل دیا تھا وہی مجھے بھی غسل دے گا۔ میں نے کہا آپ مدائن میں ہیں اور وہ مدینہ میں۔ آپ نے فرمایا اے زادان! جب تم میری داڑھی باندھ لوگے تو دروازے پر ان کی آواز سنوگے۔ جب میں نے آپ کی داڑھی باندھ دی تو میں نے دروازے پر کسی کو کہتے سنا کہ میں امیرالمومنینؑ ہوں میں نے دروازہ کھولا آپ اندر داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا اے زادان! ابو عبداللہ سلمان نے قضا کی، میں نے کہا مولا ہاں۔ پس آپ اندر داخل ہوئے اور سلمان کے چہرہ سے چادر ہٹائی سلمان امیرالمومنینؑ کو دیکھ کر متبسم ہوئے۔ آپ نے فرمایا مرحبا اے ابا عبداللہ! جب تم رسولؐ سے ملاقات کرنا تو ان سے جو جو مظالم تمہارے بھائی پر قوم کی طرف سے ہوئے ہیں بیان کرنا پھر آپ نے سلمان کی تجہیز کی اور جب آپ نے نماز پڑھی تو ہم نے کثرت سے تکبیروں کی آواز سنی میں نے آپ کے ساتھ دو مردوں کو دیکھا ان کے بارے میں سوال کیا تو امیرالمومنین نے فرمایا ان میں سے ایک میرے بھائی جعفر طیار اور دوسرے جناب خضر پیغمبر تھے اور ہر ایک کے ساتھ ستر صفیں ملائکہ کی تھیں اور ہر صف میں ہزار ملائکہ تھے۔ اور مشارق میں ہے کہ زادان خادمِ سلمان کا کہنا ہے کہ جب امیرالمومنین تشریف لائے کہ سلمان کو غسل دیں تو آپ نے کپڑا چہرے سے ہٹایا تو سلمان مسکرائے اور قریب تھا کہ بیٹھ جائیں امیرالمومنین نے فرمایا اپنی موت کی طرف پلٹ جاؤ۔ رجال کشی میں ہے کہ سلمان کہتے تھے کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آئے گا تو کچھ لوگ تمہارے پاس آئیں گے جو خوشبو کو پسند کریں گے اور کھانا نہیں کھائیں گے پھر آپ نے مشک کی تھیلی نکالی اور پانی میں ملایا اور زوجہ سے کہا کہ

دروازہ پر جا کر بیٹھ جاؤ اور دروازہ بند کر لیا ان کی بیوی نے حکم کی تعمیل کی چند منٹ کے بعد انھوں نے ایک آواز سنی جو نہایت آہستہ سے تھی انھوں نے جا کر دیکھا تو آپ کی روح جنت کو پرواز کر چکی تھی (ابو نعیم) یہ اختصاص اور امتیاز بھی صرف آپ ہی کو تمام صحابہ اور تمام اُمّت پر حاصل ہے کہ مولائے کائنات امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے دستہائے مبارک سے غسل و کفن دیا نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا باعجاز مدینہ سے مدائن تشریف لائے اور پھر اسی دن مدینہ واپس ہوئے بعض لوگوں کو یقین نہیں ہوا تھا جب اہلِ مدائن کا خط سلمان کی موت کے بارے میں آیا جس میں وقتِ وفات اور تمام وہ حالات درج تھے جو امیرالمومنین نے بیان فرمائے تھے تب یقین ہوا۔

تاریخِ وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنہ ۲۱ھ کے اوائل میں ہوئی مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان کے آخری دورِ خلافت سنہ ۳۵ھ میں ہوئی علماء شیعہ کی کثیر تعداد نے اس قول سے اتفاق کیا ہے کہ آپ نے سنہ ۳۶ھ اوائل خلافتِ امیرالمومنین میں انتقال فرمایا۔

آپ کا مزارِ مقدس مدائن میں آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

(ہم نے بہت اختصار کے ساتھ آپ کی زندگی کے حالات ہدیہ ناظرین کیے ہیں مفصّل حالاتِ زندگی کے لیے ہماری کتاب سلمان محمدی کا مطالعہ فرمایئے)

زید بن حارثہ

نام و نسب:- زید نام۔ ابو اسامہ کنیت۔ حب رسول اللہ لقب والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا پورا سلسلۂ نسب اس طرح ہے زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبد العزّیٰ بن امرء القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رقیدہ بن ثور بن

کلب بن برہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات :۔

****

گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زید کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے زید کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں اسی اثناء میں بنی قیس کے سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا ستارہ اقبال بلند تھا غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی حکیم ابن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد کی خدمت میں پیش کیا جن کی وساطت سے سرور دو عالم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں (طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص۲۷)

حضرت زید کے والد حارثہ بن شرجیل کو قدرۃً اپنے لختِ جگر کے گم ہوجانے کا شدید غم ہوا آنکھوں نے سیل اشک بہائے دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبتِ پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا۔

بکیت علیٰ زید ولم ادر ما فعل — احیّ فیرجی ام اتیٰ دونہ الاجل

(ترجمہ) میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کیا ہوگیا آیا زندہ ہے جس کی امیّد رکھی جائے یا اسے موت آگئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلاً — اغالك سھل الارض ام غالك الجبل

(ترجمہ) خدا کی قسم میں نہیں جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا۔

فیالیت شعری ھل لك الدھر رجعہ — فحسبنی من الدنیا رجوعك لی بجل

(ترجمہ) کاش میں جانتا کہ تیرا واپس آنا کبھی ممکن ہے پس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا میں کافی ہے۔

تذکرینہ الشمس عند طلوعھا — وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

(ترجمہ) آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت یاد دلاتا ہے اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کردیتا ہے۔

وان ھبت الارواح ھیّجن ذکرہ — فیاطول ماحزنی علیہ ویا وجل

(ترجمہ) بادِ بہاری کی لپیٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کردیتی ہے آہ مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے

ساعمل نص العیش فی الارض جاھدًا — ولا اسام الطواف او تسام الابل

(ترجمہ) عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا۔

حیاتی او تاتیٰ علیٰ منیتی — کل امرء وان غرہ الامل

(ترجمہ) یا مجھ پر موت آجائے ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امیّد اسے دھوکا دے۔

واوصی بہ قیسا وعمرا کلیھما — واوصی یزیدًا ثم من بعدھم جبل

(ترجمہ) میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں (جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زید کے بڑے بھائی تھے اور یزید اُن کے اخیافی بھائی تھے)

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکّہ آئے تو انھوں نے اس یوسفِ گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا بولے یقیناً انھوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا۔

اشق الی قومی وان کنت نائیا   بانی قطین البیت عند المشاعر

(ترجمہ) میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو اُن سے دُور ہوں میں خانۂ کعبہ میں بیت حرام کے قریب رہتا ہوں۔

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم   ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

(ترجمہ) اس لیے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پُر الم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ   کرام معدٍّ کابرا بعد کابر

(ترجمہ) الحمد للہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے بنی کلب کے زائروں نے واپس جاکر اُن کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفورِ یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے ربِّ کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نورِ نظر تھا اُن لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حُلیہ جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراجیل کو ساتھ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حضرت سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی اے ابن عبد اللہ اے ابن عبد المطلب اے اپنی قوم کے رئیس زادے تم اہلِ حرم اور اُس کے مجاور ہو مصیبت زدوں کی دست گیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا دیتے ہو تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بناؤ۔ زرفدیہ جس قدر چاہو لو ہم زیادہ سے زیادہ معاوضہ دینے کو تیار ہیں ارشاد ہوا وہ کون ہے؟ جواب ملا زید بن حارثہ آنحضرت نے زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا کیا اس کے سوا تمہاری کوئی حاجت نہیں عرض کی نہیں فرمایا بہتر۔ زید کو بلا کر اختیار دو اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی حضرت زید

بلائے گئے آنحضرت نے ان سے پوچھا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو عرض کی ہاں یہ میرے باپ اور چچا ہیں آپ نے اُن کے ہاتھ میں قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔ حضرت زید کو شہنشاہِ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں بولے میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پر کسی کو ترجیح دوں آپ ہی میرے ماں باپ ہیں حضرت زید کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کر دیا تعجب سے بولے زید افسوس تم آزادی باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو فرمایا ہاں مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا حضرت زید نے اپنی غیر متزلزل وفاشعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا آنحضرت نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث ہوگا اس اعلان سے ان کے باپ کا افسردہ دل گلِ شگفتہ کی طرح کھل گیا گو والد کو مفارقت گوارہ نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے اس اعلان کے بعد حضرت زید آنحضرت ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آبا کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر زید بن حارثہ مشہور ہوئے (طبقات قسم اول جز و ۳ ص ۲۷)

اسلام: آنحضرت کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زید نے ابتدا ہی میں شرفِ بیعت حاصل کیا محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے حضرت حمزہ ایمان لائے تو رسولِ خدا نے اُن سے بھائی چارہ کرایا ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہ جب غزوات میں تشریف لے

جاتے تھے تو انھیں کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے (طبقات ق اول ج ۳)

شادی:- جناب اُمِ ایمن آنحضرت کی آیا اور کنیز تھیں آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے
***** تھے اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی
شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے
حضرت زید نے جو رسول اللہ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
تھے ان سے نکاح کر لیا چنانچہ حضرت اسامہ بن زید جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ
کے لقب سے مشہور ہوئے انھیں کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے (طبقات قسم اول جز ۳ صد ۳)

ہجرت:- مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدم
***** کے مہمان ہوئے حضرت اسید بن حضیر انصاری جو قبیلہ عبد الاشہل کے معزز
رئیس تھے ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح
آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے اُن کے لیے ایک علیحدہ مکان
مخصوص فرمادیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن جناب زینب بنت جحش سے نکاح فرما دیا اس طرح
درحقیقت یہ دوسرا افتخار تھا جو جناب زید کے دستارِ فضل پر نصب ہوا لیکن یہ پیوند زیادہ
عرصہ تک قائم نہ رہ سکا نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و
فراز پیدا کر دیا حضرت زید نے بار بار دربارِ نبوت میں ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر
طلاق دینے پر مجبور ہو گئے انقضاء عدت کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت زید کی معرفت پیام نکاح
بھیجا تو انھوں نے کہا جب تک خدا کی طرف سے حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی چنانچہ اس
کے بعد ہی اس آیت نے اُن کو امہات المومنین میں داخل کر دیا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا
زَوَّجْنٰكَهَا جب زید نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا (طبقات ابن سعد جز و
۳ قسم اول)

حضرت زید چونکہ آنحضرت کے متبنیٰ اور زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور تھے اس لیے منافقین
نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے محمدؐ ایک طرف تو بہو

سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید کی بیوی سے نکاح
کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا۔ ماکان
محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین
(ترجمہ) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور آخری نبی
ہیں اور مسلمانوں کو حکم ہوا ادعوھم لابائھم ھو اقسط عند اللہ
لوگوں کو اُن کے باپ کی نسبت سے پکارو یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے
چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے (بخاری
کتاب التفسیر)

غزوات:- حضرت زید تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے ان کا شمار مشاہیر
****** صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے معرکۂ بدر سے غزوہ
موتہ تک جس قدر اہم و خوں ریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی اور شجاعت کے ساتھ
شریک کارزار ہوئے غزوہ مریسیع میں چونکہ رسولؐ نے اُن کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا
شرف بخشا اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے (طبقات ابن سعد حصہ مغازی)

متفرق کارنامے:- مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہماتِ خاص اُن
*********** کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ
جس فوج کشی میں زید شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ انھیں کو عطا ہوتا تھا
(طبقات قسم اول جز و ثالث صد ۳۱) اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے ان مہمات
میں سے پہلی مہم سریہ قردہ تھی جس میں انھوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ
شکست دی اور بہت سے اونٹ مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن
حیان عجلی کو گرفتار کر کے لائے (طبقات حصہ مغازی باب سریہ قردہ صد ۲۴)
ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن
گزیں تھے اس مہم میں بھی حضرت زید کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی بہت سے

اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا حضرت زید ایک سو ستر[1] سواروں کے ساتھ یکایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آرہا تھا قیدیوں میں ابوالعاص بن الربیع بھی تھے جنھوں نے اپنی اہلیہ سے منشار حاصل کر کے خلاصی پائی (طبقات سریہ عیص ص ۶۳)

اسی طرح ماہ جمادی الثانی میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیوں کہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا (طبقات سریہ طرف ص ۳۲۳)

اس کے بعد مقام حسمیٰ پر فوج کشی ہوئی پانچسو جانباز مجاہد ان کے زیر کمان تھے حضرت زید احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے یہاں تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے ہنید اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبی کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا تہِ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابویزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہونچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیے گئے اور مالِ غنیمت واپس کر دیا۔

پھر اسی سال ماہ رجب میں وادی قریٰ کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔ ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زید ایک اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے صحابۂ کرام کا بہت سا سامانِ تجارت ان کے ساتھ تھا مدینہ سے سات منزل دور وادیٔ قریٰ کے نواح میں پہونچے تو بنی بدر کی ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویانِ توحید کو سخت اذیتیں پہنچائیں حضرت زید بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت میں اس واقعہ کی اطلاع

دی چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے اس لیے حضرت سرور کائنات نے ان کی ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا حضرت زید کمالِ احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے انھوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت جس حالت میں تھے اسی حالت میں باہر تشریف لائے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔۔۔ (طبقات حصہ مغازی ام القریٰ ص ۶۵)

غزوہ موتہ اور شہادت:- موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا حضرت ********** حارث بن عمیر ازدی جو شاہ بصریٰ کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اسی مقام پر شرجیل بن عمرو غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی (طبقات حصہ مغازی)

آنحضرتؐ نے ان کے انتقام کے لیے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ کو لوائے قیادت عطا کیا[1] اور فرمایا اگر زید شہید ہوں تو جعفر اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہوں گے (بخاری باب غزوہ موتہ) حضرت جعفر چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہوگا اس لیے انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے ارشاد ہوا اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے (طبقات جزء ثالث ص ۳۲) جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہ مہم روانہ

---

[1] حیات القلوب میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے روایت کی ہے کہ اول جناب جعفر طیار کو امیر بنایا اور یہی روایت زیادہ موثق ہے جناب جعفر طیار سے ہرگز ایسی گستاخی نہیں ہو سکتی کہ وہ عمل رسولؐ پر اعتراض کریں (مولف)

ہوئی چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دل لشکر امنڈ آیا تھا لیکن جناب زید نے اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف میں گھس گئے ان کی اتباع میں دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلّہ بول دیا دیر تک گھسان کی جنگ رہی اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج حضرت خیر الانامؐ کے محبوب غلام حضرت زید کو شہید کیا ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے آنحضرت نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امراء فوج کی خبر شہادت سنادی اور وفور غم سے آبدیدہ ہو گئے (بخاری غزوہ موتہ)۔ زید کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہو گئے حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا ہے فرمایا یہ جذبۂ محبت ہے (معلوم ہوا کہ جذبۂ محبت میں رونا سنّت رسولؐ ہے بس نواسۂ رسولؐ پر وہی روئے گا جس کو رسولؐ اور نواسۂ رسولؐ سے محبّت ہوگی۔ مولف) (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۳۲)

انتقام: حضرت سرور کائنات کو اپنے محبوب غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا۔
***** حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادے اسامہ بن زید کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لیے بعضوں نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی ۔ آنحضرت نے فرمایا تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا اور اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے یہ مہم ابھی روانہ بھی نہ ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا لیکن خلیفہ اوّل نے ہجوم مصائب و صعوبات کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور اسامہ اپنے پدر شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے

کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے (مہاجرین ص۲۲۱ معین الدین ندوی)

اخلاق و عادات: جناب زید کے صحیفۂ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب
************ سے نمایاں ہے گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہو گا آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پُر لطف مقصد حیات تھا جناب ام ایمن ایک معمر عورت تھیں تاہم انھوں نے محض اس لیے نکاح کر لیا کہ آنحضرت ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے حضرت رسالت مآب اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے حضرت زینب بنت جحش کے پاس جن کو انھوں نے ناموافقت کے باعث طلاق دیدی تھی آنحضرت کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا (مسلم باب از دواج زینب) گو جناب زید کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسولِ خدا کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھیں کو اپنا جانشین بناتے۔ (طبقات قسم اول جزو ثالث ص۳۱) ہم نے طبقات کے الفاظ ھدیۂ ناظرین کر دیے ہیں ان سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہے) حضرت عبد اللہ ابن عمر نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکا لی اور بولے اگر رسولؐ دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے (بخاری ذکر اسامہ بن زید)

حلیہ اور عمر: حضرت زید کا حلیہ یہ تھا قد کوتاہ ناک پست رنگ گہرا گندمی
********* ۵۴، ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

ازواج: مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام یہ ہیں ام ایمن
***** امّ کلثوم بنت عقبہ درہ بنت لہب ہند بنت العوام زینب بنت جحش۔ ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں

شامل کی گئیں (اسد الغابہ تذکرہ زید بن حارثہ)

اولاد: دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی لیکن اسامہ ***** کے سوا موخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دیا (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص۳۰، مہاجرین ص۲۱۱، ۲۲۲ معین الدین ندوی)

حضرت بلال بن رباح

نام ونسب: بلال نام ابو عبداللہ کنیت والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا ****** یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے بنی جمح ان کے آقا تھے (اسد الغابہ ج ا ص۲۰۶)

اسلام: حضرت بلال گو صورت ظاہری کے لحاظ سے سیاہ فام تھے تاہم آئینۂ ****** دل شفاف تھا اس کو ضیاء ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ وادی بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی جن معدود چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا (طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص۱۶۶) سچ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء واستقامت: کمزور ہمیشہ ظلم وستم کی آماجگاہ رہتا ہے حضرت بلال ************ کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی ناموس جفا کے شکار ہوئے گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی تپتی ہوئی ریگ جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن تمام روح فرسا و جاں گسل آزمائشوں کے باوجود

توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا بلال اب بھی محمد کے خدا سے باز آ لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی احد احد نکلتا (اسد الغابہ ج ا ص۲۰۶) ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے تھے وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا۔ کبھی کھال میں لپیٹتا کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تپتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا "تمہارا خدا لات و عزیٰ ہے لیکن اس وارفتۂ توحید کی زبان سے احد احد کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

آزادی: حضرت بلال ایک روز حسب معمول وادی بطحا میں مشق ستم بنائے جا رہے ****** تھے اسد الغابہ میں ہے کہ ابو بکر عم رسول عباس ابن عبد المطلب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ بلال کو ہمارے لیے خرید دو چنانچہ عباس گئے اور بلال کی مالکہ سے کہا کہ کیا تم اس غلام کو فروخت کرو گی اس نے کہا اس غلام کو تم کیا کرو گے یہ خبیث ہے ایسا ہے ویسا ہے غرض اس نے ٹال دیا پھر دوبارہ جناب عباس اس سے ملے اور اسی قسم کی گفتگو کی غرض انھوں نے اس سے بلال کو خرید لیا اور ابوبکر کے پاس بھیج دیا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۲ ص۹)

ہجرت: وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تو حضرت سعد بن خیثمہ کے مہمان ***** ہوئے حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمن اخیثمی سے مواخات ہوئی ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی عہد فاروق میں حضرت بلال نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے پوچھا بلال تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا عرض کی ابورویحہ کیوں کہ رسول اللہ نے ہم دونوں میں برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے

وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۶۷)

موذّنی :۔ مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا یہاں پہونچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین مبین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا مسجد تعمیر ہوئی خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا حضرت بلال سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے حضرت بلال کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بیچین کر دیتی تھی مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم، اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ اردگرد جمع ہو جاتے جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ یعنی یا رسول اللہ نماز تیار ہے غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال کی صدائے سامعہ نواز تکبیر، اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی۔

حضرت بلال کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو ابن ام مکتوم ان کی قائم مقامی کرتے تھے یہ نابینا تھے اس لیے رات کی اذان یہ دیتے تھے اور صبح کی اذان حضرت بلال۔ حضرت بلال حضر و سفر ہر موقع پر رسول اللہ کے موذنِ خاص تھے ایک دفعہ سفر درپیش تھا ایک جگہ رات ہو گئی بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اس جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا ارشاد ہوا کہ مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی حضرت بلال کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا انھوں نے بڑھ کر ذمّہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے حضرت بلال نے مزید احتیاط کے خیال سے شب بیداری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوے پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے لیکن اتفاق وقت

اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ آفتاب طلوع ہونے تک بیدار نہ ہوئے آنحضرت نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے اُن کو پکارا اور فرمایا بلال تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟ عرض کی یا رسول اللہ آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا ارشاد ہوا بیشک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اچھا اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو (بخاری اذان بعد ذہاب وقت) ہمارے نزدیک یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ تمام صحابہ تو نماز سے غافل ہو ہی گئے رسولؐ پر بھی ایسی نیند غالب ہوئی کہ معاذ اللہ آپ نے بھی نماز قضا کر دی جب کہ پیغمبرؐ کی شب بیداری اور رات رات بھر عبادت میں بسر کرنے پر قرآن شہادت دے رہا ہو اور ارشاد ہو رہا ہو یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا پیغمبر اسلام راتوں کو عبادتِ الٰہی میں اتنا کھڑے ہوتے تھے کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا چنانچہ خداوندِ عالم اپنے حبیب سے پیار بھرے لہجہ میں فرماتا ہے اے میرے چادر لپٹنے والے رسول رات کو نماز کے واسطے کھڑے ہو مگر پوری رات نہیں تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو کلامِ الٰہی کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک کلامِ بخاری کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس سے نہ رسولؐ کی کوئی فضیلت نکلتی ہے اور نہ اصحاب رسولؐ کی (مولف)

حضرت بلال حبشی غلام تھے اور آپ سے "ش" نہیں نکلتا تھا بلکہ "س" کہتے تھے لوگوں کو اعتراض ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا "س" بلال عند اللہ الشّین۔ بلال کا "س" اللہ کے نزدیک "شین" ہی ہے ایک دن کچھ لوگوں نے مشورہ کر لیا کہ عربوں کے ہوتے ہوئے یہ حبشی اذان کیوں دیتا ہے یہ بدلا جائے صبح کا وقت تھا عربوں نے حسان بن ثابت صحابی رسولؐ کے چھوٹے بھائی کو جو بہت خوش لہجہ تھے انھیں کھڑا کر دیا گلدستہ اذان پر اب جو انھوں نے اذان کہی لوگ جھوم گئے اذان

ہو گئی اور مسلمان انتظار میں ہیں کہ رسولؐ تشریف لائیں تو نماز پڑھیں جب دیر ہو
گئی تو درِ دولت پر حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ تشریف لایئے رسولؐ
پوچھتے ہیں اذان نہیں ہوئی مسلمانوں نے عرض کی یارسول اللہؐ آج تو وہ اذان
ہوئی کہ لطف آگیا رسولؐ نے فرمایا ہم نے نہیں سنی کس نے اذان کہی تھی؟ مسلمانوں
نے کہا فلاں شخص نے رسولؐ فرماتے ہیں کیوں میرے بلال کو کیا ہوا تھا مسلمانوں
نے کہا۔ حضورؐ ہم نے چاہا تھا کہ آج عربوں کی زبان سے اذان ہو، حضورؐ نے فرمایا
نہیں کالے کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلے گا میرے بلال سے اذان کہلواؤ چنانچہ
بلال نے اذان کہی حضورؐ برآمد ہوئے اور اس واقعہ سے دنیا کو سبق دے دیا کہ میں
کسی جگہ اگر کسی حبشی کو بھی مقرر کر دوں تو تمہیں حق نہیں کہ اسے ہٹا کر کسی اور کو وہاں
لے آؤ (خطیب آلِ محمدؐ)

غزوات: حضرت بلال تمام مشہور غزوات میں شریک تھے غزوہ بدر میں
****** انھوں نے امیہ بن خلف کو تہہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا
دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اُس کا سب سے بڑا ہاتھ تھا، فتح
مکہ میں بھی آنحضرت کے ہمرکاب تھے آپ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس موذنِ
خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا انھیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید
کی پُرعظمت صدائے تکبیر بلند کریں خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابو الانبیاء
حضرت ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا مدتوں صنم خانہ رہنے
کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونج اٹھا (طبقات ابن سعد قسم اول جزو
ثالث ص ۱۶۷)

شام میں وطن: بعد وفاتِ رسولؐ انھوں نے مدینہ چھوڑ دیا تھا کہ میں
********** اب اس شہر میں نہ رہوں گا جس میں رسولؐ نہ ہوں شام
چلے گئے تھے ملکِ شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی ایک عرصہ تک

شام میں رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے
ہیں بلال یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری
زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پُر لطف افسانے یاد دلا دیے
عشق و محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے اسی وقت مدینے کی راہ
لی جب حضرت بلال مدینے پہنچے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح
تڑپنے لگے آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ
جگر گوشان رسولؐ یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے دونوں
شاہزادوں نے مادرِ گرامی جناب سیدہ کو بلال کے آنے کی خبر پہنچائی جناب
معصومہؑ نے فرمایا شہزادو بلال کو دروازے پر بلا کر لے آؤ حضرت بلال روتے
ہوئے درِ بتولؑ پر آئے سیدہؑ نے بلالؓ کو سلام کیا تو بلال کی چیخیں نکل گئیں ...
وا مصیبتا آج یہ وقت آگیا کہ رسولِ خدا کی بیٹی ہم غلاموں کو سلام کہہ رہی ہے
جناب سیدہؑ نے فرمایا بلال تم نے بھی ہمیں چھوڑ دیا بلال نے روتے ہوئے عرض کی
شہزادی جس دروازہ پر کھڑے ہو کر رسول اللہؐ سلام کہا کرتے تھے میں اس
دروازے کی بے حرمتی نہ دیکھ سکا بی بی میرا جگر پھٹ گیا اس لیے حالات سے
مجبور ہو کر مدینہ سے مایوس ہو کر نکل گیا فرمایا بلال صبر کرو اس کے بعد کہا بلال ایک
مرتبہ اذان سنا دو ہم تو اب تمہاری اذان سے ترس گئے ہیں جناب بلال قسم کھا
چکے تھے مگر جانتے تھے کہ سیدہ کا حکم رسولؐ کا حکم ہے مراتب سے واقف تھے انکار
نہ کر سکے مگر اتنا کہا میری شہزادی آپ اذان سن نہ سکیں گی جناب سیدہ نے فرمایا
بلال جاؤ اور گلدستۂ اذان پر کھڑے ہو کر اذان دو بلال نے جونہی اذان شروع کی
تو تمام مدینہ گونج اٹھا جناب سیدہ کو باپ کا زمانہ یاد آگیا اور آپ نے رونا شروع کر
دیا اور جب بلال نے کہا اشھد ان محمد رسول اللہ تو شہزادے دوڑے ہوئے
آئے اور رو کر فرمایا بلال اذان ختم کر دو ہماری مادرِ گرامی غش کھا کر گر پڑی ہیں تمام

عاشقانِ رسولؐ کے رُخسارے آنسوؤں سے تر ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پُراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۸)

وفات: ۲۰ھ میں اس مخلص، باوفا موذن نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیرباد کہا کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۹)

اخلاق و عادات: محاسنِ اخلاق نے حضرت بلال کے پایہ فضل و کمال کو نہایت بلند کر دیا تھا حبیبِ خدا کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصدِ حیات تھا ہر وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جاں نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین و نمازِ استسقاء کے مواقع پر نیزہ لے کر آگے آگے چلتے وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسّر آجاتا اس کا ایک حصہ رسولِ خدا کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے آپ نے تعجب سے پوچھا بلال! یہ کہاں سے لائے؟ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں ارشاد ہوا۔ اف اف ایسا نہ کیا کرو یہ تو عین ربا (سود) ہے اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔

حضرت بلال مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی لوگ ان کے سامنے ان کے فضائل و محاسن بیان کرتے تو فرماتے میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹) صداقت، بے لوثی اور دیانتداری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا۔ ان

کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاندان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہم کو خوشی منظور ہے حضرت بلال نے کہا صاحبو! میں بلال ابن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بُرا آدمی ہے اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کر دو انھوں نے کہا بلال تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳)

مذہبی زندگی: حضرت بلال رسولؐ کے موذنِ خاص تھے اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں رہنا پڑتا تھا معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا ایک دفعہ رسولؐ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عملِ خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے (بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۴) ایمان کو تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے بولے کہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ پھر جہاد پھر حج مبرور۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۴)

حلیہ: قد نہایت طویل جسم لاغر رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی سر کے بال نہایت گھنے خمدار اور اکثر سفید تھے۔

ازدواج: حضرت بلال نے متعدد شادیاں کیں ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں ابو بکیر کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ نے نکاح کرا دیا تھا بنی زہرہ اور حضرت ابو درداء کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی (طبقات ابن سعد قسم اول ج ثالث ص ۱۶۹) کامل بھائی میں مذکور ہے کہ بلال

نے ابوبکر کے لیے اذان نہیں کہی اور نہ ان کی بیعت کی شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ
نے کتاب اخبار الرجال میں جناب جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور حضرت
نے ابوالبختری سے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ ابن حسنؑ سے سنا کہ بلال نے
ابوبکر کی بیعت نہیں کی عمر نے ان کے کپڑے جو گوسفند کے تھے پکڑ کر کہا تھا کہ ابوبکر
کی یہی جزا تھی جو اس نے تمہیں آزاد کیا کہ تم اس سے بیعت نہیں کرتے ہو بلال نے
کہا کہ ابوبکر نے اگر خدا کے لیے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے خدا ہی کے لیے چھوڑ دے
اور اگر جنگ کے لیے مجھے آزاد کیا ہے تو میں ان کی خدمتیں کرنے کو موجود ہوں
لیکن ایسے شخص سے بیعت نہیں کروں گا جس کو رسولؐ خدا نے اپنا خلیفہ نہ بنایا ہو۔"
پس عمر نے ان سے سختی کی اور وہ عاجز آ کر ملکِ شام چلے گئے۔

ابوکبشہ

سلیم نام ابوکبشہ کنیت تھی وطن ونسب کے اعتبار سے کوئی ان کو فارسی اور
کوئی مکّی بتاتے ہیں غلام تھے آنحضرتؐ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا اسلام کا زمانہ
متعین نہیں کیا جا سکتا آنحضرتؐ کے شرفِ غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلام
کے شروع زمانے میں ہی اسلام قبول کر لیا ہوگا ہجرت کی اجازت ہوئی تو مدینے پہونچے
اور کلثوم بن حدم کے یہاں مقیم ہوئے بدر کے معرکہ میں شریک تھے اس کے بعد احد اور
دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے وفات ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ یوم سہ شنبہ جس
دن حضرت عمر خلیفہ ہوئے (طبقات ابن سعد ج ۳ قسم اوّل صد ۳۳)

زید بن بولی

آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے ابو یسار کنیت تھی ابن شاہین کہتے ہیں کہ
آپ نے ان کو غزوہ بنی ثعلبہ میں پایا تھا اور آزاد کر دیا تھا ان کے پوتے بلال بن

یسار کی وساطت سے امام ابوداؤد و ترمذی نے ان سے روایت کی ہے یہ حبشی تھے۔
(اصابہ ج ۳ صد ۲۲ غلامانِ اسلام صد ۸۳)

ابولبابہ

آپ رسولؐ کے غلام تھے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب میں اور بلاذری نے ان کا ذکر
کیا ہے یہ بنی قریظہ سے تھے اور مکاتب تھے رسولؐ نے ان کو آزاد کرایا انہی نے آنحضرت
سے روایت کی ہے کہ جو شخص استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ
کہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے وہ جہاد سے فرار ہوا ہو یہ یسار بن زید
بن منذر کے والد تھے مصنف اصابہ کہتے ہیں کہ حدیثِ مذکور کا راوی زید بن بولی
ہے جو بنی ثعلبہ سے تھا (اصابہ ج، صد ۱۶۵)

صہیب رومی

نام ونسب:- صہیب نام اور ابو یحیٰی کنیت تھی والد کا نام سنان اور والدہ کا نام
******** سلمیٰ بنت قعید تھا ان کے والد اور ان کے چچا شاہِ فارس کی طرف
سے مقام ابلہ میں حاکم تھے ان لوگوں کے مکانات لب دجلہ موصل کے پاس تھے
اہلِ روم نے ان پر شبخون مارا اور حضرت صہیب کو جو اس وقت صغیر السن تھے پکڑ کر
لے گئے اور غلام بنا لیا پھر ان کو قبیلہ کلب کے لوگوں نے خرید لیا اور مکے آئے عبد اللہ
بن جدعان نے کلب سے خرید کر آزاد کر دیا (اسد الغابہ باب الصاد و الہاء)
لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے اور عبد اللہ بن جدعان
سے مخالفت کر لی تھی اور ابن جدعان کی آخیر زندگی تک اس کے ساتھ رہے (طبقات
ابن سعد صد ۱۶۱ ج ۳) مکہ معظمہ میں تیس آدمی اسلام لا چکے تھے کہ صہیب حضرت
عمار کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے آپ نے ان

بیں اور حارث کے درمیان مواخات کرادی تھی کفار و مشرکین مکہ نے ان پر طرح
طرح کے جانگسل مصائب توڑے بالآخر حضرت علیؑ کی معیت میں ہجرت کر کے مدینہ
آئے مکہ سے روانہ ہو رہے تھے کہ کفار نے تعاقب کیا انھوں نے اپنا ترکش سنبھال
لیا اور فرمانے لگے اے قریش کے لوگو! جانتے ہو میں تم سب سے اچھا تیرانداز
ہوں خدا کی قسم تم مجھ تک نہیں پہونچ سکتے یہاں تک کہ جتنے تیر میرے پاس ہیں
وہ سب میں تم پر ختم کر دوں گا اور اس کے بعد اپنی تلوار سے کام لوں گا جب تک وہ
میرے ہاتھ میں رہے گی ہاں اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں بتا دوں۔ ان
لوگوں نے کہا اچھا تم ہمیں اپنا مال ہی بتا دو چنانچہ حضرت صہیب نے اپنے مال کا
پتہ بتا دیا آنحضرتؐ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا اے ابو یحییٰ! تمہاری تجارت بہت اچھی
رہی (غلامانِ اسلام)

طبیعت میں مزاح بے حد تھا خود فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے روانہ ہو کر قبا میں
آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؐ کے سامنے کھجوریں رکھی ہوئی
تھیں اور آپ ان کا شغل کر رہے تھے میری ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی راستے
میں تشنگی اور بھوک کا غلبہ رہا اس لیے جاتے ہی میں نے کھجوریں کھانا شروع کردیں
آنحضرت نے فرمایا کیا تم آشوبِ چشم میں حالت میں بھی کھجوریں کھاتے ہو؟ میں
نے جواب دیا یا رسول اللہ! میں اس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو اچھی ہے
سرورِ کائنات یہ سن کر مسکرانے لگے یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے
مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۹۹ و اسد الغابہ)

غزوات:۔ حضرت صہیب تیراندازی میں کمال رکھتے تھے غزوہ بدر، احد،
******* خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں آنحضرتؐ کے ہم رکاب رہے
عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں
کی داستان سنایا کرتے تھے۔

حضرت عمر کو ان سے بہت محبت تھی انھوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ صہیب
ہی میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہلِ شوریٰ جب تک سلسلۂ خلافت کو طے نہ کریں
خلیفہ کے فرائض انجام دیں چنانچہ انھوں نے تین روز تک بڑی خوش سلیقگی کے
ساتھ امامت کا فرض انجام دیا (اسد الغابہ ص ۳۳ ج ۳)

صہیب کا بچپن رومیوں میں گزرا تھا اس لیے زبان میں عجمیت پیدا ہو گئی
تھی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اے صہیب تم میں صرف تین باتیں ہیں جن کو میں برا
سمجھتا ہوں اگر وہ نہ ہوتیں تو میں کسی کو تم پر فضیلت نہ دیتا میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے
کو عرب کی طرف منسوب کرتے ہو حالاں کہ تمہاری زبان عجمی ہے اور تم اپنی کنیت
ابو یحییٰ بتاتے ہو جو ایک نبی کا نام تھا اور اپنا مال فضول خرچ کرتے ہو صہیب نے
فرمایا میں مال بیجا خرچ نہیں کرتا ہوں اور میری کنیت ابو یحییٰ خود رسولؐ نے رکھی
ہے لہٰذا میں اس کو ترک نہ کروں گا اور میں اپنے کو عرب کی طرف جو منسوب
کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہی ہوں مگر کمسنی میں اہلِ روم
مجھے پکڑ لے گئے تھے اس لیے میں نے ان کی زبان حاصل کر لی (اسد الغابہ ص ۳۳
ج ۳)

حلیہ:۔ صہیب کا قد درمیانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ بہت دراز رنگ بہت سرخ تھا
**** سر کے بال گھنے تھے بڑھاپے میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

وفات:۔ ۳۸ھ میں ماہِ شوال مدینہ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ستر برس
***** کی تھی بقیع میں دفن ہوئے۔

فضائل:۔ آپ نے متعدد حدیثیں بھی روایت کی ہیں آنحضرت فرماتے تھے صہیب
***** روم کا پھل ہے اور آپ کی دلجوئی کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ ایک بار
ابوسفیان مسلمان ہونے سے پہلے حضرت سلمانؓ حضرت بلال اور حضرت صہیب
کے پاس سے گزرے تو ان تینوں نے کہا اللہ کی تلوار نے اب تک اس دشمنِ خدا کی

گردن نہیں اڑائی حضرت ابوبکر نے یہ سنا تو کہا تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت
ایسا کہتے ہو پھر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی آپ
نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تم نے شاید ان کو خفا کر دیا اگر واقعی ناراض کر دیا ہے
تو گویا تم نے اپنے خدا کو ناراض کر دیا یہ سن کر حضرت ابوبکر ان تینوں بزرگوں
کے پاس آئے اور فرمایا اے میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا
انھوں نے کہا نہیں ہم غضبناک نہیں ہوئے اے بھائی خدا تمہاری مغفرت کرے۔
(ترجمہ اسد الغابہ ج ۴ حالات سلمان)

اس روایت سے ایک طرف تو اصحاب پیغمبر سلمان اور صہیب رومی، اور
بلال کے جوش ایمانی اور شوق جہاد ربانی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف حضرت
ابوبکر کے ایمان کی حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو اس وقت تک ابوسفیان کو
سید البطحا اور رسول خدا کو بزرگ نہیں جانتے تھے حضرت ابوبکر کی منزلت
وقعت اور وقار بھی کاسۂ رسالت کی نظر میں اس روایت سے ظاہر ہے آپ
نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ وہ جماعت ہے (سلمان وصہیب وبلال) جس کی ناراضگی
سے خداوند عالم حضرت ابوبکر سے ناراض ہوا اور کوئی پاس وحرمت سابق الاسلامی
ومعیت غار ہجرت وبدریت واحدیت ورضوانیت وغیرہ وغیرہ نہیں کیا اور آپ
کی صدیقیت صحابہ کی اس جماعت کے مقابلہ میں بالکل ملحوظ نہیں ہوئی۔

حضرت صہیب کی نسبت ایک مرتبہ آنحضرت نے فرمایا صہیب اچھے بندے
ہیں اگر وہ اللہ کا خوف نہ کرتے تب بھی اس کی معصیت نہ کرتے۔

اسلام کی ایک یہ بھی عجیب شان ہے کہ وادی فاران کے داعی حق کی دعوت
توحید پر کفر وشرک کی شدید مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جن بزرگوں
نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کیا ان میں حضرت ابوبکر جیسے بزرگ قریش
کے ساتھ حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار اور حضرت خباب بن الارت

ایسے غلاموں کے اسماء گرامی بھی نظر آتے ہیں جن کی ذات گرامی اسلام کے
لیے سرمایۂ افتخار اور جن کے اعمال مسلمانوں کے لیے باعث تقلید تھے یہی وہ بزرگ
تھے جنھوں نے سطوت اسلام کا پرچم لہرایا اور اس کی عظمت وبزرگی کا اعتراف
اہل عالم سے کرایا (غلامان اسلام صہ ۲۵)

شقران صالح

نام ونسب:- شقران لقب اور صالح نام اور والد کا نام عدی تھا حبشی نژاد
******* تھے عبد الرحمن بن عوف کے غلام تھے بعد میں انھوں نے آنحضرت
کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا آپ نے ان کو خلعت آزادی سے مشرف فرمایا
بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات نے قیمتاً خریدا تھا لیکن یہ
قول بہت ضعیف ہے خود ارباب سیر نے "قیل" کے ساتھ لکھا ہے (اسد الغابہ
ج ۳ صہ ۹)

خدمات:- آنحضرت نے ان کو غزوہ مریسیع میں اموال غنیمت کے جمع کرنے
******* اور بدر میں قیدیوں کی دیکھ بھال پر متعین کیا تھا انھوں نے
قیدیوں کی نگرانی اس نرمی ملاطفت سے کی کہ ان سب نے ان کو اس قدر معاوضہ
دیا کہ مال غنیمت میں سے جن کو حصہ ملا تھا حضرت شقران ان سب سے اچھے
رہے (طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ صہ ۳۴) آنحضرت جناب شقران کی حسن خدمات
سے بہت خوش تھے یہاں تک کہ آپ نے وفات کے وقت خاص طور سے ان کے
ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت فرمائی حضرت شقران بھی اپنے آقا
کے ایسے جاں نثار غلام ثابت ہوئے کہ جس دامن کرم سے ایک مرتبہ وابستہ
ہو گئے تھے آخر تک اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ان کی وفا کوشی کی سب سے
بڑی دلیل یہ ہے کہ سید کونین کے جسم مطہر کی امانت زمین کے سپرد کی گئی تو اس

موقع پر جناب شقران بھی اہلبیت اطہار کے ساتھ موجود تھے جو چادر اس وقت
رحمۃ للعالمین کے زیب بدن تھی حضرت شقران اس کو ہاتھوں سے تھامے
ہوئے تھے یہاں تک کہ ملاء قدس کی یہ امانت باعظمت سپرد زمین ہو کر چشم ظاہر
سے قیامت تک کے لیے مستور ہو گئی حضرت شقران سے بعض احادیث بھی مروی
ہیں عبید اللہ بن ابی رافع نے ان سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے
بعد جناب شقران کہاں رہے اس میں اختلاف ہے بغوی فرماتے ہیں کہ مدینہ
میں قیام رہا اور بعضوں کا خیال ہے کہ بصرہ چلے گئے ٹھیک معلوم نہ ہونے کی
وجہ سے ان کی جائے وفات و وقت وفات بھی معلوم نہیں (اصابہ ج ۲ ص ۲۰۹
غلامان اسلام ص ۴۲)

ثوبان

والد کا نام بجدریا بجد تھا کنیت ابو عبد اللہ اور نام ثوبان یمن کے باشندے
تھے پہلے غلام تھے آنحضرتؐ نے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا اگر تم اپنے خاندان
میں جانا چاہتے ہو تو وہاں چلے جاؤ اور اگر یہاں قیام کرنا پسند کرو تو تم میرے
اہلبیت کی خدمت میں رہو انھوں نے بارگاہ نبوی میں رہنا ہی پسند فرمایا۔ اور
سفر وحضر میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱)

ایک مرتبہ آپ نے اہلبیت کے لیے دعا کی ثوبان بولے انا من اہلبیت میں بھی
اہلبیت میں سے ہوں تو آپؐ نے فرمایا ہاں جب تک تم کسی دروازہ کی چوکھٹ پر
نہ کھڑے ہو یا کسی امیر کے پاس سوال کرنے نہ جاؤ (اصابہ ج ۱ ص ۲۱۲)

ممکن ہے یہاں اہلبیت سے مراد کفالت ہو اس لیے کہ جب امّ سلمہ
جیسی بیوی کو رسولؐ نے جواب دے دیا تھا کہ تم خیر پر ہو اہلبیت میں صرف
علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی ہیں یا پھر پیغمبر نے جناب سلمان کے بارے میں فرمایا

تھا کہ سلمان منا اہلبیت، مگر یہاں بھی اہلبیت اور ہیں اور اہلبیت سے ہونا اور
ہے جب تک آنحضرت دنیا میں تشریف فرما رہے حضرت ثوبان جلوت و خلوت
میں آپؐ کے ساتھ رہے وفات کے بعد کچھ دنوں مدینہ میں ہی قیام رہا پھر رملہ
شام میں اقامت پذیر ہو گئے اور وہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

جناب ثوبان کو آنحضرتؐ سے جو شرف غلامی حاصل تھا وہ اس کا اس
قدر احترام کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حمص میں بیمار ہو گئے اور وہاں کا گورنر
آپ کی عیادت کے لیے نہ آیا تو آپ نے اس کو لکھا اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام
تمہارے یہاں ہوتا تو کیا تم اس کی عیادت کے لیے نہ آتے گورنر جناب ثوبان
کے ان الفاظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکلا
اور آپ کے گھر آ کر دیر تک مزاج پرسی کرتا رہا (مسند امام احمد ابن حنبل ج
۵ ص ۲۸)

جناب ثوبان آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے آپ کو احادیث
کثرت سے یاد تھیں اور پھر حفظ حدیث کے ساتھ وہ اس کی اشاعت و تبلیغ کا
فرض بھی انجام دیتے تھے اس فضل و کمال کی وجہ سے لوگ آپ سے احادیث
سننے کے مشتاق رہتے تھے ایک بار لوگوں نے اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ
نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے خدا اس کا ایک درجہ بلند
کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے (مسند احمد بن حنبل ج ۵
ص ۲۷۶) بڑے بڑے علماء ان سے اپنی مسموعہ احادیث کی تصدیق کراتے تھے
معدان ابن طلحہ جلیل القدر محدث تھے انھوں نے حضرت ابو درداء سے ایک
حدیث سنی تو اس کی تصدیق جناب ثوبان سے کی (ابو داؤد ج ص ۲۳۷)

معدان کے علاوہ ابو ادریس الخولانی، ابو عامر الالہانی، عبد الرحمن بن غنم
جبیر بن نفیر اور دوسرے ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی ہے (تہذیب التہذیب

ج ۲ صہ۳۱ (غلامانِ اسلام صہ۶۴)

ابو عسیب

ان کا نام احمر تھا نبی کریمؐ کے غلام تھے ان سے عمران جونی اور حازم بن قاسم نے روایت کی ہے ان کے نام میں لوگوں کا اختلاف ہے یزید بن ہارون نے ابو نصیرہ مسلم بن عبیدہ سے انھوں نے ابو عسیب مولی رسولؐ سے انھوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جبرائیل میرے پاس بخار اور طاعون لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو شام بھیج دیا اور وہ میری امت کے لیے رحمت ہے اور کافروں کے لیے عذاب ہے ان کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ صہ۳)

احمر

غلام رسولؐ نہیں ہیں حضرت ام سلمہ کے غلام ہیں جنادہ بن مفلس نے شریک سے انھوں نے عمران نخلی سے انھوں نے احمر مولی ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں ایک جہاد میں نبیؐ کے ہمراہ تھا اس سفر میں ہم لوگوں کا گزر ایک نہر پر ہوا تو میں لوگوں کو اپنی پشت پر سوار کر کے پار اتارنے لگا نبیؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے تو آج کشتی کا کام دیا یہ حدیث جنادہ کی روایت سے مشہور ہے اور دوسرے لوگوں نے شریک سے روایت کر کے اسکی مخالفت کی ہے ان کا تذکرہ ابن مندہ اور ابو نعیم نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ صہ۲)

ابو رافع

نام ونسب:- نام میں بہت اختلاف ہے زیادہ مشہور اسلم ہے امام بخاری
****

نے بھی یہی لکھا ہے کنیت ابو رافع تھی ابن عقدہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ نام ابراہیم تھا وہ مکہ میں مسلمان ہوئے۔

غلامی:- ابتدا میں حضرت عباسؓ کے غلام تھے انھوں نے آنحضرتؐ کو بطور ہدیہ
***** دے دیا آنحضرت نے حضرت عباس کے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں آزاد کر دیا (ابن سعد قسم اول جز ۴ صہ۵۱)

اسلام:- جناب ابو رافع اپنے اسلام کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں
****** کہ ایک مرتبہ قریش نے مجھ کو کسی کام سے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب میں قریش کے واپس نہ جاؤں گا سرکار کونین نے فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا اب تو تم واپس چلے جاؤ اگر پھر بھی تم اسلام کی طرف میلان کا جذبہ اپنے اندر پاؤ تو واپس آجانا چنانچہ ارشادِ نبوی کے مطابق یہ واپس چلے گئے اور پھر بارگاہِ نبوت پناہ میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے (مستدرک حاکم ج ۳ صہ۵۹۸)

اِخفائے اسلام:- بدر تک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔
*********** ایک دن زمزم پر بیٹھے تیر درست کر رہے تھے حضرت عباس کی بیوی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ابو لہب آیا اور خیمہ کی طناب کے پاس بیٹھ گیا پھر ابو سفیان آیا ابو سفیان نے ابو لہب سے بدر کے حالات پوچھنے شروع کئے بولا کیا بتاؤں مسلمانوں نے ہماری تمام قوت تباہ کر کے رکھ دی کتنے ہی ہیں جن کو تہہ تیغ کیا کچھ گرفتار ہوئے اسی سلسلے میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں زمین سے آسمان تک سفید پوش سوار بھرے پڑے ہوئے تھے ابو رافع بولے وہ فرشتے تھے یہ سن کر ابو لہب نے ان کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا یہ سنبھل کر گھتم گتھا ہو

گئے مگر کمزور تھے غالب نہ آسکے ابولہب نے زمین پر پٹک دیا اور جتنا مار سکتا تھا مارا حضرت عباس کی بیوی جو پاس ہی موجود تھیں اس ظلم کو برداشت نہ کرسکیں ایک ستون کو اٹھا کر اس زور سے رسید کیا کہ ابولہب کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں ہے کمزور سمجھ کر مارتا ہے (ابن سعد قسم اول جزو ۴ صد ۵۱)

ہجرت:- بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور سرورِ عالم کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے احد اور خندق وغیرہ غزوات میں شریک رہے آنحضرتؐ نے سریۂ حضرت علیؑ کی زیر سرکردگی جو یمن کی طرف بھیجا تھا اس میں حضرت ابورافع بھی تھے وہ خود فرماتے ہیں جب حضرت علی چلے گئے تو رسولؐ نے ان سے فرمایا اے ابورافع تم علیؑ سے جا کر مل جاؤ اور ان کو پیچھے سے آواز نہ دینا ان کو چاہیئے کہ کھڑے ہو جائیں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں یہاں تک کہ میں آجاؤں چنانچہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور حضرت علیؑ کو چند باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا اے علیؑ تمہارے ذریعہ اللہ کسی ایک شخص کو ہدایت دے یہ تمہارے لیے بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن پر آفتاب طلوع کرتا ہے (مستدرک حاکم ج ۳ صد ۵۹۸)

فضل وکمال:- حضرت ابورافع فضل وکمال میں نمایاں مقام رکھتے تھے اُن سے اڑسٹھ روایتیں مروی ہیں جن میں سے ایک میں بخاری اور تین میں امام مسلم منفرد ہیں جن حضرات نے ان سے روایتیں نقل کی ہیں اور علمی استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں صاجزادوں میں حسن، رافع عبید اللہ، معتمر، پوتوں میں حسن، صالح، عام اصحاب میں عطار بن یسار، ابوغطفان بن طریف، ابوسعید مقبری اور سلیمان بن یسار۔

حضرت ابورافع ایک خادم کی حیثیت سے آنحضرتؐ کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے اس لیے سرور کائناتؐ کی معمولی معمولی جزئیات سے متعلق ان کی

بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقفیت تھی اسی بنا پر اجلۂ صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے حضرت ابورافع کے پوتے عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس میرے دادا کے پاس ایک کاتب کو لے کر آئے اور آنحضرتؐ کے متعلق سوال کرتے کہ فلاں دن آپ نے کیا کیا کام کیے تھے وہ بتاتے جاتے اور کاتب تحریر کرتا جاتا تھا (اصابہ ج ۴ تذکرہ حضرت ابن عباس) جناب ابورافع کے شرف و مجد کے لیے یہی کیا کم ہے کہ جب آنحضرتؐ نے آزاد کر کے ان کو اپنے خاندان میں شامل کر لیا تو فرمایا مولی القوم من انفسھم اس کے بعد شرافت ونجابت اور فضیلت و بزرگی کا کون سا مرتبہ باقی رہتا ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۲ صد ۹۳)

حضرت ابورافع کو اس نسبت پر بڑا فخر وناز تھا اور وہ اس کو کسی قیمت پر دینے کے لیے تیار نہ تھے ان کے متعلق صاحب تہذیب التہذیب نے روایت لکھی ہے کہ عمر بن سعد بن عاص نے مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں ان سے پوچھا تم کس کے مولیٰ ہو انھوں نے فرمایا رسولؐ اللہ کا عمرو بن سعید نے کہا نہیں تم ہمارے غلام ہو انھوں نے انکار کیا یہاں تک کہ عمرو نے ان کو پانچ سو درے لگائے اور بالآخر انھوں نے اقرار کیا ہمارے خیال میں اول تو یہ روایت درست ہی نہیں جیسا کہ خود صاحب تہذیب التہذیب نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے" میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ کوئی اور ابورافع ہیں اور اگر ان سے ہی متعلق ہو تو صحیح یہ ہے کہ آخر دم تک یہ اپنے کو آنحضرت کا غلام کہتے رہے اور عمرو کی غلامی کو تسلیم نہیں کیا جیسا کہ بعض اور روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

آپ تمام جنگوں میں امیرالمومنینؑ کے ساتھ رہے اور بہترین شیعوں میں سے تھے آپ کی طرف سے بیت المال کے خزانہ دار تھے اور ان کے دو بیٹے عبد اللہ اور علی حضرت امیرالمومنینؑ کے ارکان میں سے تھے (غلامانِ اسلام صد ۷)

عبد اللہ ابن عبید اللہ ابن ابورافع سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ رافع

سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز خدمت جناب رسولِ خدا میں حاضر ہوا میں
نے دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ سو رہے ہیں یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اور گھر
کے کنارے پر ایک سانپ ہے میں نے چاہا کہ سانپ کو ماروں ایسا نہ ہو کہ حضرتؐ
بیدار ہو جائیں لہٰذا میں آنحضرتؐ اور سانپ کے درمیان لیٹ گیا کہ اگر سانپ
سے کوئی نقصان پہونچے تو مجھے پہونچے لیکن حضرتؐ محفوظ رہیں اسی اثنا میں
حضرتؐ بیدار ہوئے اور آیت: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝
(ترجمہ) "بیشک اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے نماز قائم کرتے
ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں تمہارے ولی ہیں" پڑھ رہے تھے
اس کے بعد ارشاد فرمایا: الحمد للہ الذی اکمل لعلی منیتہ وھنیئا
لعلی بتفضل اللہ ایاہ۔
یعنی شکر ہے اس خدا کا جس نے علیؑ کے لیے ان کی آرزو کو پورا کر دیا اور مبارک
ہو علیؑ کے واسطے خدا کا تفضل۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے ایک کنارہ پر
لیٹا ہوا دیکھ کر فرمایا اے ابورافع کنارہ پر کیوں لیٹے ہو میں نے سانپ کی حکایت
عرض کی فرمایا اٹھو اور اسے مار ڈالو میں نے اٹھ کر سانپ کو مار ڈالا۔ تب
حضرتؐ نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور فرمایا کہ تم اس قوم کے
بارے میں کیا کہتے ہو جو حضرت علیؑ سے ایسی حالت میں مقابلہ کرے جب علیؑ
حق پر ہو اور وہ لوگ باطل پر ہوں میں نے کہا ایسی قوم سے جہاد کرنا حق ہے اور
جس کو جہاد پر قدرت نہ ہو اس کو چاہیئے کہ دل سے اس قوم سے منکر ہو پس میں
نے حضرتؐ سے عرض کی یا رسول اللہ میرے حق میں دعا فرمایئے کہ جب میں
اس قوم تک پہونچوں تو خداوند عالم مجھ کو ان سے جنگ کرنے میں قوت دے حضرتؐ
نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسے قوت دے کہ اگر یہ اس قوم تک پہونچے اور اس کی

اعانت فرما۔ اس کے بعد حضرتؐ گھر سے باہر ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو باہر
جمع ہوئے تھے اور فرمایا۔ اے لوگو! جو شخص میرے نفس اور میرے اہل کے امین کو
دیکھنا چاہتا ہو تو یہ ابورافع میرا امین ہے میرے نفس پر۔
اور اسی طرح سے روایت کی ہے طاعون بن عبد اللہ بن ابی رافع سے
ابورافع نے کہا کہ جب لوگوں نے حضرت امیرؑ سے بیعت کی اور معاویہ نے اظہار مخالفت
کی اور طلحہ اور زبیر بصرہ کی طرف گئے ابورافع نے اپنے دل میں کہا کہ یہی وہ راز
ہے جو جناب رسالتمآبؐ فرماتے تھے کہ عنقریب علیؑ سے ایسی قوم قتال کرے گی جس
سے راہِ خدا میں جہاد کرنا حق ہو گا لہٰذا ابورافع نے اپنا مکان اور اپنی کھیتی جو خیبر میں تھی، فروخت
کر ڈالی اور مقصدِ شہادت حاصل کرنے کے لیے مع اپنے فرزندوں کے حضرت امیر
المومنینؑ کے ہمراہ مدینہ سے باہر آئے اور اس وقت ان کی عمر پچاسی برس تھی اثناء
راہ میں کہتے جاتے تھے کہ الحمد للہ میں نے دو۲ بیعتیں کیں یعنی بیعت عقبہ اور بیعت
رضوان اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تین ہجرتیں کیں راوی کہتا
ہے کہ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ تین ہجرتیں کون سی ہیں تو جواب دیا
کہ ایک ہجرت جعفر ابن ابی طالب کے ساتھ حبشہ کی طرف اور دوسری جناب
رسالتمآبؐ کے ساتھ مکہ سے مدینے کی طرف اور تیسری حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ
کے ساتھ کوفہ کی طرف اس کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ آپ ہمیشہ رہے یہاں
تک کہ وہ حضرت شہید ہو گئے پھر ابورافع امام حسنؑ کے ساتھ مدینہ واپس آئے
چوں کہ مکان و زراعت نہ رکھتے تھے حضرت امام حسنؑ نے حضرت امیر المومنینؑ کا
مکان اپنے اور ابورافع کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور زراعت بھی
ان کو عطا فرمائی ورّام نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ علی ابن ابی رافع کہتے ہیں کہ
میں عاملِ بیت المال تھا اور حضرت امیر المومنینؑ کا کاتب بھی تھا بیت المال میں
ایک لڑی موتیوں کی تھی جو بصرہ سے حاصل ہوئی تھی حضرت امیر المومنینؑ کی

ایک صاحبزادی نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ بیت المال میں ایک موتیوں کی لڑی ہے اور وہ تمہارے قبضہ میں ہے میں چاہتی ہوں کہ وہ بطور عاریت مجھے دو کہ روز عید قرباں میں اسے پہنوں میں نے جواب دیا کہ بطورِ عاریت مضمونہ کے میں دوں گا یعنی اگر تلف ہو جائے تو اس کا تاوان آپ ادا فرمائیں ان معظمہ نے پیام بھیجا کہ ہاں اس طریقہ سے مجھے منظور ہے اور تین روز بعد تمہیں واپس کر دوں گی میں نے وہ لڑی بھیج دی اتفاقاً حضرت علیؑ نے جو انھیں پہنے ہوئے دیکھ لیا اور پہچانا دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے تمہیں ہاتھ آئی۔

انھوں نے عرض کی علی ابن رافع خازن بیت المال سے میں نے بطور عاریت لی ہے کہ روزِ عید پہنوں اور پھر اس کو واپس کر دوں حضرت نے مجھے طلب فرمایا جب میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں بغیر ان کی رضامندی کے خیانت کرتا ہے میں نے عرض کی کہ یا امیر المومنین۔ آپ کی صاحبزادی نے بطور عاریت مضمونہ مجھ سے مانگ بھیجی تھی اور میں نے اپنے اوپر بھی ضمانت رکھ کے ان کو دی ہے کہ میں اس کو اس کی جگہ رکھ کر واپس لاؤں حضرت نے فرمایا کہ آج ہی اسے واپس لینا چاہیئے اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دینا چاہیئے اور اگر پھر تجھ سے ایسا امر ظاہر ہوا تو میں تجھے سزا دوں گا اور اگر میری بیٹی نے بطور عاریت مضمونہ مردودہ نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ پہلی زنِ ہاشمیہ ہوتی جس کا ہاتھ چوری میں کاٹا جاتا علی ابن ابی رافع کہتے ہیں حضرت نے جو یہ عتاب مجھ پر فرمایا اس کی خبر ان صاحبزادی کو بھی پہونچ گئی انھوں نے عرض کی کہ میں آپ کی بیٹی ہوں اور آپ کا ایک جزو بدن ہوں مجھ سے زیادہ کون اس کے پہننے کا حقدار ہو سکتا ہے حضرت نے جواب دیا کہ اے لڑکی اپنی خواہش نفس کے سبب سے دائرہ حق سے باہر نہ جا کیا تمام مہاجرین کی عورتیں ایسی ہی موتیوں کی لڑی پہنے تھیں کہ تجھے بھی ان کے ساتھ مزین

ہونا ضروری تھا۔

علی ابن رافع کہتے ہیں کہ اس گفت و شنید کے بعد میں نے وہ موتیوں کی لڑی واپس لے لی اور اس کے مقام پر رکھ دی (مواقف المومنین ترجمہ مجالس المومنین ص۳۵۷ تا ص۳۶۱)

شادی اور اولاد:۔ آنحضرت نے ان کا نکاح اپنی آزاد کردہ جاریہ سلمٰی سے کر دیا تھا جو صاحبزادہ ابراہیم کی آیا تھیں ان سے عبد اللہ تولد ہوئے ان کے علاوہ ابورافع کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں حسن، رافع معتمر، مغیرہ، سلمٰی (اسد الغابہ ج ۳ ص۱۱، تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص۹۲)

وفات:۔ آپ کی وفات کے متعلق اختلاف ہے کوئی حضرت عثمان کے آخر عہدِ خلافت میں بتاتا ہے مگر غالباً صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ابتدائی دورِ خلافت میں انتقال ہوا اور اصل ابورافع نام کا ایک شخص ابوجیحہ سعید بن العاص کا غلام تھا ان دونوں کے حالات ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص۹۲)

اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراجیل

نام ونسب:۔ صاحبِ استیعاب نے لکھا ہے کہ ان کی ماں ام ایمن تھیں جن کا نام برکہ تھا اور جناب رسالتمآبؐ کی کنیز تھیں آپ نے ان کا عقد جناب زید سے کر دیا تھا جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔

جیشِ اسامہ:۔ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ نہ تھی بعض نے انیس اور بعضوں نے اٹھارہ اور سترہ سال بھی لکھا ہے علامہ حلبی وغیرہ نے اسی جیش اسامہ کے ذکر کے سلسلے میں بڑے مزے کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے خلیفہ مہدی جب بصرہ آیا تو اس نے ایاس بن معاویہ

کو جو اس وقت بہت کمسن تھے اور جن کی ذہانت و فراست بطور ضرب المثل مشہور ہے
امامت کرتے اور چار سو بوڑھے علماء و فقہا ان کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا مہدی نے
کہا خدا ان داڑھی والوں کو غارت کرے کیا اتنے لوگوں میں کوئی بوڑھا اس قابل
نہیں ہے کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے پھر مہدی خود ایاس کی طرف بڑھا۔ اور
پوچھا صاحبزادے کیا سن ہے تمہارا؟ ایاس نے جواب دیا حضورؐ اس وقت
میرا سن وہی ہے خدا حضور کو زندہ و سلامت رکھے جو اسامہ بن زید کا اس
وقت تھا جب رسول خدا نے انھیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمر
بھی تھے اور حضرت ابو بکر بھی مہدی نے کہا آگے بڑھو خدا تمہیں برکت دے بیشک
تم امامت کے مستحق ہو علامہ حلبی لکھتے ہیں اس وقت اسامہ کا سن سترہ سال تھا
زیادہ تر مورخین نے سترہ برس ہی عمر لکھی ہے۔

لشکر اسامہ رسولؐ کی زندگی کا آخری لشکر تھا جسے آپ نے روم کی طرف
لڑنے کو بھیجا تھا اس لشکر کی روانگی میں آپ نے اہتمام عظیم فرمایا تھا اور حضرت
علیؑ کے علاوہ تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا تھا مسلمانوں کے ارادوں کو مضبوط اور
ان کی ہمتوں کو بڑھانے کے لیے لشکر کے سازوسامان کی فراہمی آپ نے خود
بہ نفس نفیس فرمائی۔

مہاجرین و انصار کے سربرآوردہ افراد جیسے حضرت ابو بکر و عمر و
ابو عبیدہ سعد بن ابی وقاص وغیرہ میں سے کوئی بھی فرد ایسی نہ بچی جسے
فوج میں رسولؐ نے نہ رکھا ہو۔ مصلحت بین و دور اندیش رسولؐ کو منافقین
و اہل اسلام کی سازشوں۔ ارادوں اور منصوبوں سے واقفیت تھی وہ اپنے
آخر وقت میں اپنے بعد کے موقع کے واسطے مدینہ کی فضا کو اس زہریلے
عنصر سے پاک و صاف رکھنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے اس درجہ خیال اور
تاکیدیں تھیں۔

بہرحال اسامہ بہ تعمیل حکم علم لے کر بیرون مدینہ آ گئے اور بریدہ بن الحصیب
کو علم دار لشکر مقرر کر کے منتظر اجتماع لشکر کے تھے فرمان رسولؐ جاری ہوا کہ
ابو بکر و عمر و عثمان بھی ہمراہ اسامہ جائیں گے (روضۃ الصفا) علیؑ کا نام مامورین میں نہیں تھا
ابن خلدون کے علاوہ اور کسی تاریخ اسلام میں نہیں ملتا لیکن آگے چل کر یہی
مورخ لکھتا ہے کہ جب لشکر کو کوچ کی اجازت دی گئی تو علیؑ و عباسؓ کو رسولؐ
نے اپنی تیمارداری کے لیے رکھ لیا باقی روانہ ہوئے پس ثابت ہو گیا کہ علیؑ و عباسؓ
فرمان حکم روانگی سے مستثنیٰ رکھے گئے تھے۔

مطابق روضۃ الصفا کے حضرت ابو بکر نے بھی تیمارداری کے لیے حاضر
رہنے کی اجازت چاہی تھی لیکن رسولؐ نے منظور نہ فرمایا اور صاحب مناہج
النبوت نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق نے عرض کی کہ
یا رسولؐ اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تیمارداری کروں اور شرائط خدمت بجالاؤں
فرمایا کہ اے ابو بکر اگر میں تیمارداری بغیر اہلبیتؑ کے کسی اور سے لوں تو مصیبت
ان کی اور زیادہ ہو گی۔

بروایت روضۃ الصفا اسامہ کی ماتحتی بعض اصحاب کو گراں تھی اور رسولؐ
پر اعتراض کرتے تھے کہ ہم کو غلام زادہ کی ماتحتی میں بھیجا جا رہا ہے اور بروایت
ابن خلدون ابو بکر وغیرہ فرمان مذکور کے بعد بھی لشکر سے حضرتؐ کو دیکھنے آتے
تھے جب رسول خدا کو معلوم ہوا تو نہایت غضبناک ہوئے اور باوجود نہایت
شدید درد سر کے عصابہ سر مبارک سے باندھ کر اور بروایت ابن خلدون
عباسؓ و علیؑ کے کاندھوں پر سہارا دیکے مسجد میں تشریف لائے در آنحالیکہ پائے
مبارک زمین پر مستقیم نہ پڑتے تھے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا
ہے کہ اسامہ کی امارت پر اعتراض کیا جا رہا ہے آج تم اسامہ کی افسری پر معترض
ہو کل جنگ موتہ میں اس کے باپ زید کی افسری پر معترض تھے بخدا اسامہ ویسا

ہی امارت کا حق دار ہے جیسا کہ اس کا باپ (زید) تھا اور اسامہ کو جو رخصت کے لیے آئے تھے دعا دے کر حکم دیا کہ روانگی میں جلدی کرو اور سب سے کہا کہ جلدی جاؤ (روضۃ الصفا و ابن خلدون) یہ حکم نرم الفاظ میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ فرمایا گیا تھا کہ جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنھا۔

(سب جاؤ جیش اسامہ کے ساتھ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی) اللہ اکبر کس قدر سخت حکم تھا جس کی مصلحت و ضرورت رسولؐ ہی جانتے تھے اس مقام پر وہ حضرات غور کریں جو صحابہ پر لعنت کو حرام جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ حکم رسولؐ کی مخالفت کرنے والے اصحاب پر خود لعنت فرما رہے ہیں معلوم ہوا کہ حکم رسولؐ کی مخالفت کرنے والے اصحاب پر لعنت جائز ہی نہیں بلکہ سنتِ رسولؐ ہے۔

چنانچہ اسامہ نے واپس جا کر کوچ کا حکم دے دیا اور لشکر مقام جرف پر پہنچ کر پھر رک گیا روانگی لشکر تاریخ روضۃ الصفا نے ۱۰ ربیع الاول لکھی ہے لیکن کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ لشکر اسامہ کتنے عرصہ تک رکا رہا جو کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ کو یہ حکم دیا گیا تھا موافق حیات القلوب ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ جراح نے اسامہ سے کہا تھا کہ رسولؐ کا مرض ترقی پر ہے ہم سب کا مدینہ سے باہر جانا مصلحت نہیں ہے نہ معلوم ہماری عدم موجودگی میں کیا ہو جائے اور توقف کیا عائشہ صہیب کے ذریعہ خبر پہونچاتی رہیں کہ رات کے وقت خفیہ یہ لوگ لوٹ آئے اور بروایت ام ایمن مادر اسامہ نے خبر بھیجی کہ رسولؐ حالتِ نزع میں ہیں تو تمام اصحاب لشکر سے واپس چلے آئے مجبوراً اسامہ بھی واپس آگئے بہر حال دونوں روایتوں سے اسامہ کی واپسی بہ مجبوری ثابت و معلوم ہوتی ہے ان کی تساہلی یا مخالفت اپنے بقصد و اختیار کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتی اور نہ ان کی نیت میں شبہ کرنے کی کوئی خاص و معقول وجہ دکھائی دیتی ہے اسامہ نے جب دیکھا ہوگا کہ لشکر سے وہ بڑے لوگ جنھیں رسولؐ نے خاص طور پر ساتھ جانے کا حکم دیا تھا جن کے نام مورخین نے صاف طور پر

ظاہر کر دیے ہیں اور وہ دو ہی بزرگ ہیں جن کے آنے اور دیکھ کر جانے کا ابن خلدون نے تذکرہ بھی کیا ہے اور ان میں سے ہی ایک بزرگ کو اسامہ کی امارت میں کلام ہوا تھا یہی وہ لوگ تھے جنھیں رسولؐ کے قریب سے خبریں پہونچنے کی امید تھی ان کو رسولؐ کی ترقی پذیر علالت کی وجہ سے کسی نوع دیگر کے خیال نے روانگی میں عجلت کرنے سے روکا اور باوجود اس سخت ترین حکم کے جو دیا گیا تھا وہ واپس چلے آئے تو اسامہ کیا کرتا یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم رسولؐ سے تخلف کرنے والے رسولؐ کے سامنے تو ہرگز نہ جاتے ہوں گے لیکن ان کو رسولؐ کی بڑھتی ہوئی علالت کی اطلاع پہونچتے رہنا قریب کے مددگاروں سے بہت ممکن تھا جو اور کسی کو ممکن نہ تھا رسولؐ نے اس مخالفت کی کیفیت سے مطلع ہو کر مخالفت کرنے والوں سے سخت اظہار بیزاری کیا مگر کیا کرتے اب وہ بستر مرگ پر تھے اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ اخلاص و محبتِ رسولؐ تھی جس نے ان لوگوں کو روانگی سے روکا اور مستحق لعن ہونے کے مقابلہ میں بھی تخلف پر مجبور کیا یا کوئی اور مخفی راز تھا ناظرین خود فیصلہ فرمائیں۔

اسامہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وادی القریٰ میں رہنے لگے اور آخر میں پھر مدینہ واپس ہوئے اور آخر خلافت معاویہ میں وفات پائی حضرت عمر ابن خطاب نے پانچ ہزار اشرفیاں بیت المال سے مقرر کیں اور اپنے بیٹے عبد اللہ کے لیے صرف دو ہزار عبد اللہ نے کہا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت دی درآنحالیکہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کے وہ غزوات دیکھے ہیں جو اسامہ نے نہیں دیکھے عمر نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تجھ پر اس لیے فضیلت دی کہ رسول اللہؐ اس کو تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔

مولف کہتا ہے کہ حضرت عمر نے سبب تفضیل بیان کرنے میں کذب سے کام لیا ہے بلکہ اصل وجہ فضیلت دینے کی یہ ہے کہ اسامہ کو رسولِ خدا نے امیر لشکر کر کے بھیجا تھا اور ابوبکر و عمر وغیرہ کو ان کا تابع قرار دیا تھا اور فرمایا تھا جو

لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہے یہ لوگ پلٹ آئے
اور خدا کی لعنت کو اپنے حق میں مضر نہیں سمجھا لیکن اسامہ چونکہ آخر رسولؐ خدا تک
ان کے امیر تھے اور بعد وفات ان کو اپنا امیر نہیں مانتے تھے آخر کار ان لوگوں
نے روپے اور پیسے کی طمع دلا کر اور ان کو امیر بنانے کا وعدہ کر کے اپنی مخالفت
اور بنی ہاشم کی متابعت سے باز رکھا اور یہ اسامہ کا ایک بہت بڑا احسان ان کی
گردن پر تھا جس کا عوض بمصالح دینوی وقت گزرنے کے بعد بھی یہ لوگ کرتے
رہے پس اصل وجہ اسامہ کے فضیلت دینے کی یہ تھی نہ کہ وہ جو عمر نے اپنے بیٹے سے
بیان کی منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر منتظم امر خلافت ہوئے تو اسامہ نے بکمال
عتاب ان سے خطاب کیا کہ رسول اللہؐ نے مجھے تجھ پر امیر قرار دیا تھا یہ تجھ کو کس نے
مجھ پر خلیفہ بنایا ہے رسولؐ نے جس کو خلیفہ کیا وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔
آخر کار ابوبکر و عمر اسامہ کے پاس گئے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کیا اور اپنی
عمر بھر ان کو امیر کہا کرتے تھے بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے
تو اسامہ کو اسی لشکر کے ساتھ جو پیغمبر خدا نے مقرر کیا تھا شام کی طرف جانے کا حکم
دیا اسامہ نے کہا پیغمبر خدا نے جن جن لوگوں کو میرے لشکر میں شامل کیا تھا اور رو
گردانی کرنے پر لعنت کی تھی وہ سب کے سب میرے ساتھ چلیں تو البتہ میں جاؤں
گا جن میں سے ایک تو اور دوسرے عمر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو میرے
یار و مددگار ہیں ابوبکر کو اس سبب سے رنجش پیدا ہوئی اور انھوں نے اسامہ
کو معزول کر کے خالد بن ولید کو ان کی جگہ پر منصوب کیا اور بجانب شام روانہ کیا
علامہ حلی علیہ الرحمۃ اور حسن بن داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ
نے اسامہ کے بارے میں فرمایا کہ اسامہ نے آخر میں حق کی طرف رجوع کی تھی لہذا
اُن کے حق میں سوائے اچھائی کے کچھ نہ کہو اور اسی طرح سے پھر روایت کی
ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے والی کو لکھا کہ سعد بن وقاص

اور عبداللہ بن عمر کو مال فے میں سے کہ جس سے مراد مال خراج و غنیمت ہے کچھ نہ دو
اور اسامہ بن زید کو دو اس لیے کہ میں نے اسامہ کو ان کی اس قسم کے متعلق جو ان پر
تھی معذور رکھا لیکن علامہ علیہ الرحمہ نے آخر میں فرمایا ہے کہ ان دونوں روایتوں
کے طریق میں ضعف ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہے اور اولیٰ
یہ ہے کہ جس حدیث کے راوی اسامہ ہوں اس میں توقف کیا جائے (مواقف المومنین
ترجمہ مجالس المومنین ص ۳۵۴ تا ۳۵۵)

خباب بن الارت

شہر مکہ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ خزاعہ یا بنی زہرہ کی ایک عورت کے غلام
تھے لوہار تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے رسولِ خدا کو اس جوان سے محبت و الفت
تھی اور آپ کی اس کے پاس آمد و رفت تھی مگر یہ رسولؐ کے غلام نہیں تھے خباب
صفائے طینت و پاک دل انسان تھے اس لیے اوائل بعثت میں ہی دولت ایمان
سے مالامال ہو گئے تھے اور لوگ کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں آپ کا چھٹا
نمبر تھا یہ اپنے ایمان میں بڑے مستحکم تھے ان کو شکنجہ کیا گیا مگر اپنے مقصد سے پیچھے
نہ ہٹے۔

مشرکینِ مکہ ان کو پکڑ کر آہنی زرہ پہنا کر ریگِ گرم پر لٹا دیتے تھے تاکہ دین
اسلام سے پھر جائیں اور جب دیکھتے کہ اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کہ لکڑیاں جمع
کر کے ان کو جلاتے اور دہکتے ہوئے انگاروں پر ان کو برہنہ کر کے ان پر لٹا دیا
کرتے تھے خباب کہتے ہیں کہ اس موقع پر قریش میں سے ایک آدمی آتا اور اپنے پیر کو
میرے سینے پر رکھ کر اتنا دباتا کہ میرا گوشت و پوست آگ کے انگاروں کو بجھا دیتا۔
آخری عمر تک خباب کی پشت پر وہ نشانات مثل برص کے باقی تھے جب حضرت عمر کی
خلافت کا زمانہ آیا تو عمر نے خباب سے ان تکلیفوں کے بارے میں سوال کیا جو صدر اسلام

ہیں کفار کے ذریعہ انھیں پہنچی تھیں خباب نے کہا میری پشت دیکھیے جب عمر نے ان کی پشت دیکھی تو کہا ابھی تک اس طرح میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

شعبی سے روایت ہے کہ خباب وہ شخص تھے کہ مشرکین کے برابر شکنجہ کیے جانے کے باوجود اپنے ایمان پر باقی رہے اور دین خدا سے دست بردار نہیں ہوئے مشرکین جب یہ دیکھتے تھے تو پتھروں کو گرم کرکے ان پر لٹاتے تھے اور ان کو اتنا دباتے تھے کہ گوشت پانی ہو جاتا تھا۔

مشرکین مکہ تازہ مسلمانوں کو مالی اعتبار سے بھی ہر طرح کا نقصان پہونچاتے تھے اس بارے میں طبرسی اور دوسرے لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ عاص بن وائل خباب کا قرضدار تھا پس جب خباب مسلمان ہو گئے تو اپنے حق کا مطالبہ کیا عاص نے کہا کہ میں تمہارا قرض ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تم دین اسلام سے باز نہ آؤ گے اور کافر نہ ہو گے خباب نے کہا میں ہرگز کافر نہ ہوں گا جب تک کہ تو مر جائے اور قیامت کے دن اٹھایا جائے عاص نے کہا میں جب قیامت میں اپنا مال اور اولاد پاؤں گا تو تیرا مطالبہ پورا کروں گا اس موقع پر یہ آیت پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی۔ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا (سورہ مریم)

ترجمہ:۔ اے رسولؐ کیا تم نے اس شخص پر بھی نظر کی جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہنے لگا اگر قیامت ہوئی تو بھی مجھے مال اور اولاد ضرور ملے گی کیا اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا یا اس نے خدا سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے ہرگز نہیں جو کچھ یہ بکتا ہے سب ہم ابھی سے لکھے لیتے ہیں اور اس کے لیے اور زیادہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو مال و اولاد کی نسبت بک رہا ہے ہم ہی اس کے مالک ہو بیٹھیں گے۔

ابن اثیر اور دوسرے لوگوں نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ جب مشرکین کی اذیتوں میں

زیادتی ہوئی تو آپ رسولؐ خدا کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ خدا سے میری نصرت و مدد کے لیے دعا فرمائیں خباب کہتے ہیں کہ اس وقت رسول خدا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس قدر صابر اور متحمل تھے کہ ان کو زمین میں گڑھا کھود کر دبا دیا جاتا اور ان کا سر زمین سے باہر ہوتا تھا جس کو آرے سے کاٹا جاتا اور لوہے کے کنگھوں سے ان کے گوشت ہڈیوں اور رگوں کو پارہ پارہ کیا جاتا تھا لیکن وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔

دلچسپ داستان اس سلسلے میں لوگوں نے یہ نقل کی ہے کہ خباب تلواریں بنایا کرتے تھے اور رسولؐ خدا کا آپ کے پاس آنا جانا تھا خباب ام انمارہ عورت کے غلام تھے اس بات کی خبر اس عورت کو ہو گئی اس عورت نے جب یہ سنا تو لوہا گرم کیا کرتی اور اس گرم لوہے کو خباب کے سر پر رکھ کر اذیت دیتی تھی اور کہتی تھی کہ وہ پیغمبر سے ملنا چھوڑ دے اور ان کے دین سے دست بردار ہو جائے خباب نے اس کی شکایت پیغمبرؐ سے کی آپ نے اس کے لیے دعا کی اللھم انصر خبابا یعنی خدایا خباب کی نصرت فرما پس اس دعا کے بعد ام انمار ایسے درد سر میں مبتلا ہوئی کہ کتوں کی طرح بھونکتی اور چلایا کرتی تھی بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا علاج یہ بتایا گیا کہ لوہا گرم کرکے اس کے سر پر رکھا جائے چنانچہ خباب لوہا گرم کرکے اس کے سر پر رکھتے تھے جس سے اسے درد سر سے سکون ملتا تھا۔

امیر المومنینؑ نے خباب کی موت کے موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں راہِ اسلام میں جو ان کو اذیتیں دی گئیں اور ان کو شکنجہ کیا گیا لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

خباب کا انتقال بنا بر مشہور ۳۷ھ کوفہ میں ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق بیرون کوفہ دفن کیا گیا اس وقت امیر المومنینؑ صفین میں تھے کہا جاتا ہے کہ خباب پہلے وہ شخص ہیں جو کوفہ سے باہر دفن ہوئے یہ اس وقت بیمار تھے اس لیے جنگ میں شرکت نہ کر سکے اور امیر المومنین علیہ السلام کی غیر موجودگی میں وفات پائی۔ جب

امیرالمومنینؑ واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔ یرحم اللہ خباب بن الارت
فلقد اسلم راغبا وھاجر طائعا وقنع بالکفاف ورضی عن اللہِ وعاش مجاھدًا
خدا رحمت نازل فرمائے خباب بن الارت پر کہ برضا و رغبت اسلام قبول کیا
اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ہجرت کی اور بقدر کفایت زندگی قناعت
کے ساتھ گزاری اور ہر حالت میں خداوند عالم کے ہر حکم سے خوش اور راضی
تھے اور ابن اثیر اور دوسروں نے اس کے بعد یہ جملے نقل کئے ہیں جسمانی
اذیتوں میں مبتلا رہے اور خدا کسی کے نیک عمل کو برباد وضائع نہیں کرے گا یعنی
نیک عمل کی جزا نیک دے گا۔

ابو سلمیٰ

یہ حبش کے رہنے والے تھے اسود لقب تھا اور ایک یہودی کے چرواہے
تھے اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے، رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ
اس وقت خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اس چرواہے کے ہمراہ کچھ
بکریاں ایک یہودی کی تھیں وہ ان کو اجرت پر چراتا تھا اس چرواہے نے
عرض کی یا رسولؐ اللہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے رسولؐ نے اسے تعلیم دی وہ
مسلمان ہو گیا رسولؐ خدا کسی شخص کو جو آپؐ سے اسلام کی خواہش ظاہر کرتا تھا حقیر
نہ سمجھتے تھے الغرض آپؐ نے اسے اسلام کی تعلیم دی اسود نے عرض کیا کہ میں
ان بکریوں کے مالک کا مزدور ہوں اور یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں میں
انھیں کیا کروں رسولؐ نے فرمایا کہ ان کے منہ پر مارو یہ اپنے مالک کے پاس
لوٹ جائیں گی پس اسود کھڑے ہو گئے اور انھوں نے ایک مٹھی مٹی لے کر ان
کے منہ پر ماردی اور کہا کہ اے بکریو! اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ اب میں خدا
کی قسم تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا پس وہ بکریاں لوٹ گئیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا
ہانکنے والا انھیں ہانک رہا ہے یہاں تک کہ وہ قلعہ میں داخل ہو گئیں پھر اسود قلعہ
کی طرف بڑھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کے لڑیں کہ ایک پتھر ان کے لگ
گیا اور وہ شہید ہو گئے اسود نے اب تک کوئی نماز نہیں پڑھی تھی پھر رسولؐ کے
پاس لائے گئے اور آپ کے پیچھے رکھ دیئے گئے اور ایک چادر انھیں اڑھا دی گئی
جو وہ اوڑھے ہوئے تھے رسولؐ خدا ان کی طرف دیکھنے لگے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ
کے کچھ اصحاب تھے پھر آپؐ نے جلدی سے منھ پھیر لیا لوگوں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ
آپؐ نے کیوں منہ پھیر لیا فرمایا ان کے ہمراہ ایک حور العین ہے جو ان کی بیوی
ہے ابو سلام نے بواسطہ ابو سلمیٰ چرواہے کے پیغمبر اسلامؐ سے حدیث نقل کی
ہے کہ آپ نے فرمایا پانچ چیزیں بہت مبارک ہیں ترازوئے اعمال میں ان کا
وزن بہت بھاری ہے ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ابو سلمیٰ رسولؐ کے چرواہے
تھے بعض گمان کرنے والوں نے وہم کیا ہے کہ ان کا نام اسلم ہے حالاں کہ
ان کا نام حُریث ہے اور انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ خیبر میں شہید
ہوئے حالاں کہ یہ ایک دوسرا ہم ہے اور ابو نعیم نے وہ حدیث بھی بیان کی
ہے جو ابن مندہ نے بیان کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا پانچ چیزیں بہت مبارک
ہیں ترازوئے اعمال میں ان کا وزن بہت بھاری ہے وہ پانچ چیزیں یہ ہیں ...
لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر، سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اولاد صالح جو کسی مرد مسلمان
کی موت ہو جائے اور وہ اس پر صبر کرے ابو نعیم نے کہا ہے کہ خیبر میں جو ابو سلمیٰ
شہید ہوئے ان سے ابو سلام روایت نہیں کرتے اور حدثنا نہیں کہتے پس اگر
انھوں نے عن ابی سلمیٰ کہا ہے تو یہ حدیث مرسل ہو گی یعنی درمیان سے کوئی راوی
چھوٹ گیا) ان کا تذکرہ مندہ اور ابو نعیم نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۹ ص ۱۰۸،۱۰۹

افلح

رسولؐ خدا کے غلام ہیں ابن مندہ نے کہا ہے کہ ان کو وہی شخص سمجھتا ہوں جنھیں نبیؐ نے فرمایا تھا کہ تمہارا چہرہ خاک آلود ہو جائے۔ ابونعیم نے ان کے متعلق ام سلمہ کی حدیث روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا نبیؐ نے ہمارے ایک غلام کو دیکھا جس کا نام افلح تھا وہ سجدہ میں زمین پھونکتا تھا تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ تیرا منہ خاک آلود ہو جائے اور حبیب مالکی نے افلح سے جو رسولؐ کے غلام تھے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا مجھے اپنی امتؐ پر اپنے بعد اس بات کا خوف ہے کہ وہ اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے اور بعد علم کے غفلت اختیار کریں گے۔ ترجمہ اسد الغابہ ج ا صـ۱۵۲)

آنسہ

رسولؐ خدا کے غلام تھے غلاموں کی اولاد سے تھے ان کی کنیت ابومسرح ہے اور بعض لوگ ابومسرح کہتے ہیں جب یہ بیٹھتے تھے تو نبیؐ سے اجازت لے کر بیٹھتے تھے (اس درجہ فرماں بردار تھے) آپ کے ساتھ جنگِ بدر میں شریک ہوئے یہ عروہ اور زہری اور ابن اسحاق کا قول ہے حضرت ابوبکر کی خلافت میں وفات پائی داؤد بن حصین عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ یہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے واقدی نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے انھوں نے کہا ہے کہ میں نے اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ جنگِ احد میں بھی شریک ہوئے تھے اور جنگِ احد کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہے اور نبیؐ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت میں

انھوں نے وفات پائی (ترجمہ اسد الغابہ ج ا صـ۱۸۶)

باقوم رومی

سعید ابن عاص کے غلام تھے مدینہ کے بڑھئی تھے ان سے صالح مولیٰ توامہ نے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسولؐ کے لیے تین زینوں کا منبر بنایا تھا جو جھاؤ کی لکڑی کا تھا (ترجمہ اسد الغابہ ج ا صـ۲۲۰)

ابورافع ثانی

یہ دوسرے ابورافع ہیں سعید ابن عاص کے غلام تھے سعید کے بعد اس کے بیٹوں کی ملکیت میں آگئے خالد کے علاوہ سعید کے تمام بیٹوں نے اپنے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تھا خالد نے اپنا حصہ آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا حضورؐ نے بھی اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس طرح ابورافع مکمل طور پر آزاد ہو گئے ہمیشہ بہ انداز فخر کہا کرتے تھے میں سرکارِ دو عالم کا آزاد کردہ غلام ہوں (اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ، صـ۶۵ غلامانِ اسلام صـ۹۰) ابورافع کے پوتے عثمان نے اپنے دادا کے آزاد ہونے کا واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ جب ابورافع مسلمان ہو کر اور ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضورؐ نے خالد سے ان کے معاملہ میں گفتگو فرمائی اس وقت نہ تو خالد ان کو آزاد کرنے کے لیے آمادہ ہوئے اور نہ ہبہ اور بیع کے لیے لیکن بعد میں خالد کو اپنی اس جرأت پر بڑی ندامت ہوئی اور ابورافع کے قبہ پر ان کا جو حصہ تھا وہ انھوں نے آنحضرتؐ کے نام ہبہ کر دیا آپ نے فوراً ہی ان کو آزاد کر دیا (اصابہ ج ، صـ۶۵ غلامانِ اسلام صـ۹۰)

مہران

رسول خدؐا کے غلام تھے بعض لوگ ان کو طہمان کہتے تھے اور بعض لوگ مہران
عطا بن سائب نے کہا ہے کہ میں ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) کے پاس گیا انھوں
نے کہا میں تمہیں ایک خاتون کا پتہ دیتا ہوں جو ہمارے ہی خاندان سے یعنی علیؑ
ابن ابی طالب کی اولاد سے ہیں چنانچہ میں ان کے پاس گیا انھوں نے کہا مجھ سے
رسولؐ خدا کے ایک غلام نے بیان کیا جن کا نام ذکوان یا طہمان تھا کہ رسولؐ خدا نے
فرمایا اے ذکوان صدقہ نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میرے اہلبیتؑ کے لیے اور
بیشک قوم کا غلام بھی انھیں میں سے ہے ان کا تذکرہ ابو نعیم اور ابو عمر اور ابو موسیٰ
نے کیا ہے (اسد الغابہ ج ۳ صنہ ۱۹)

رباح

ان کا رنگ سیاہ تھا اس لیے اسود پکارے جاتے تھے کبھی کبھی رسولؐ خدا کی
دربانی کیا کرتے تھے یہی تھے جنھوں نے حضرت عمر بن خطاب کے لیے آپ کے پاس
جانے کی اجازت مانگی تھی جب کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے علیحدہ ہو کر بالاخانہ پر
اقامت فرمائی تھی آپ آنحضرتؐ کے حبشی غلام تھے۔

سفینہ

ان کا نام رومان رومی ہے سفینہ ان کا لقب ہے حضرت امّ سلمہ کے غلام
تھے مگر آزادی کا حق پیغمبر اسلام کو ملا تھا بلخ کے قیدیوں میں سے تھے اُن کے نام
میں اختلاف کیا گیا ہے ابو نعیم نے کہا ہے کہ یہ بلخ کے قیدیوں میں تھے اور روم کی
طرف ان کو نسبت دی گئی ہے مگر روم اور بلخ نبیؐ کے زمانہ میں مفتوح نہ ہوئے تھے پھر
وہاں سے قیدی کس طرح آئے۔

صاحب کنوز المعجزات نے اس غلام رسولؐ سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ

ابن اعرابی رسول اللہ کے غلام سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں کشتی پر سوار ہوا
کچھ عرصہ کشتی سمندر میں چلنے کے بعد مع سامان کے ڈوب گئی تمام لوگ بھی غرق ہو
گئے میں ایک تختہ پر بچ گیا سمندر میں تختہ چلتا رہا اور ایک بڑے پہاڑ کے قریب
جا لگا میں کوشش کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ ایک شیر
میری طرف دھاڑتا ہوا آیا میں ڈر گیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی پالنے والے جس
طرح تو نے مجھے سمندر سے بچایا ہے اپنے حبیب محمد مصطفیٰؐ کے صدقے میں اس
شیر سے بھی محفوظ رکھ جب شیر قریب آیا تو میں نے شیر کو آواز دے کر کہا کہ میں
رسول اللہ کا غلام سفینہ ہوں لہٰذا میرا خیال کرنا تجھ پر لازم ہے اتنا سن کر شیر
نے اپنا سر میرے قدموں میں رکھ دیا اور انکساری کرنے لگا اور بلّی کی طرح کبھی
میری پنڈلیوں پر اور کبھی قدموں پر سر رگڑتا تھا پھر اُس نے مجھے اپنی پشت
خمیدہ کر کے اشارہ کیا کہ سوار ہو جاؤ میں شیر پر سوار ہو گیا اور وہ مجھے جلدی جلدی
لے کر چلا آخر کار مجھے ایک جزیرہ میں لے آیا جس میں پھل دار درخت اور پانی کا
شیریں چشمہ تھا میں نے شیر سے اتر کر پھل توڑے اور کھائے جب خوب کھا چکا تو
پانی پیا اور سیر ہو گیا پھر کچھ پھل ساتھ لے لیے شیر نے پھر اپنی پشت کی طرف
اشارہ کیا میں سوار ہو گیا شیر مجھے پھر سمندر کے کنارے لے گیا میں نے سمندر میں
ایک کشتی دیکھی اور کشتی والوں کو پکارا کشتی والوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور
لنگر ڈال دیے۔ دو آدمی چھوٹی کشتی لے کر میری طرف بڑھے اور کنارے تک
کشتی لے آئے۔ میں شیر کی پشت سے اترا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور کشتی
پر سوار ہو گیا۔ غلام سفینہ کہتا ہے خدا کی قسم، جب میں شیر سے جدا ہوا تو
اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور شیر بار بار ہماری طرف دیکھتا
تھا حتّٰی کہ ہم پوشیدہ ہو گئے۔ (کنوز المعجزات ص ۳۴)

رُباعی

یہی وہ لوگ ہیں جن کی غلامی کو درندے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جن کی سلامی کو پرندے ہیں
ابوذر ہو کہ سلماں ہو سفینہ ہو کہ قنبر ہو
سبھی آلِ محمدؐ کے محب اللہ کے بندے ہیں

رُوَیفع

آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ ان کا تذکرہ ابو عمر نے مختصر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا اور ابو احمد عسکری نے کہا ہے کہ ابو رُویفع کی مدینہ میں کچھ اولاد تھی مگر وہ سب گزر گئے اور ان کی نسل باقی نہیں رہی۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۳)

ابو یسار

ان کا نام زید ہے، مدینہ میں رہتے تھے، رسولؐ کے غلام تھے۔ ان کی روایت کردہ حدیث کو بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد سے انھوں نے ان کے دادا زید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کہے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۔ یہ زید بن بولی کے بیان میں گزر چکا ہے۔ زید بن بولی اور زید ابو یسار ایک ہی ہیں۔

(ترجمہ اسد الغابہ ج ۴)

مابور

خواجہ سرا یعنی خصی تھے۔ شاہ مقوقس (شاہ اسکندریہ) نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ جعفر نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور انھوں نے اپنی سند کے ساتھ مصعب سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ماریہ بنت شمعون قبطیہ کے بطن سے فرزند پیدا ہوا جن کو مقوقش نے رسولؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا اور ان کے ساتھ ان کی بہن سیرین کو اور ایک خصی غلام کو جن کا مابور نام تھا بھیجا تھا۔ ابن زہیر نے اس تذکرہ میں سلیمان بن ارقم کی حدیث لکھی ہے جو انھوں نے عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ ماریہ ہدیۃً آئی تھیں اور ان کے ساتھ ان کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ اس حدیث کو انھوں نے پورا بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ ان کو قتل کر دیں مگر انھوں نے دیکھا کہ وہ خصی ہیں۔ ان کا تذکرہ ابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۱)

مدغم

یہ ایک حبشی غلام تھے۔ رفاعہ بن زید جذامی نے ان کو رسولؐ خدا کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا اور رسولؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور بقول بعض حضرات کے آزاد نہیں کیا تھا۔ یہی ہیں جنھوں نے غزوۂ خیبر میں مال غنیمت کی ایک چادر پوشیدہ رکھی تھی اس کے بعد مقتول ہوئے تھے تو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ وہ چادر ان کے جسم پر آگ سے مشتعل ہو رہی

ہے۔ ہمیں عبیداللہ بن احمد نے اپنی سند کے ساتھ یونس بن بکیر تک خبر
دی وہ ابن اسحاق سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے کہا مجھے ثور ابن
زید نے سالم مولیٰ عبیداللہ بن مطیع سے انھوں نے حضرت ابو ہریرہ سے
روایت کر کے بیان کیا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ
خیبر سے وادی القریٰ کی طرف چلے۔ آپ کے ہمراہ ایک غلام تھا جو رفاعہ
بن زید نے آپ کو دیا تھا، پس غروب آفتاب کے وقت وہ رسولؐ اللہ
کا اسباب اتار رہا تھا کہ یکایک کسی طرف سے ایک شیر آیا اور وہ غلام
اس سے زخمی ہو کر مرگیا تو ہم سب لوگوں نے کہا کہ یہ غلام بڑا خوش نصیب
تھا، اس کو جنت مبارک ہو۔ رسولؐ نے فرمایا، قسم اس کی جس کے
ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ وہ چادر اب تک اس کے جسم پر آگ سے
مشتعل ہو رہی ہے جو اس نے خیبر کے دن ان مسلمانوں کے مال غنیمت
سے مخفی کر دی تھی۔ اس کا تذکرہ ابو عمر نے کیا ہے۔

(ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۹۹)

فضالہ

رسولؐ کے غلام تھے اہل یمن سے تھے اس کو جعفر نے بیان کیا ہے
اور انھوں نے ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شام میں فروکش تھے۔
ابوبکر بن جریر نے ان کو رسولؐ اللہ کے غلاموں میں ذکر کیا ہے۔ بعض
لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی وفات شام میں ہوئی۔ ان کا تذکرہ ابو عمر او
ابو موسیٰ نے کیا ہے، ابو عمر نے کہا ہے کہ میں ان کا حال اس سے زیادہ کچھ
نہیں جانتا۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۲۴۵)

کرکرہ

کسی نے آنحضرتؐ کو ہدیہ دیا تھا۔ آپ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ صحابی ہیں
مگر ان کی کوئی روایت معلوم نہیں۔ ان کا ذکر ایک حدیث میں جو ہم سے بہت سے
لوگوں نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن اسمٰعیل سے روایت کر کے بیان کیا ہے وہ
کہتے ہیں ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں سفیان نے عمرو
سے انھوں نے سالم بن ابی الجعد سے انھوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کر کے
خبر دی کہ وہ کہتے تھے کہ مال غنیمت پر ایک شخص متعین تھا جس کو لوگ کرکرہ کہتے تھے،
جب وہ مرا تو نبیؐ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔ لوگوں نے جا کر دیکھا
تو ایک عبا مال غنیمت کی اس نے چرائی تھی۔ بخاری نے کہا ہے کہ ابن سلا
نے بھی اس کا نام کرکرہ بیان کیا ہے[1]

پیغمبر اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور بردہ فروشی
کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا کہ شر الناس من باع الناس بدترین
انسان وہ ہے جو بردہ فروشی کرے۔ کفارہ میں غلاموں کی آزادی کو جگہ
دی۔ مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف غلاموں کی آزادی کو قرار دیا
اگر کوئی غلام اندھا یا از کار رفتہ یا کوڑھ میں مبتلا ہو جاتا تو آزاد ہو جاتا
اگر کنیز صاحب اولاد ہو جاتی تو مالک کے مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے
آزاد ہو جاتی اور جو غلامی پر باقی رہتے ان سے نہ صرف حسن سلوک
بلکہ مساویانہ سلوک کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے

---

[1] اسلام میں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ عزت ہے ایسا نہیں ہے کہ ہر غلام
قابل احترام ہے —— مولف

جو خود پہنتے ہو وہ انھیں پہناؤ اور جو خود کھاتے ہو وہ انھیں کھانے کو دو۔

پیغمبر اسلام نے اپنی وفات کے بعد اپنی تعلیمات کو امت کی ہدایت کے لیے دو چیزیں چھوڑیں۔ کتاب خدا (قرآن) اور اہل بیتؑ۔ ان دونوں میں ایک آئین تھا اور دوسرا اس آئین پر عمل کر کے امت کی ہدایت کرنے کے لیے معلم کی حیثیت سے (اہل بیتؑ) تھے۔ کتاب کے ساتھ ہر دور میں ایک معصوم معلم کی ضرورت تھی۔ غلامی کے انسداد کے لیے پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں اپنا اسوۂ حسنہ پیش کیا تو آپ کی وفات کے بعد ہر دور میں آپ کے جانشینوں نے اپنا کردار اور حسن اخلاق مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا سے غلامی کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا کردار پیش کر رہے ہیں۔

حضرت علیؑ کا غلاموں سے برتاؤ

امیر المومنین غلاموں سے گہری ہمدردی رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی محنت کی کمائی ان کی آزادی اور فلاح و بہبود کے لیے مخصوص کر دی اور انھیں آزادی سے بہرہ یاب کر کے اس کا موقع دیا کہ وہ ترقی کے منازل طے کر کے معاشرہ میں بلند مقام حاصل کریں اس لیے کہ ترقی کسی خاص نسل اور رنگ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک آزاد کو جتنا آگے بڑھنے کا حق ہے اتنا ایک غلام کو بھی حق حاصل ہے۔

امام جعفر صادق کا ارشاد ہے ان امیر المومنینؑ اعتق الف مملوک من کد یدہ۔ (وسائل الشیعہ)

امیر المومنینؑ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔

حضرت صرف غلاموں کی آزادی پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ایسے غلاموں کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے لیتے تھے جو کم سنی، بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کاروکسب نہ کر سکتے تھے اور ہمیشہ ان پر نظر توجہ رکھتے تھے، آپ کی شفقت و مرحمت کا یہ عالم تھا کہ انھیں یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ کسی کوتاہی یا سرتابی کی پاداش میں انھیں سزا دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی غلام کو کسی کام کے لیے آواز دی، چند بار پکارنے پر جب وہ نہ آیا تو آپ نے باہر جھانکا دیکھا کہ وہ غلام دروازہ پر کھڑا ہے، فرمایا

کہ میں نے تمھیں کتنی بار پکارا ہے، کیا تم نے میری آواز نہیں سنی ؟ کہا کہ میں اس لیے خاموش رہا کہ مجھے آپ کی طرف سے یہ خطرہ نہ تھا کہ میرے جواب نہ دینے پر آپ مجھے سزا دیں گے۔ حضرت نے یہ سنا تو فرمایا الحمد للہ الذی جعلنی من تامنہ خلقہ' انھض فانت حر لوجہ اللہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسا قرار دیا جس کے گزند سے خلق خدا اپنے کو محفوظ سمجھتی ہے، اٹھو تم راہ خدا میں آزاد ہو۔

جناب امیرالمومنینؑ اپنے زمانۂ خلافت میں بازار آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی موجود تھا۔ آپ نے دو قمیصیں خریدیں اور غلام سے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے جو قمیص تجھے پسند ہو لے لے۔ غلام نے ایک قمیص لے لی دوسری آپ نے پہن لی۔ آپ کی قمیص کی آستینیں بڑی تھیں، آپ نے حکم دیا کہ اسے کاٹ لیا جائے، چنانچہ وہ کاٹ لی گئی۔ (بحار الانوار)

جب آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے اور زمانہ عثمان کے جمع شدہ اموال کی تقسیم شروع ہوئی، سہیل بن حنیف کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے، کیا اس کو بھی تین ہی دینار ملیں گے؟ فرمایا ہاں اسے بھی تین ہی دینار ملیں گے۔

حضرت کے ایک غلام قنبر تھے جنھیں آپ انتہائی عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں لے کر بازار گئے اور فرمایا، مجھے ایک پیراہن خریدنا ہے اور تمھیں بھی ایک پیراہن کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک پارچہ فروش کی دوکان سے ایک سستا اور ایک اس سے زیادہ قیمت کا کپڑا خرید کیا اور قنبر سے کہا کہ سستا کپڑا میرے لیے رہنے دو اور قیمتی کپڑا تم لے لو۔ قنبر نے کہا کہ آپ میرے آقا ہیں، بہتر ہے کہ اچھا کپڑا آپ پہنیں۔ حضرت نے

فرمایا تم جوان ہو اور تم میں جوانی کا ولولہ ہے، تمھارے لیے یہی لباس بہتر ہے، میں یہ لباس پہن لوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں اپنا معیار تم سے بلند رکھوں۔

شاید یہ بات نرالی اور انوکھی نہ سمجھی جائے کہ حضرت نے اپنے دور خلافت میں اپنے ایک غلام کے لیے عمدہ لباس پسند کیا کیونکہ دنیا میں فرمانرواؤں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ شان وشکوہ کے مظاہروں کے لیے اپنے غلاموں کو آراستہ و پیراستہ رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہی درباروں میں ان کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے جسموں میں زرق برق پوشاکیں سروں پر رنگین صافے، کمر میں زریں پٹکے جن میں موتی ٹنکے ہوئے، گلے میں سنہری کنٹھے اور ہاتھ میں طلائی یا نقرئی عصا ہوتے تھے۔ ان فاخرہ ملبوسات سے ظاہری نمود و نمائش کا سامان تو ہو جاتا ہے مگر احساس غلامی ختم نہیں ہوتا بلکہ اس خاص طرز کی وضع قطع کو غلامی کا نشان سمجھ کر غلامی کا احساس اور ابھر آتا ہے اور ہر غلام اس سج دھج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو گا اور اس کی تمنا یہ ہو گی کہ اسے تن ڈھانکنے کے لیے چیتھڑے ملتے مگر اس کے پیروں میں غلامی کی بوجھل زنجیریں نہ ہوتیں۔

امیرالمومنینؑ جو انسانی نفسیات و احساسات پر نظر غائر رکھتے تھے، اس خیال سے کہ قنبر کو یہ احساس نہ ہو کہ انھیں عمدہ لباس غلام نوازی کی بنا پر دیا جا رہا ہے، یہ کہہ کر ان میں غلامی کا احساس ابھرنے نہیں دیا کہ تم نوجوان ہو اور عمدہ لباس بوڑھوں کے بجائے نوجوانوں کو زیب دیتا ہے۔ اور اس طرح ان کا ذہنی رخ موڑ کر یہ تاثر دیا کہ سن و سال کے لحاظ سے تو انسان کے طبعی تقاضوں میں فرق ہو سکتا ہے مگر انسان

ہونے کے اعتبار سے سب کے احساسات یکساں ہوتے ہیں۔ یہ وہ طرزِ عمل تھا جس نے غلاموں کے قافلے کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کے ذہنی شعور کو بیدار کر کے مخفی صلاحیتوں کو رو بہ عمل لانے کی تحریک پیدا کی۔ چنانچہ اسی ذہنی نمود کے نتیجہ میں غلاموں میں کا ایک طبقہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اپنی سعی و کاوش سے تختِ شاہی کی بلندیوں تک پہنچا اور سلطنتوں کا بانی قرار پایا۔

غلامانِ امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب

بونیزر نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپنے میں شرفِ اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ رسالت مآبؐ کی خدمت میں لائے گئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت نے ان کی تربیت کی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں ان کے حالات کا تذکرہ ہے اور ان کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنینؑ کے چشمہ برآمد کرنے اور اسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود اس کو آنحضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو دے دیا تھا پھر یہ معاویہ کے پاس چلا گیا۔

سعد و نصر یہ دونوں کربلا میں شہید ہوئے۔

احمر صفین میں قتل ہوئے۔

غزوان و ثبیت و میمون ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

کنیزیں، فضہ، زہراء و سلافہ، ان کا تذکرہ کنیزوں کے حالات میں ملاحظہ فرمائیں۔

جناب قنبر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور و معروف غلام تھے، حضرت آپ کو بہت مانتے اور عزیز رکھتے تھے، قنبر بھی حضرت کے بڑے جاں نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو؟ جواب دیا: من ضرب بسیفین وطعن برمحین وصلی القبلتین و بایع البیعتین وھاجر ھجرتین ولم یکفر باللہ طرفۃ عین۔ میں اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا اور جو دو نیزوں سے لڑتا تھا، جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دونوں بیعتیں کیں، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سکنڈ کے لیے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرت کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کون سی خدمت انجام دیتے تھے کہا وضو کے لیے حضرت کے میں پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے، کہا اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شئی.... الخ پھر ہر چیز کی انھیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی

نعمت کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں
جب ان کو پاکر خوش ہوئے تو ہم نے ان کو ناگہاں لے ڈالا، اس وقت
وہ ناامید ہوکر رہ گئے (پ ۷ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت
ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا
مصداق جانتے اور انھیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں ایسا
ہی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے ایک روز کہا' مجھے
بڑی تمنا ہے کہ میں شیعیانِ ابو ترابؑ سے ایک شخص کو پکڑ پاتا اور اس کو
قتل کر کے (معاذ اللہ) خدا کی خوشی حاصل کرتا۔ لوگوں نے کہا ہمارے
نزدیک قنبر جو ان کے غلام ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں ہے جو ان
کی صحبت میں زیادہ رہا ہو۔ حجاج نے کسی کو بھیج کر انھیں گرفتار کرالیا۔
جب سامنے آئے دیکھ کر وہ ملعون کہنے لگا تو ہی قنبر علیؑ ابن ابی طالب کا
غلام ہے؟ انھوں نے کہا اللہ میرا مولا ہے اور امیر المومنینؑ میرے ولی
نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا تم ان کے دین سے تبرّا کرو۔ انھوں نے کہا اگر
میں علیؑ کے دین سے تبرا کروں تو مجھے دوسرا کوئی دین بتا دے جو ان کے
دین سے بہتر ہو۔ حجاج نے کہا میں تمھیں ضرور قتل کروں گا، اب تمھیں
اختیار ہے جس قسم کا قتل تمھیں پسند ہو اسے بتا دو۔ قنبر نے کہا یہ تیرے
اختیار میں ہے جس طرح کا قتل تو اپنے لیے اختیار کرلے۔ اس لیے کہ جس
طرح تو مجھے یہاں قتل کرے گا میں بھی قیامت کے روز اسی طرح تجھے
قتل کروں گا۔ میرے مولا امیر المومنینؑ مجھ سے فرما گئے ہیں کہ میں ناحق
ذبح کیا جاؤں گا۔ یہ سنتے ہی حجاج نے حکم دیا کہ ان کو ذبح کر دو، پس

وہ ذبح کر دیے گئے۔ آپ کی قبر بغداد میں ہے، مومنین جاتے ہیں اور
زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

تاریخ الائمہؑ میں ہے کہ حضرت کے صرف دو غلام تھے قنبر اور یحییٰ
بن کثیر۔ یہ یحییٰ اور ان کے بیٹے عبداللہ بڑے عالم تھے۔ (تاریخ الائمہ ص ۲۰۹)

جناب میثم تمار

ابو سالم میثم تمار بن یحییٰ التمار امیر المومنینؑ کے آزاد کردہ غلام، آپ
کے مخصوص صحابی و حواری، آپ کے رموز و اسرار اور علوم کے خزینہ دار
تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

میثم کو امیر المومنینؑ نے بے شمار علم اور مخفی اسرار پر مطلع کیا تھا۔
ضروری تو یہ تھا کہ حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ان کے تفصیلی
حالات اور ان کے علمی آثار کا ذکر ہوتا کیونکہ میثم ایسے بزرگ کی زندگی اسلام
اور مسلمانوں کے لیے فخر و ناز کا سرمایہ اور مسلمانوں کے لیے محاسن افعال کا
بہترین محرک ہے مگر افسوس کہ میثم اور ان کے جیسے مجسمۂ علم و عمل
بہت سے بزرگوں کے اوراق حیات ضائع و برباد ہو گئے۔ کتابوں میں
ان کے بہت مختصر حالات ملتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں
پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ وہ کس قوم و قبیلہ کے تھے، ان کا اصلی
وطن کہاں تھا اور کہاں سے چل کر کوفہ پہنچے؟ کب مسلمان ہوئے؟ کیا
ان کے باپ ان سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؟ کیا ان کے باپ بھی غلام
تھے؟ کس عمر میں جناب میثم درجۂ شہادت پر فائز ہوئے؟ ان کے علمی
آثار کیا ہیں؟ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کتابوں میں ڈھونڈنے

سے نہیں ملتیں۔ بہر حال ہمیں جو کچھ ان کے حالات معلوم ہو سکے، نذرِ ناظرین کر رہے ہیں

میثم کا قوم و قبیلہ اور ان کا وطن

میثم اور ان کے باپ دونوں عربی ناموں پر ہیں جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ اصلاً عربی ہیں۔ عجم والے بھی اگرچہ عربی نام رکھتے تھے مگر اس کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب اسلام ہر طرف پھیل چکا تھا اور عربوں کے اقتدار کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا غلبہ بھی بلادِ عجم پر ہو چکا تھا۔ کوئی تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ ایرانی حکومت اقتدار کے زمانہ میں بھی وہاں کے باشندوں کے نام عربی ناموں جیسے ہوا کرتے تھے۔

یہی حال ان کی وطنیت کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نہروانی تھے۔ نہروان ایک بڑا علاقہ ہے بغداد اور واسط کے مشرقی جانب۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں بس اسی ایک نہروان کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ میثم عرب ہی کے رہنے والے تھے عجمی نہ تھے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل میں وہ عجم کے رہنے والے ہوں۔ رہ گیا نام تو ممکن ہے اہل عجم بھی عربی ناموں پر اپنے نام رکھتے ہوں خصوصیت کے ساتھ اس علاقہ کے باشندے جو عرب کے پڑوس میں تھے۔ اسی طرح نہروان اگرچہ یہ عراق میں واقع ہے لیکن عراق خصوصیت کے ساتھ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے مشرق میں واقع ہے ایرانی حکومت میں واقع تھا اور شاہانِ فارس کے دار السلطنت سے بہت قریب تھا۔

میثم کے عجمی ہونے کے ثبوت میں امیر المومنینؑ کے لفظوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے جب امیر المومنینؑ نے قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون سے

انھیں خرید کیا اور آپ نے ان کا نام پوچھا اور انھوں نے اپنا نام میثم بتایا تو آپ نے فرمایا "تمھارے باپ نے عجم میں تمھارا نام میثم رکھا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی طے شدہ نہیں کہ عجم خاص کر ایران والوں کو کہا جاتا تھا یا دوسرے علاقوں کو بھی عام طور پر اہل عرب اپنے کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا کے لوگوں کو جس میں ایران وغیرہ سبھی شامل ہیں عجم کہتے تھے۔ پھر انھیں نہروانی جو کہا جاتا ہے تو آیا اس وجہ سے کہ یہ نہروان میں پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آکر نہروان میں بس گئے تھے۔ ان تمام باتوں میں سے کسی بات کے متعلق قطعی طور کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

میثم کا اسلام

تاریخ کی کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب کوفہ آئے، قبیلہ بنی اسد کی عورت کیونکر مالک ہوئی، کب وہ اسلام لائے؟ البتہ گمان ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ کی غلامی میں آنے کے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ امیر المومنینؑ نے جب ان سے کہا کہ رسولؐ اللہ مجھے خبر دے چکے ہیں کہ تمھارے وطن عجم میں تمھارے باپ نے تمھارا نام میثم رکھا تھا تو میثم نے کہا تھا صدق اللہ و رسولہ وصدق امیر المومنین سچ کہا خدا اور رسولؐ نے اور سچ فرماتے ہیں امیر المومنینؑ۔ اس جملہ سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ مومن اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی آپ کے دوستداروں اور ارادت مندوں میں سے تھے۔

میثم غلام تھے

جناب میثم قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے (ارشاد شیخ مفید

امیرالمومنینؑ نے انھیں خرید کر آزاد کیا لیکن ان کے غلام ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسود حبشی بھی ہوں۔ اس لیے کہ عربوں نے فارس اور آس پاس کے تمام ملکوں کو فتح کر لیا تھا جہاں کے باشندے سفید رنگ کے تھے اور فتح کے نتیجہ میں جتنے کافر قید ہوئے وہ غلام بنائے گئے۔ اس بنا پر ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میثم حبشی تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سفید رنگ کے رہے ہوں گے کیونکہ ان کا اصل وطن نہروان تھا اور وہاں کے لوگ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر ان کا وطن حبشہ، سوڈان، نوبہ وغیرہ ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ میثم حبشی تھے۔

رسول اللہؐ اور میثم

جناب میثم کی یہ شان و منزلت ہے کہ رسولؐ خدا نے آپ کے بارے میں امیرالمومنینؑ کو وصیتیں فرمائیں۔ پیغمبرؐ خدا کے بعد کے آنے والوں میں ہمیں گنتی کے دو چار افراد ہی ایسے ملتے ہیں جن کا ذکر پیغمبرؐ خدا کی زبان پر آیا ہو، جیسے زید بن صوحان، اویس قرنی، میثم تمار وغیرہ۔ حالانکہ بعد کے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ان میں مجاہدین اور علماء صالحین بھی خاصی تعداد میں ہوئے۔

امیرالمومنینؑ اور میثم

امیرالمومنین سے میثم کو وہی نسبت تھی جو جناب سلمان فارسی کو پیغمبرؐ خدا سے حاصل تھی ابن زیاد نے انھیں محض اسی تقرب اور صحابی امیرالمومنینؑ ہونے اور آپ کی محبت میں مشہور ہونے کے سبب قتل

کیا۔ ابن زیاد نے انھیں قتل کرتے وقت کہا تھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سب سے زیادہ علیؑ کے دوست تھے۔ میثم نے امیرالمومنینؑ سے اتنا علم حاصل کیا کہ آپ کے صحابہ میں بلحاظ علم سب پر فوقیت کے حامل ہوئے پھر امیرالمومنینؑ کی وفات کے بعد امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے اکتساب علم کیا۔ امیرالمومنینؑ مسجد سے نکل کر میثم کی دوکان پر تشریف لاتے۔ میثم کھجوریں بیچا کرتے تھے۔ امیرالمومنینؑ ان سے مصروف گفتگو ہوا کرتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ میثم کو کسی کام سے بھیج دیتے اور ان کی غیر موجودگی میں کوئی خریدار آتا تو میثم کی جگہ خود اسے کھجوریں تول کر دے دیتے۔ ایک دن اسی طرح میثم کی عدم موجودگی میں آپ نے کسی خریدار کو کھجوریں تول کر دیں اور خریدار کھوٹا سکہ دے کر چلتا بنا۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کھجوریں وہاں جا کر کڑوی ہی نکلیں گی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاہک کھجوریں لے کر واپس آیا کہ یہ تو کڑوی ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے اس کا کھوٹا درہم اسے واپس کر دیا۔

(بحار الانوار ج ۵۲ ص ۵۷۳ بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب)

کتنا عظیم المرتبت تھا وہ امام اور کتنا عظیم المرتبت تھا وہ ماموم۔ امام بازار میں ایک رعیت کی دوکان پر بیٹھے ہیں اور اس کی طرف سے کھجوریں فروخت کرتے ہیں۔ یہ امام کے تواضع کی انتہا اور اہل ایمان و علم کے ساتھ محبت و مہربانی کی بہترین مثال ہے۔ اور ماموم ایسا رفیع المنزلت کہ امام وقت اور بادشاہ زمانہ اس کے پاس بیٹھتا ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک کھجور بیچنے والے سے زیادہ کی نہ تھی۔ شہر میں انھیں نہ کوئی خاص وجاہت حاصل تھی نہ کسی بڑے قبیلہ ہی کے تھے بلکہ وہ تو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔

امیرالمومنینؑ انھیں پاکیزہ علوم تعلیم فرماتے، انھیں اسرار کی باتوں پر مطلع کرتے یہاں تک کہ آپ اکثر و بیشتر ابن زیاد کے ان ہولناک مظالم کا تذکرہ کرتے جوان پر وہ اپنے زمانے میں ڈھانے والا تھا اور جناب میثم کہا کرتے، راہ خدا میں یہ سب بہت کم ہے۔ امیرالمومنینؑ جب تنہائی میں مناجات فرماتے یا رات کے وقت صحرا کی طرف نکلتے تو میثم آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ کی دعائیں اور مناجات سنتے۔ (بحارالانوار ج۹ ص۳۴۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میثم سے آپ کو خاص خصوصیت تھی اور امیرالمومنینؑ انھیں ایسی باتوں سے آگاہ کرتے جن باتوں سے کسی کو آگاہ نہ فرماتے۔ تنہائی اور مناجات کے وقت امیرالمومنینؑ کے پاس بس وہی ہوسکتا تھا اور آپ کا انداز تعبّد و خضوع و خشوع وہی مشاہدہ کرسکتا تھا جس کا ایمان و یقین مضبوط ہو، جو سراسیمگی و اضطراب کا شکار نہ ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اوقات میں امیرالمومنینؑ بس گنتی کے دو چار ہی اصحاب کو اپنے پاس رکھتے جیسے میثم، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے دو ایک حاملین اسرار صحابہ کرام۔

امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی میثم کے ساتھ والد بزرگوار ہی جیسا برتاؤ کرتے۔ بس فرق اتنا ہوا کہ امیرالمومنینؑ کی شہادت کے چند ہی مہینوں کے بعد امام حسنؑ و امام حسینؑ مدینہ چلے گئے اور میثم کوفہ میں رہ گئے۔ بہت ممکن ہے کہ کوفہ میں ان کا قیام ان دونوں شاہزادوں کے حکم ہی سے ہو کیونکہ کوفہ والے میثم کے زیادہ اطاعت گزار اور ان کی باتوں کو گوش دل سے سنا کرتے۔ اکثر میثم اور انھیں جیسے دوسرے امیرالمومنینؑ کے اصحاب نہ ہوتے جنھوں نے امیرالمومنینؑ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت

میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرڈالیں تو بہت ممکن ہے کہ دشمنان امیرالمومنین آپ کے فضائل و مناقب چھپانے میں کسی حد تک کامیاب ہوجاتے۔

اہل بیتؑ اور میثم

میثم نے اپنے امام کو پہچانا، ان کی اطاعت کی جس طرح اپنے پروردگار اور رسولؐ کی معرفت حاصل کرکے ان کے اوامر و نواہی کے پابند ہوئے، امام کی اطاعت جبھی کی جب دل سے ان کو دوست رکھا اور انھیں اپنی جان کا مالک و مختار سمجھا۔ میثم ان صاحبان معرفت میں سے تھے جنھیں بخوبی اس کی واقفیت تھی کہ امامت کیا چیز ہے اور کون سزاوار امامت ہے۔ وہ علی الاعلان امامت کا چرچا کیا کرتے تھے، وہ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی انھیں پروا نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا اور امیرالمومنینؑ کے بعد ائمہ طاہرینؑ برابر ان کا ذکر کیا کیے اور مدح و ستائش بھری لفظیں ان کے بارے میں کہیں۔ جناب ام سلمہ نے میثم سے امام حسینؑ کے متعلق کہا کہ وہ برابر تمھیں یاد کیا کرتے تھے (رجال کشی) امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے میں انھیں حد سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ امام جعفر صادقؑ ان کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے اور اکثر ان کا ذکر آپ کی زبان پر آیا کرتا۔ ظاہر ہے کہ امام ایسے ہی شخص کے لیے دعائے رحمت کر سکتے ہیں جس کا ایمان ثابت اور جس کا علمی درجہ بہت بلند ہو۔ یہ درجہ و منزلت تھی میثم کی ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک جیسا کہ خود میثم کے دل میں ان ائمہ طاہرین کی قدر و منزلت تھی۔ انھیں ائمہ طاہرینؑ کی محبت میں انھوں نے جان دینا اور سولی پر چڑھنا گوارا کیا اور اظہار برأت کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔

عزیز ترین شاگرد

شاگرد اپنے استاد کی مثال ہوا کرتا ہے، علم ہی میں نہیں بلکہ اخلاق و مکارم میں بھی اس کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ استاد اپنے شاگرد میں اپنی روحانی وعلمی زندگی دیکھتا ہے اور اسے اپنے فضائل وکمالات کا مظہر سمجھتا ہے۔ امیر المومنینؑ میثم کو حد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اور محبوب رکھنا بھی چاہیے تھا کیونکہ میثم آپ کے علم وعمل، ارشاد وہدایت اور رفتار وگفتار کا نمونہ تھے۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق اور خیر وصلاح کا نمونہ تھے۔ میثم ہی جیسے اصحاب کے ذریعہ حجت قائم، دین سر بلند اور شریعت زندہ ہوئی۔ وہ آپ کی درسگاہ کے ہونہار شاگرد، آپ کے علوم کے حامل، آپ کے رموز واسرار کا مخزن تھے ایسے رموز واسرار جن کا متحمل بس وہی شخص ہو سکتا تھا جس کے ایمان کو اللہ نے پرکھ لیا ہو۔ امیر المومنین میثم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں ان کے پاس بیٹھا کرتے۔ آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ آپ ان سے مصروف گفتگو ہیں، ان کو تعلیم فرما رہے ہیں، علوم الٰہیہ سے انھیں فیضیاب کر رہے ہیں۔ اہل علم و دیندار مومنین کی امیر المومنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر ومنزلت تھی اور اس طرح ان سے پیش آتے جیسے انھیں میں سے ایک ہوں۔ آپ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور ہر بات میں ان کو برابر کا درجہ دیتے۔

علم

خداوند عالم اور اہل ایمان کے نزدیک کوئی شخص علم دین ہی کی وجہ سے سر بلند وسرفراز ہوتا ہے۔ جس کا جتنا علم ہوگا اسی لحاظ سے اس کا درجہ

ہوگا۔ میثم دین وشریعت کے بیش از بیش علوم کے حامل ہونے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سر بلند ہوئے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ان کا بے پایاں علم اور امیر المومنینؑ سے اکتساب واستفادہ باوجودیکہ بہت مختصر مدت اس کے لیے انھیں ملی صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کی طبیعت پاکیزہ تھی اور مبدء فیض کی طرف سے صلاحیت واستعداد لے کر آئے تھے۔ میثم کا علمی درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ان کے فرزند صالح کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجیے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں — میں ان کی زندگی میں بہت کم سن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل کیے تھے کہ اگر صالح کو ان سے استفادہ کا موقع ملتا تو انھیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

علم المنایا والبلایا

یعنی موتوں کا علم اور ان واقعات وحادثات کا علم جن میں آئندہ لوگ مبتلا ہونے والے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ میثم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ انھیں کون قتل کرے گا اور کیونکر قتل کرے گا؟ وہ صرف اپنی ہی پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آنے والی تھیں ان کا بھی انھیں علم تھا۔ چنانچہ بنی اسد کی بزم میں ان کی ملاقات حبیب بن مظاہر سے ہوئی، دونوں دیر تک راز ونیاز کی باتیں کرتے رہے، سلسلۂ

گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا، میں ایک گنجے سر، پر شکم شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دارالرزق کے پاس خربوزے بیچا کرتا ہے وہ اہل بیت پیغمبرؐ کی محبت میں لکڑی پر سولی دیا جائے گا اور اس کا پیٹ چاک کر ڈالا جائے گا۔ میثم نے کہا، میں بھی ایک سرخ رنگ کے انسان کو دیکھ رہا ہوں جو نواسہ رسولؐ کی نصرت میں نکلے گا اور قتل کیا جائے گا، کوفہ میں اس کے سر کی تشہیر ہوگی۔ وہ دونوں یہ باتیں کر کے اپنی اپنی راہ لگے۔ اس موقع پر دوسرے لوگ جو ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے ہنسنے اور مذاق اڑانے لگے۔ ان لوگوں نے کہا ان دونوں شخصوں سے بڑھ کر جھوٹا ہم نے نہیں دیکھا۔ ابھی مجمع پراگندہ نہیں ہوا تھا کہ رشید حجری ان دونوں کو پوچھتے آ پہنچے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ ایسی ایسی باتیں کر کے اپنی اپنی راہ گئے۔ رشید نے کہا، خدا رحم کرے میثم پر، وہ یہ بات تو بھول ہی گئے کہ حبیب بن مظاہر کا سر لانے والے کی تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ بھی ہوگا۔ حاضرین نے کہا، خدا کی قسم! یہ تو ان دونوں سے بھی بڑھ کر جھوٹے نکلے۔ مگر تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ یہ ساری باتیں پیش آکر رہیں۔ (رجال کشی)

ایک مرتبہ میثم امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ انھوں نے باآواز بلند کہا، اے سونے والے اٹھیے، خدا کی قسم آپ کی ریش مبارک آپ کے سر کے خون سے رنگین ہوگئی (رجال کشی)

میثم کا مطلب یہ نہ تھا کہ امیر المومنینؑ اس بات سے ناواقف تھے اور میثم آپ کو خبر دے رہے تھے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ امیر المومنینؑ کے ساتھ کیا حادثہ ہونے والا ہے اور میثم کے معلومات کا بھی لوگوں کو اندازہ ہوجائے تاکہ لوگ ان کے معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔

جناب مسلم کی شہادت کے بعد کوفہ کے کچھ شیعہ اور میثم و مختار ایک ہی ساتھ ابن زیاد کی قید میں تھے۔ میثم نے مختار کو بتایا کہ تم عنقریب رہا ہوجاؤ گے اور ابن زیاد کو قتل کرو گے، تمھارے قدم اس کی پیشانی اور رخساروں کو روندیں گے۔ ابن زیاد نے جس دن مختار کو قتل کرنے کے لیے قید خانہ سے نکالا ٹھیک اسی دن یزید کے پاس سے قاصد ابن زیاد کے پاس یہ فرمان لیکر پہنچا کہ مختار کو رہا کردو۔ مختار کو رہائی ملی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ تمام باتیں رونما ہو کر رہیں جو میثم نے بتائی تھیں۔ (شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۱۰)

صالح بن میثم بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو خالد تمار نے بتایا، میں میثم تمار کے ساتھ جمعہ کے دن دریائے فرات میں کشتی پر تھا۔ اتنے میں ہوا تیز چلنے لگی، میثم نے ہوا دیکھ کر کہا کشتی کو باندھ دو کہ ہوا چلنے والی ہے اسی وقت معاویہ نے انتقال کیا ہے۔ دوسرا جمعہ آنے پر شام سے ایک قاصد پہنچا، میں نے اس سے مل کر خبر پوچھی، قاصد نے کہا معاویہ مرگیا اور لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی۔ میں نے پوچھا معاویہ کس دن مرے؟ اس نے بتایا کہ جمعہ کے دن۔

میثم جب سولی پر چڑھائے گئے تو باآواز بلند کہا، لوگو! جو شخص علیؑ بن ابی طالب کی مخفی حدیثیں سننا چاہے وہ میرے قتل کیے جانے سے پہلے آکر سن لے۔ خدا کی قسم، میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور جتنے فتنے رونما ہونے والے ہیں سب کی خبر دے سکتا ہوں۔

علم تاویل

قرآن مجید کی آیات کی تاویل کا اصل عالم خدا اور وہ لوگ ہیں جن کے

گھر میں قرآن نازل ہوا اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا یہی لوگ راسخون فی العلم ہیں۔ آیات قرآنی کی تاویل اور کون آیت محکم ہے اور کون آیت متشابہ، یہ بس راسخون فی العلم ہی بتا سکتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے ان لوگوں کی حدیث ثقلین کے ذریعہ نشان دہی بھی کردی کہ وہ قرآن کے ہمسر ہیں، انھیں کو قرآن کا مکمل علم ہے۔ میثم تمار تفسیر قرآن کے بھی عالم تھے اور انھوں نے علم تفسیر امیرالمومنینؑ سے حاصل کیا۔ ایک مرتبہ مدینہ میں میثم اور عبداللہ بن عباس کی ملاقات ہوئی، میثم نے کہا تفسیر قرآن کے متعلق جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو کیونکہ میں نے امیرالمومنینؑ سے پڑھا ہے اور آپ نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے قلم دوات منگوایا تاکہ میثم جو کچھ بتاتے جائیں وہ لکھتے جائیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ لکھیں میثم نے ان سے کہا، آپ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ مجھے سولی پر لٹکا ہوا دیکھیے گا۔ ابن عباس نے کہا، تم تو کاہنوں جیسی باتیں کرنے لگے (جو غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں) یہ کہہ کر انھوں نے کاغذ ہاتھ سے رکھ دیا۔ میثم نے کہا جلدی نہ کیجیے، میں جو کچھ بتاؤں اگر وہ حق بات ہو تو اسے اختیار کیجیے گا ورنہ ترک کر دیجیے گا۔ پھر انھوں نے آیات الٰہی کی وہ تفسیر بیان کی جو امیرالمومنینؑ سے سن رکھی تھی۔ (رجال کشی ص ۵۴)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ میثم پورے قرآن کی تاویل کے عالم تھے جبھی انھوں نے ابن عباس سے کہا تھا، تفسیر قرآن میں جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو کیونکہ میں نے قرآن علی ابن ابی طالب سے پڑھا ہے اور انھوں نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔

۲۔ میثم کو جو علم حاصل تھا وہ ابن عباس کو حاصل نہ تھا، اسی لیے میثم جو کچھ بتاتے گئے ابن عباس لکھتے گئے۔

۳۔ میثم علم کے بلند درجے پر فائز تھے اور قابل اعتماد و وثوق تھے، اس لیے کہ ابن عباس نے ان کی بیان کردہ باتیں بغیر کسی تامل کے لکھ لیں۔

۴۔ ابن عباس کو موتوں اور آنے والے حادثات و واقعات کا بالکل علم نہ تھا ورنہ میثم کے یہ کہنے پر کہ "اس دن آپ کا کیا حال ہوگا جب آپ مجھے سولی پر لٹکا دیکھیے گا" وہ انکار نہ کرتے اور ان کی اس پیشین گوئی کو کہانت قرار نہ دیتے حالانکہ ابن عباس نے امیرالمومنینؑ دیکھا بھی اور اس قسم کے اسرار و رموز بیان کرتے سنا بھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان علوم کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

ثبات و استقلال

امیرالمومنین علیہ السلام نے جب میثم کو ان مصائب و شدائد سے آگاہ کیا جو آگے چل کر انھیں پیش آنے والے تھے تو میثم نے عرض کی امیرالمومنینؑ میں ان تمام مصائب پر صبر کروں گا۔ اللہ کی راہ میں یہ سب مصیبتیں تو بہت کم ہیں۔ ایک دن امیرالمومنینؑ نے ان سے فرمایا کہ تمھیں سولی دی جائے گی اور اسی سولی پر تمہارا دم نکلے گا۔ میثم نے عرض کی مولا میں فطرت اسلام پر تو باقی رہوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو میثم کی تمام تر نظر انجام اور آخرت پر تھی، انھیں سولی دیے جانے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ جب میثم گرفتار کیے گئے اور ابن زیاد نے انھیں سولی دیے جانے کا حکم دیا تو انھیں پورا موقع اس کا حاصل تھا کہ بھاگ کر اپنی جان بچائیں، کوفہ میں ان کے

چاہنے والے بہت سے تھے۔ ابنائے زمانہ جس طرح زمانہ کا رنگ دیکھ کر اپنا رنگ بدل لیتے ہیں اور حکومت سے زمانہ سازی کرتے ہیں، میثم بھی کر سکتے تھے لیکن اسی وقت میثم کے کمال ایمان اور ان کی نفسیات کا شاندار مظاہرہ ہوا۔ وہ اس وقت موت اور زندگی کے درمیان معلق تھے مگر انھوں نے ایمان پر باقی رہ کر جان دینا گوارا کیا، ان کی باتوں میں نہ نرمی آئی نہ انداز خطابت میں شان انکسار پیدا ہوئی۔ انھوں نے بے ڈرے جھجکے ابن زیاد سے کہا، امیر المومنینؑ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمھیں کمینہ و ناپاک، بدکار عورت کا فرزند ابن زیاد گرفتار کرے گا۔ میثم نے یہ فقرہ اس وقت کہا جب کہ انھیں یقین تھا کہ انھیں ابن زیاد سولی ضرور دے کے رہے گا۔ جب ابن زیاد کے ملازموں نے ان کی زبان قطع کرنی چاہی تو بولے بدکار عورت کا فرزند مجھے اور میرے مولا کو جھٹلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ابن زیاد کے یہ پوچھنے پر این ربک تمھارا پروردگار کہاں ہے؟ میثم نے برجستہ کہا اللہ تعالیٰ ہر ظالم کی گھات میں ہے اور تم بھی انھیں ظالموں میں سے ہو۔ کیا یہ تمام باتیں میثم کی صلابت ایمان اور یقین محکم کا ثبوت نہیں؟ ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں میں ایسا ہی ثبات و استقلال ہونا چاہیے۔

قوت قلب

دل کی قوت بھی ایمان کی قوت کا ثمرہ ہے۔ جس شخص کی آنکھوں میں اللہ بڑا ہوگا اس کی آنکھوں میں خدا کے سوا ہر چیز کمتر و حقیر ہوگی۔ جو شخص قیامت کے عقاب کو عظیم سمجھے گا، روز جزا ثواب ملنے کا یقین رکھے گا وہ اس دنیا میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو آسان سمجھے گا۔ یہ صفت جناب میثم میں اس

دن دیکھنے میں آئی جب ابن زیاد نے انھیں سولی دیے جانے کا حکم دیا۔
ابن زیاد انتہائی سفاک اور جلاد انسان تھا۔ خوں ریزی اس کا محبوب مشغلہ تھا، خصوصیت کے ساتھ اہل بیت طاہرین اور ان سے تعلق خاطر رکھنے والوں کا تو جانی دشمن تھا۔ میثم جو امیر المومنینؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے جو بہ بانگ دہل آپ کی محبت و ولایت کا اعلان کرتے پھرتے، آپ کے فضائل و کمالات کی نشر و اشاعت کرتے، ان کو ابن زیاد کیسے چھوڑ سکتا تھا۔
بس ایک ہی چیز ابن زیاد کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی وہ یہ کہ میثم امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اعلان کریں لیکن میثم ایسے صادق الایمان اور قوی دل والے انسان کے لیے اور سب کچھ ممکن تھا مگر امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار ناممکن تھا۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں جبکہ امیر المومنینؑ نے اظہار بیزاری سے ممانعت بھی فرمادی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اگر کوئی مجھے گالیاں دینے پر مجبور کرے تو تم گالیاں دے لینا، یہ میرے لیے پاکیزگی اور تمھارے لیے باعث نجات ہوگی لیکن اگر کوئی مجھ سے اظہار بیزاری پر تمھیں مجبور کرے تو ہرگز نہ کرنا کیونکہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوا اور سب سے پہلے ایمان بھی لایا اور ہجرت بھی کی۔ ابن زیاد نے میثم کو مجبور کیا کہ وہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ میثم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا ابن زیاد نے کہا تمھیں بہر حال علیؑ بن ابی طالب سے بیزاری کا اظہار کرنا اور ان کے معائب بیان کرنا ہوں گے ورنہ میں تمھارے ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دوں گا۔ میثم نے کہا میرے مولا علیؑ بن ابی طالب مجھے پہلے ہی خبر دے چکے ہیں کہ میرے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور مجھے سولی دی جائے گی میں نے آپ سے پوچھا تھا، یہ ساری باتیں کس شخص کے ذریعہ عمل میں

لائی جائیں گی۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا عبید اللہ بن زیاد۔

کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس قوت قلب اور ہمت و جرأت کا؟ میثم ابن زیادؔ کے منہ پر اسے ایسا سخت جواب دے رہے ہیں اور اس کے حسب و نسب کا پول بھی کھولے دے رہے ہیں۔ میثم سولی پر چڑھے اسی طرح لوگوں سے امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے فضائل اور ان کے دشمنوں کے معائب بیان کرتے رہتے۔ سولی پر چڑھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح تقریر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو ایسے ہی کامل الایمان بندے کر سکتے ہیں جو نہ موت کو خاطر میں لاتے ہیں نہ انھیں اس بات کی پروا کہ کس طرح موت آئے گی۔ ان کے دل میں بس خوف الٰہی کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ موت کو فنا کے گھر سے بقا کے گھر تک اور مصیبت و بدحالی سے خوش بختی و سعادت تک جانے کے لیے ایک پل سمجھتے ہیں۔ (میثم تمار مولفہ محمد حسین المظفری مترجمہ مولانا محمد باقر النقوی مرحوم)

حق کے داعی جناب میثم کا یقین اور شہادت

جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے بلایا اور فرمایا، کیوں میثم اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیادؔ تمھیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبرّا کرو۔ میں نے عرض کی خدا کی قسم میں حضور سے تبرّا نہیں کروں گا۔ حضرت نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دے گا۔ میں نے عرض کیا، کیا مضائقہ ہے، میں صبر کروں گا کہ راہ خدا میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کرو گے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے۔

اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے، اے بھائی! میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اس کے پاس پہنچا دو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کرے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔

عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا، جناب میثم اکثر اس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے ٹھیک کر کے کہتے، اے درخت! تو اسی لیے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لیے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے، اے عمرو! جب میں تمھارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کوئی مکان خریدنا چاہتے ہیں اس وجہ سے ان کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ! تم اس محلہ میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا، میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا، یہ سب میں نہیں جانتا، اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ چودھری نے اس کام کے لیے کچھ مہلت طلب کی، ابن زیاد نے مہلت دے دی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے

تواس نے پوچھا تم ہی میثم ہو؟ انھوں نے کہا میں ہی میثم ہوں۔ اس نے کہا ابو تراب سے تبرا کرو۔ انھوں نے کہا میں ابو تراب کو کیا جانوں؟ کہا علیؑ بن ابی طالب سے تبرّا کرو۔ میثم نے کہا اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم، میں تمھیں ضرور قتل کر دوں گا۔ آپ نے جواب دیا میرے مولا وآقا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔

ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو تمھیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو، خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں اور جو کچھ فتنہ وفساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک بات ہی بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منھ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منھ میں اس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔

حضرت امام علی رضاؑ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیرالمومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا آپ سوتے ہیں، انھوں نے حضرت کو بیدار کیا اور عرض کی، حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمھارے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی

کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کیے جائیں گے، ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی، دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرت کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم لوگوں سے غیب کی باتیں بیان کر رہے ہیں اور حضرت سے عرض کی، حضور کیا واقعاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیوں کہ حضرت رسولؐ خدا مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی میری یہ سزا کس جرم میں ہوگی۔ حضرت نے فرمایا اس لیے کہ ابن زیاد تمھیں گرفتار کرے گا اور مجھ سے تبرا کرنے کو کہے گا، تم نہیں کرو گے۔

میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے، میں بھی ساتھ تھا، وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے، اے میثم! تمھارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیرالمومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے، تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھونک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا، اے امیر!

آپ اس کو پہچانتے ہیں؟ اس نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علیؑ بن ابی طالب کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط کہتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے مولا و آقا علیؑ بن ابی طالب بھی صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرّا کرو، ان کی برائیاں بیان کرو، عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمھارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا، ابن زیاد نے کہا، ابھی تو تم قتل نہیں کیے گئے صرف قتل کی دھمکی سنتے ہی رونے لگے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم، میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہوگیا تھا جس دن میرے آقا، میرے مولا، میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا، انھوں نے تمھیں کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے بھوت ہوگیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمھارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمھاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمھارے مولا بھی جھوٹے تھے۔

غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دی گئی۔ اس پر انھوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علیؑ کی راز والی حدیثیں سننی چاہے وہ جلد آکر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہوگئے اور میثم تمار ان سے

حضرت کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا، یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا، حضور! جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجیے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا، کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے۔ اب میری زبان خوشی سے کاٹ لے۔ غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی، جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ (تاریخ الائمہ ص ۲۳۲ تا ۲۳۴)

روز شہادت

تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ میثم امام حسینؑ کے عراق پہنچنے سے دس روز پہلے شہید ہوئے۔ امام حسینؑ ۲ محرم کو وارد کربلا ہوئے تھے

اس بنا پر ۲۲ / ذی الحجہ کو وہ قتل کیے گئے لیکن چونکہ سولی پر چڑھائے جانے کے دو دن بعد میثم کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تھی اس لیے ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ ۲۰ / ذی الحجہ کو سولی پر چڑھائے گئے اور ۲۲ کو ان کا دم نکلا۔ اور چونکہ امام کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی اس لیے آپ عراق جمعرات کو پہنچے ہوں گے اور میثم بروز یکشنبہ سولی پر چڑھائے گئے اور بروز سہ شنبہ ان کی رحلت ہوئی۔

میثم کا دفن

کھجور کے سات تاجروں نے آپس میں طے کیا کہ میثم کو رات میں دفن کر ڈالیں۔ پہرہ دار اس لکڑی کے گرد پہرہ دے رہے تھے جس پر میثم کو سولی دی گئی تھی۔ ان تاجروں نے آگ روشن کر دی اور اس کی آڑ میں پوری لکڑی کو اٹھا کر لے گئے۔ لاش انھوں نے قبیلہ مراد کے چشمہ کے سرے پر دفن کر دی اور لکڑی کو کسی کھنڈر میں ڈال دیا۔ صبح کو ابن زیاد نے اپنے سپاہی تلاش کے لیے بھیجے مگر ان کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ (میثم تمار مولفہ محمد حسین المظفری مترجمہ مولانا محمد باقر النقوی مرحوم)

میثم کی قبر

میثم کا جہاں آج مقبرہ بنا ہوا ہے بے شمار دلائل و شواہد بتاتے ہیں کہ اسی میں وہ مدفون ہیں۔ شروع سے لے کر آج تک لوگ اسی کو ان کی قبر قرار دیتے ہیں۔ کوفہ میں سیکڑوں ہی صحابہ، تابعین اور اولیاء و صالحین اور علوی سادات مرے اور دفن ہوئے، سوائے چند قبروں کے بقیہ قبروں کا آج پتہ بھی نہیں۔ میثم کی قبر پر ایک قبہ بنا ہوا ہے لیکن مسجد کوفہ کے مجاورین جن میں بہت سے

اسّی کی عمر تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ قبہ کب بنا، قبہ کے نیچے اوپر پوری عمارت میں کوئی تحریر بھی نہیں جس سے اس کا سال تعمیر معلوم ہو سکے۔ میثم کی قبر ہمیشہ سے شیعوں کی زیارت گاہ رہی۔ اس قبر پر ایک خادم مقرر ہے۔

میثم کی اولاد

میثم کو خداوند عالم کی طرف سے کئی ایک صالح و نیکوکار بیٹے اور پوتے عطا ہوئے۔ مورخین نے ان کے چھ بیٹوں کے نام لکھے ہیں محمد، شعیب، صالح، علی، عمران اور حمزہ۔

محمد کا رجال کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ انھیں محمد نے اپنے باپ میثم سے اور محمد کے لڑکے علی نے جناب ابوطالب کے اسلام کے متعلق روایت کی نیز میثم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے باپ داداوں نے مرتے دم تک سوا خدا کے کسی کی عبادت نہیں کی۔ علامہ ابن حجر نے اس روایت کو بسلسلہ حالات ابی طالب اصابہ میں نقل کیا ہے اور سلسلۂ حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خالص شیعی سلسلہ ہے۔

دوسرے فرزند شعیب کو شیخ طاب ثراہ نے اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا ہے۔ ان کے فرزند یعقوب ہوئے جو بہت مشہور بزرگ ہیں۔

تیسرے فرزند صالح تھے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ شیخ طاب ثراہ نے انھیں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ علامہ کے خلاصہ میں ہے کہ امام محمد باقر نے ان صالح سے کہا، میں تمھیں بھی اور تمھارے باپ کو بھی انتہائی

دوست رکھتا ہوں۔ انھیں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے حدیث کی تعلیم دیجیے۔ امام نے فرمایا تھا کیا تمھارے باپ نے تمھیں تعلیم نہیں دی؟ صالح نے کہا نہیں، کیونکہ میں ان کی زندگی میں بہت چھوٹا تھا۔

چوتھے فرزند علی تھے جن کے متعلق عون بن محمد کندی کا بیان ہے کہ ائمہ کے حالات واخبار کا ان سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہ تھا۔

پانچویں فرزند عمران کو شیخ طاب ثراہ نے امام زین العابدین پھر امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

چھٹے فرزند حمزہ کا ہمارے علمائے رجال نے ذکر نہیں کیا

جناب فاطمہ زہراؑ کی غلام نوازی

جناب سیدہ جو بقول رسولؐ جزو رسالت ہیں اور جن کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ جناب فاطمہؑ علیؑ کے گھر آگئیں اور اب نئے انداز سے ہدایت شروع ہوگئی۔ بحرین کا اجتماع تھا اور اس انداز سے ہدایت ہو رہی تھی کہ مردوں کی ہدایت باہر ہوتی رہی اور عورتوں کی ہدایت اندر ہوتی رہی۔ باہر کی ہدایت سے سلمان وقنبر تیار ہوئے اور اندر کی ہدایت سے فضہ تیار ہوئیں۔ ادھر سلمان اتنے تیار ہوئے کہ رسولؐ نے منا اھل البیت کہا۔ ابوذر ایسے تیار ہوئے کہ اصدق الناس کہلائے، اور قنبر ایسے تیار ہوئے علیؑ نے پیار سے بیٹا کہہ دیا۔ مگر فضہ کی تیاری عجب شان کی تھی گویا بحرین کے منھ سے موتی نکل رہے تھے۔ فضہ اس طرح تیار ہوئیں کہ ایک دن رسولؐ پوچھ رہے ہیں فضہ! کہو، کیا حال ہے؟ فضہ نے عرض کی حضور! میرا حال تو یہ ہے کہ مجھ سے بہتر کسی کا حال ہے ہی نہیں۔ رسولؐ نے پوچھا فضہ کیا بہتری دیکھی تو نے۔ عرض کی حضورؐ اس سے بہتر بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ فاطمہؑ مجھے بہن کہتی ہیں اور میری خوشی میرے دل سے پوچھیے جب میں صبح کو سو کر اٹھتی ہوں تو حسینؑ اماں کہہ کر سلام کرتے ہیں، زینب مجھے ماں کہہ کر سلام کرتی ہے، اس سے زیادہ مجھے کیا عزت چاہیے۔

در حقیقت غلامی کا صحیح مفہوم جو اسلام نے پیش کیا ہے وہ سیدہ کے گھر سے دستیاب ہوتا ہے۔ اگر فضہ سے پوچھا جائے کہ تمھاری شاہزادی کا تمھارے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ تو اس گھر کی کنیز یہ جواب دے گی کہ ایک دن گھر کا کام میں کرتی ہوں اور ایک دن ملکہ خانہ کرتی ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتاً غلامی غلامی نہ تھی، وہ لوگ افراد خانہ میں شامل کر لیے جاتے تھے۔

جناب فضہ جنگ خیبر کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آنحضرت نے آپ کو اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کو عطا فرمایا مگر اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا، اور دکھ درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔ ایک دفعہ سرور کائنات خانۂ سیدہ میں تشریف لے آئے دیکھا سیدہ گود میں بچے کو لیے چکی پیس رہی ہیں، فرمایا بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض کی باباجان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب ص۶۴)

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرۃ الخدمۃ (جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں) پھر بھی خاتون جنت نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا بلکہ باری مقرر کر دی تھی۔ ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظم کی بیٹی کام کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکا لوں یا میں آٹا گوندھ لوں تم روٹی پکا لو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولھا بھی سلگا دوں گی

آپ روٹی پکا لیجیے۔ یہ کہہ کر جناب فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی۔ تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازد کا معلوم ہوتا تھا، وہ باب فاطمہؑ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے اپنے آبا کرام سے اور انھوں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ اسماء بنت عمیس نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں آپ کی جدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ جناب رسولِ خدا تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ کے گلے میں ایک سونے کا طوق (نیکلس) تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مال فئے کے حصہ سے آپ کے لیے خریدا تھا، آنحضرتؐ نے دیکھا تو فرمایا بیٹی! اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمدؐ کی بیٹی بھی اب شاہانہ لباس پہننے لگی یہ سن کر حضرت فاطمہ زہرا نے وہ طوق اتار کر فروخت کر دیا، پھر اس کی قیمت سے ایک کنیز خریدی اور اسے آزاد کر دیا اس پر رسولؐ خدا بہت مسرور ہوئے۔ (صحیفۃ الرضا، ترجمہ بحار الانوار ص ۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ جناب رسولؐ خدا جناب فاطمہؑ کے گھر گئے، دیکھا کہ ایک پردہ رنگین دروازے پر لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں ایک روایت میں ہے کہ گلے میں چاندی کی ایک زنجیر تھی۔ آپ یہ دیکھتے ہی واپس چلے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو بہت ملال ہوا جب پیغمبر اسلام کے واپس چلے جانے کی وجہ معلوم ہوئی تو آپ نے وہ دونوں چیزیں فروخت کر کے قیمت جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں بھجوا دی اور آنحضرتؐ نے اس کو اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کیا۔

خود بچے بھی وہ تھے جنھیں قدرت نے طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کم سنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا رعب و داب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔ شان سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصاف و کمالات کی جھلک نظر آرہی ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی غیر معمولی صفت جس کے دوست دشمن سب معترف تھے، ضبط نفس، کظم غیظ اور حلم ہے۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ کی غلام نوازی کے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں، انھیں واقعات سے آپ کی تینوں صفتوں کا اندازہ ہوجائے گا۔

(۱) تفاسیر اہل سنت میں ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؑ اشراف عرب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، اسی اثناء میں آپ کا خادم سالن کا پیالہ لیے ہوئے آیا اور آپ کے رعب سے اس کا پاؤں تھرتھرایا حتیٰ کہ وہ لب فرش گر پڑا اور سالن کا پیالہ آپ کے چہرہ اور سر پر گرا، حضرت نے اس کی طرف دیکھا، وہ متحیر ہوکر رہ گیا اور دفعتاً اس کی زبان پر اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ جاری ہوا، آپ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ دور کردیا، اس نے فوراً وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کی تلاوت کی، آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا۔ اس نے عرض کی وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ بعض کتب میں امام حسینؑ اور امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی قسم کے واقعات لکھے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ معاویہ مدینہ آیا اور صبح ہی سے بیٹھ گیا، جو بھی ملاقات کو آتا گیا اس کو پانچ ہزار سے ایک لاکھ تک حسب منزلت عطا کرتا رہا۔ سب کے آخر میں امام حسنؑ تشریف لائے، معاویہ نے کہا اے ابو محمد! تم نے آنے میں تاخیر سے کام لیا، شاید تم چاہتے ہو کہ میں قریش میں بخیل سمجھا جاؤں اس لیے تم نے انتظار کیا کہ میرے پاس سارا مال ختم ہوجائے کچھ دینے کو نہ رہے تو آؤ۔ اچھا اے غلام! آج مجموعی طور سے جتنی داد دہش کی ہے اس کے برابر حسنؑ کو دے دے۔ یہ کہہ کر معاویہ نے فخریہ انداز میں کہا اے ابو محمد! میں ہندہ کا بیٹا ہوں۔ امام حسنؑ جب واپس چلنے لگے تو معاویہ کے غلام نے آپ کی جوتیاں سیدھی کردیں، آپ نے سارا مال اس کو بخش دیا اور فرمایا اے معاویہ! میں فاطمہؑ بنت رسولؐ کا لخت جگر ہوں۔

(۳) ایک مرتبہ ایک مرد غاضری آپ کے پاس آیا اور عرض کی مجھ سے رسول اللہؐ کی نافرمانی ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو نے بہت برا کیا، کیسے ہوگئی؟ اس نے عرض کی کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ لا یفلح قومٌ ملکت علیھم امراۃ (یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس کی حکمراں عورت ہو) اور میری عورت مجھ پر حاکم بن گئی ہے۔ اس نے ایک غلام خریدنے کے لیے رقم دی، میں نے غلام خریدا مگر وہ مجھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا پھر تو تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر۔ اگر تو چاہے تو غلام کی قیمت ..... اس نے عرض کی جی ہاں، بس آگے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اسی کو اختیار کیا۔ آپ نے اس کو غلام کی قیمت دے دی۔

(۴) انس کا بیان ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے سامنے آپ کی ایک کنیز نے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے راہ

خدا میں آزاد کیا، میں نے عرض کی اتنی سی بات پر آزاد کر دیا، آپ نے فرمایا
اس ادب کی تعلیم تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ فرماتا ہے واذا حُیّیتُم
بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا (سورہ نساء آیت ۸۶) یعنی جب تمھیں کوئی
تحفہ پیش کرے تو اس کو بہتر انداز میں پیش کرو۔ اور اس کنیز کے لیے سب
سے بہتر اس کی آزادی ہے۔

آپ کے نانا اور بابا اور خود آپ نے کثرت سے غلام آزاد کیے ہیں اس لیے
غلاموں کی صحیح تعداد اور ان کے نام بتانے سے تاریخ قاصر ہے البتہ بعض
ایسے غلام ہیں جو پہلے رسولؐ اللہ پھر حضرت علیؑ اور ان کے بعد آپ کی خدمت
میں رہے جنھوں نے اس گھرانے کی خدمت کو اپنے لیے فخر و ناز سمجھتے ہوئے
ترک نہیں کیا۔ بعض آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ اور پھر امام زین العابدینؑ
کی خدمت کرتے رہے۔ بعض کے نام یہ ہیں

قنبر اور میثم، ان کا تذکرہ امیر المومنین علیہ السلام کے غلاموں میں ہو چکا،
جون حبشی، حارث بن بنہان، سلیم، نصر بن ابی نیزر۔

قنبر و میثم کے حالات مولائے کائنات کے غلاموں میں آچکے ہیں، باقی
تمام غلام امام حسینؑ کی معیت میں شہید ہوئے۔ کنیزوں میں مشہور جناب
فضہ تھیں جو آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اور واقعہ
کربلا کے بعد جناب زینب وام کلثوم سے وابستہ رہیں۔

نجات دہندۂ انسانیت

امام حسینؑ اور غلام نوازی

امام حسینؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے، حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور
امام حسنؑ کے بھائی تھے اور انھیں حضرات کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے اور امام حسینؑ
پنجتن کے آخری فرد ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے
گزرنے والے کے لیے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہوتے
ہیں۔ امام حسینؑ ۳ر شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ سرور کائنات کی پرورش و
پرداخت اور آغوش مادر میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے۔ ۲۸ر
صفر ۱۱ھ کو جب آنحضرتؐ شہادت پا گئے اور ۳ر جمادی الثانیہ کو ماں کی
برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علیؑ کے تعلیمات الٰہیہ اور صفات حسنہ
کے مرکز قرار پائے، ۲۱ر ماہ رمضان ۴۰ھ کو آپ کی شہادت کے بعد امام
حسنؑ کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ امام حسنؑ ہر قسم کی استمداد و استعانت
خاندانی اور فیضان باری میں برابر کے شریک رہے۔ ۲۸ر صفر ۵۰ھ کو
جب امام حسنؑ شہید ہو گئے تو امام حسینؑ صفات حسنہ کے واحد مرکز بن
گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے
طرز عمل میں محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا۔ آپ سلسلۂ امامت
کی تیسری فرد اور عصمت و طہارت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی عبادت، آپ کے

زہد، آپ کی سخاوت اور آپ کے کمال اخلاق کے دوست دشمن سب ہی
قائل تھے اور ان کی غلامی کو بڑے بڑے اکابر اسلام اپنے لیے نجات کا
ذریعہ سمجھتے تھے۔

چنانچہ علمائے اہل سنت کا بیان ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر امام
حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے فخر و افتخار کی باتیں کرنے لگے، یہ سن کر امام
حسنؑ نے فرمایا کہ تم تو ہمارے غلام زادے ہو، اتنی بڑھ چڑھ کر کیا باتیں
کر رہے ہو۔ اس پر عبداللہ بن عمر رنجیدہ ہو کر اپنے باپ کے پاس گئے
اور امام حسنؑ نے جو کچھ کہا تھا اسے بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا
کہ بیٹا یہ بات ان سے لکھوا لو، اگر لکھ دیں تو میرے کفن میں رکھ دینا۔
ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے لکھ دیا اور حضرت عمر نے وصیت کر دی
کہ اسے ان کے کفن میں رکھا جائے کیونکہ محمدؐ و آل محمدؐ کی غلامی بخشش کا
ذریعہ ہے۔

امام حسینؑ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے
تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر آپ انھیں آزاد کر دیتے تھے لیکن وہ جانے کے
بجائے رونے لگتے تھے۔ آزادی کے بجائے دامن اہل بیت سے وابستگی
کو ترجیح دیتے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے ایک غلام کو آزاد کیا تو وہ رونے
لگا، حضرت نے سبب دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا، میں آپ سے
جدا ہونا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا، میں تجھے آزاد کر چکا لیکن تو اب بھی میرے
ساتھ پہلے ہی کی طرح رہ سکتا ہے۔

حسن بصری سے منقول ہے کہ ایک روز آپ اپنے اصحاب کے ساتھ
اپنے باغ میں گئے، اس باغ میں آپ کا ایک غلام رہا کرتا تھا جس کا نام

صافی تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ غلام بیٹھا روٹی کھا رہا ہے
آپ ایک درخت خرما کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ غلام
روٹی اٹھاتا ہے اور آدھی توڑ کر کتے کی طرف پھینک دیتا ہے اور آدھی خود کھاتا
ہے۔ حضرت اس کے اس عمل سے بہت متعجب ہوئے۔ جب وہ کھانے
سے فارغ ہوا تو اس نے الحمد للہ رب العالمین کہا اور دعا کی بار الہا! تو
میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے مولا، میرے مالک کو بھی بخش دے،
ان کو برکت دے جیسا کہ ان کے باپ کو تو نے برکت دی ہے کہ تو ارحم الراحمین
ہے۔ یہ سن کر امام اٹھے اور فرمایا صافی! غلام نے ڈرتے ہوئے کہا مولا، اے
میرے مالک اور روز قیامت تک سب مومنوں کے سردار! میں نے آپ کو
دیکھا نہیں تھا معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے صافی! تو مجھے معاف کر،
اس لیے کہ میں تیرے باغ میں بغیر تیری اجازت داخل ہوا ہوں۔ صافی نے
کہا اے میرے مولا! یہ تو آپ اپنے فضل و کرم، بزرگی و سیادت کی وجہ سے ایسا
فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے دیکھا کہ آدھی روٹی کتے کو کھلاتا ہے
اور آدھی خود کھاتا ہے، اس سے تیرا مقصد کیا ہے۔ غلام نے کہا یا مولا! جب
میں کھانے بیٹھا تو اس کتے نے میری طرف دیکھنا شروع کیا، یہ کتا حضور کے
باغ کی چوروں سے حفاظت کرتا ہے۔ میں بھی آپ کا غلام ہوں اور یہ کتا بھی
آپ ہی کا ہے۔ مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں تو آپ کا دیا ہوا رزق کھاؤں اور
یہ کتا بھوکا رہے۔ ہم دونوں نے آپ ہی کا دیا ہوا کھایا ہے۔ یہ سن کر امام رونے
لگے اور فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا اور دو ہزار دینار بھی اسے عطا فرمائے۔
غلام نے کہا جب آپ نے مجھے آزاد کیا ہے تو میں اسی باغ میں رہا کروں گا،
یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا جو کریم ہوتا ہے اور کوئی

بات کہتا ہے تو اس کو مناسب ہے کہ اسی وقت اس کی تصدیق کر دے۔
میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تیرے باغ میں بغیر تیری اجازت داخل ہوا
ہوں، مجھے معاف کر۔ اب میں نے اپنے قول کی تصدیق کر دی، یہ باغ اور جو کچھ
اس میں ہے سب تجھے ہبہ کیا، ہاں البتہ میرے اصحاب جو ساتھ آئے ہیں،
ان کو میری خاطر سے اپنا مہمان کر اور ان کا اکرام کر تاکہ اس باغ کے میوے اور
خرمے کھائیں۔ خدا تیرے حسن خلق میں اور تیرے ادب میں برکت دے اور
بروز قیامت گرامی اور بزرگ رکھے۔ غلام نے کہا اگر آپ نے اپنا باغ مجھے دے
دیا ہے تو میں نے بھی اس کو آپ کے اصحاب اور آپ کے شیعوں کے لیے وقف
کر دیا ہے۔

اسامہ بن زید غلام زادے ہی تھے جن کا تذکرہ آپ کے نانا کے غلاموں
کے حالات میں ہو چکا ہے، وہ بیمار ہوئے۔ امام حسینؑ ان کی عیادت کو گئے۔
حضرت نے حال پوچھا اسامہ نے کہا ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ یا مولا! میں
بیمار ہوں مگر زیادہ صدمہ مجھے اس بات کا ہے کہ میں ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار
ہوں اور دین دار دنیا سے جاتا ہوں۔ فرمایا غم نہ کرو، انشاء اللہ تمہارا قرض ادا
کر دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا مولا میرے سامنے تو ادا نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا
نہیں تمہارے سامنے ہی ادا ہو جائے گا۔ اسی وقت ساٹھ ہزار درہم منگوا کے
ان کے سامنے قرض خواہ کو دے دیے۔

واقعۂ کربلا میں غلاموں کی شمولیت اور ان کی

خدمات و شہادت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ اپنے غلاموں کو غلام نہیں سمجھتے

تھے بلکہ اپنے خاندان کی ایک فرد جانتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، گھر
میں تقسیم کار کرتے، ایک دن غلام و کنیز کی باری ہوتی تو دوسرے دن خود کام
کرتے اور غلام و کنیز آرام کرتے۔ ان غلاموں کو تعلیم دیتے، مسائل دین سکھاتے،
حرام و حلال بتاتے، انھیں دیندار اور عالم دین بنا دیتے تھے۔ جناب فضہ جناب
فاطمہ زہراؑ کی کنیز اور امام علی رضا علیہ السلام کی کنیز جنھیں چار سو احادیث یاد
تھیں مثال میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

انسان کی عادت ہے کہ زمانۂ راحت و آرام میں ساتھ رہتا ہے لیکن زمانۂ
تکلیف میں ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن محمدؐ و آل محمدؐ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند کرداری
کا اثر یہ تھا کہ لونڈی غلام مرجانا گوارا کرتے تھے لیکن جدا ہونا پسند نہیں تھا۔ کربلا
میں شب عاشور امام حسینؑ نے سب کو جمع کر کے عام اعلان کر دیا تھا کہ تم میں
سے جو چاہے میرا ساتھ چھوڑ کر جا سکتا ہے مگر اصحاب و انصار اور عزیز و اقارب
ہر ایک نے یک زبان ہو کر کہا مولا! خدا اس دن کے لیے ہمیں زندہ نہ رکھے
کہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں، ہم اپنی گردنیں اپنی تلواروں سے کاٹ لیں گے۔
مگر آپ کو تنہا چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ ان جاں نثاروں میں غلام و آزاد سب ہی
ہم آواز تھے اور جب سب نے بالاتفاق اپنی وفاداری کا وعدہ کیا تو امام نے
بھی بلا استثنا فرمایا واللہ لا اعلم اصحابا اوفیٰ من اصحابی۔ امام عالی مقام
پوری تاریخ انسانیت پر ذمہ دارانہ نظر ڈال کر فرماتے ہیں خدا کی قسم، میرے
اصحاب سے زیادہ کسی کے اصحاب وفادار نہیں تھے۔ ان اصحاب میں آزاد
بھی ہیں غلام بھی ہیں، ملکی و غیر ملکی، سیاہ و سفید سب ہی شامل ہیں۔ شہادت
کے بعد معصوم تمام شہدائے کربلا کو سلام کہتا ہے۔ زیارت میں اگر حبیب و
مسلم بن عوسجہ پر سلام ہے تو شوذب، غلام ترکی، قارب اور جون حبشی کو

بھی نام بنام سلام موجود ہے۔

کربلا میں جن غلاموں نے معیت امامؑ میں اپنی قربانیاں پیش کیں ان کے مختصر حالات ہدیۂ ناظرین کیے جارہے ہیں تاکہ ہماری زندگی کے لیے مشعل راہ بن سکیں۔

منجح بن سہم

شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں ان کو اصحاب امام حسینؑ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور زمخشری نے کتاب الابرار میں لکھا ہے کہ حُسینیہ امام حسینؑ کی کنیز تھی، اس کی شادی سہم کے ساتھ کر دی جس سے منجح کی ولادت ہوئی اور اس اعتبار سے منجح امام حسینؑ کے غلام تھے۔ یہ کنیز سید سجادؑ امام زین العابدینؑ کے گھر میں خدمت کرتی تھی۔ جب حضرت سید الشہداء عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ اپنے فرزند منجح سمیت حضرت کے ہمراہ تھی۔ اس روایت کو علامہ شیخ عبداللہ مامقانی طاب ثراہ نے اپنی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال میں درج کیا ہے۔

فاضل سماوی کا بیان اس کے خلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ منجح امام حسنؑ کے غلام تھے اور کربلا میں امام حسنؑ کی اولاد کے ساتھ آئے تھے۔ بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منجح کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارت شہداء میں جو ناحیہ مقدسہ کی طرف نسبت رکھتی ہے۔ ان پر بایں الفاظ سلام موجود ہے السلام علیٰ منجح مولی الحسینؑ بن علیؑ۔ یہ نسخہ زیارت کا اگر صحیح ہے تو وہ پہلی روایت کا موید ہے۔

کربلا میں ان کی شہادت اوائل جنگ کے واقعات میں سے حملۂ اولیٰ کے پہلے ہے۔ حدیقۂ وردیہ کے مصنف نے ان کے قاتل کا نام حسان بن بکر حنظلی لکھا ہے صاحب ناسخ نے ان کا نام ان شہداء میں درج کیا ہے جن کا تذکرہ مورخین و محدثین کسی نے نہیں کیا ہے اور بس ان کا نام زیارت شہداء میں وارد ہوا ہے لیکن ہمارے گزشتہ بیان سے ظاہر ہوگیا کہ ناسخ کا یہ اظہار درست نہیں ہے۔ (شہداء کربلا حصہ اول ص ۴۰)

سعد مولیٰ عمرو بن خالد

عام طور سے کتابوں میں سعد نام درج ہے لیکن زیارت شہداء میں "سعید" نام مذکور ہے۔ صاحب ناسخ نے بھی ان شہداء کے تذکرہ میں جن کا ذکر مورخین و محدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف ان کے نام زیارت شہداء میں مذکور ہوئے ہیں "سعد مولیٰ عمرو بن خالد الصیداوی" لکھا ہے۔ طبری وغیرہ میں ان کے نام کے ساتھ ولدیت مذکور نہیں ہے لیکن علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں ان کے نام کے محل پر لکھا ہے "سعد بن عبداللہ"۔ اور بیان کیا ہے کہ شیخ نے اپنی کتاب الرجال میں اسی عنوان سے بغیر کسی لقب اور وصف کے ان کا نام اصحاب حسین میں مندرج کیا ہے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ شریف النفس، بلند ہمت غلام تھے جنھوں نے اپنے مالک عمرو بن خالد کا آخر وقت تک ساتھ دیا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ اسی مختصر قافلہ میں آکر امام سے ملحق ہوئے تھے جو عذیب الہجانات میں امام کے پاس پہنچا تھا اور میدان جنگ میں بھی وہ انھیں ہمراہیوں کے جتھے کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جابر بن حجاج

قبیلہ "تیم اللہ بن ثعلبہ" میں سے عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کوفہ کے باشندے بہادر اور شہسوار تھے۔ پہلے جناب مسلم بن عقیل کی حمایت کے لیے کمربستہ ہوئے مگر حالات کے دگرگوں ہونے کے ساتھ مثل دوسرے بہت سے افراد کے وہ بھی اپنے قبیلہ میں چھپ رہے۔ جب امام کے کربلا میں وارد ہونے کی خبر ملی تو یہ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور خفیہ طور سے آکر حضرت سید الشہداء کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (شہداء کربلا حصہ اول ص ۵۳)

حارث بن بنہان

بنہان حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے غلام بہادر اور شہسوار تھے۔ جنگ احد میں جناب حمزہ کی شہادت ہوئی اس کے دو برس کے بعد بنہان نے دنیا سے مفارقت کی۔ ان کے فرزند حارث نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت سید الشہداء نے مدینہ منورہ سے ہجرت فرمائی تو حارث بھی ہمراہ رکاب ہوئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں درجۂ شہادت حاصل کیا۔

سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی

اپنے مالک کے ساتھ اسی قافلہ میں جو یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ بصرہ سے کربلا آیا تھا، امام کی خدمت میں آئے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں

شہید ہوئے۔ زیارت شہداء میں ان پر سلام کیا گیا ہے السلام علی سالم مولیٰ عامر بن مسلم (ابصار العین ص ۱۱۲)

سلیم

امام حسنؑ کا غلام باوفا کربلا میں نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوا۔ (رجال طوسیؒ ص ۷۴)

شبیب بن عبداللہ

حارث بن سریع ہمدانی جابری کے غلام صحابی رسولؐ اور حضرت امیر المومنین کے ساتھ جمل، صفین، نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کا شرف حاصل کیے ہوئے کوفہ کے باشندے تھے۔ کربلا میں سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن حارث بن سریع دونوں اپنے آقازادوں کی معیت میں امام کی خدمت میں پہنچے اور روز عاشور حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارت شہداء کے پیش نظر نسخہ میں ان پر سلام کے الفاظ حسب ذیل ہیں السلام علی شبیب بن الحارث بن سریع۔ صاحب ناسخ نے بھی ان شہداء کی فہرست میں جنھیں مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں ان کے اسماء کا تذکرہ ہے شبیب بن حارث بن سریع ہی نام درج کیا ہے۔ بظاہر یہ راوی حدیث کی غلطی ہے جس نے مولیٰ کے بجائے ابن کی لفظ نقل کر دی ہے۔ (شہداء کربلا حصہ اول ص ۲۷)

قارب مولی الحسینؑ

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دائلی ان کی ماں فکیہہ امام حسینؑ کی حرم سرا میں جناب رباب مادر سکینہ کی کنیز تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ

بن اریقط کے ساتھ ہوئی جن سے قارب کی ولادت ہوئی۔ قارب اپنی ماں
کی ہمراہی میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا آئے اور حملۂ اولیٰ
میں شہید ہوئے۔ زیارت شہداء میں ان پر سلام کیا گیا ہے السلام علی قارب
مولی الحسینؑ بن علیؑ اور صاحب ناسخ نے ان کا نام ان شہداء کے سلسلہ
میں درج کیا ہے جنھیں محدثین و مورخین نے ذکر نہیں کیا ہے اور صرف زیارت
میں ان کا تذکرہ ہے۔ (شہداء کربلا حصہ اول ص ۷۸)

نصر بن ابی نیزر

ابو نیزر نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم وغیرہ کے بادشاہ کی نسل
سے تھے۔ بچپنے میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا، رسالت
مآبؐ کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے۔ حضرت نے ان کی تربیت
کی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ امیرالمومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے
مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں ان کے حالات
کا تذکرہ ہے اور ان کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیرالمومنینؑ کے چشمہ
برآمد کرنے اور اسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔ ان کے
فرزند نصر نے کم سنی اور نوجوانی امیرالمومنینؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ گزاری
اور آخر میں امام حسینؑ کی غلامی میں رہے۔ یہاں تک کہ سفر عراق میں حضرت
کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے۔ حملۂ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا
پھر وہ خود درجۂ شہادت پہ فائز ہوئے۔

زاہر

مولیٰ عمرو بن الحمق جد محمد بن سنان زاہری ۶۰ھ میں حج سے مشرف

ہوئے اور حضرت قاضی نعمان مصری سے مروی ہے کہ جب عمرو بن الحمق
معاویہ کے خوف سے ایک جزیرہ کی جانب فرار ہوئے تو امیرالمومنینؑ کے
اصحاب میں سے ایک مرد زاہر نامی ان کے ساتھ تھا۔ جب سانپ نے عمرو
کو کاٹ لیا اور ان کا بدن ورم کر آیا تو انھوں نے زاہر سے کہا کہ میرے حبیب
رسولؐ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے خون میں جن و انس شرکت کریں گے
اور میں ناچار شہید کیا جاؤں گا۔ اس وقت کچھ گھوڑ سوار ظاہر ہوئے جو عمرو
کی تلاش میں تھے۔ عمرو نے زاہر سے کہا تو پوشیدہ ہو جا کہ یہ لوگ میری
تلاش میں ہیں، یہ لوگ مجھے قتل کریں گے اور میرا سر کاٹ کر لے جائیں گے۔
جب یہ لوگ مجھے قتل کر کے چلے جائیں تو تو اپنے کو ظاہر کرنا اور میرے
بدن کو دفن کر دینا۔ زاہر نے کہا کہ جب تک میرے ترکش میں تیر ہیں میں
ان سے لڑوں گا یہاں تک کہ تیرے ساتھ شہید ہو جاؤں گا۔ عمرو نے کہا
کہ جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر، یہ زیادہ نفع بخش ہے میرے حق میں
تیرے لیے۔ زاہر نے عمرو کے کہنے کے مطابق عمل کیا، زندہ رہا اور کربلا
میں شہید ہوا۔ (منتہی الآمال ص ۳۵۱)

اسلم بن عمرو

ان کے باپ ترکی تھے اور خود کاتب امام حسینؑ تھے۔ شیخ عباس قمی نے
منتہی الآمال میں ان غلاموں کی تعداد جو صرف امام حسینؑ کے تھے، دس
بتائی ہے اور دو غلام امیرالمومنینؑ کے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔
(منتہی الآمال ص ۳۵۳)

شوذب

آپ عابس بن شبیب شاکری کے غلام تھے۔ آپ اپنے آقا کے ساتھ مکہ سے عراق اور کربلا پہنچے، روز عاشور عابس نے اپنے غلام سے کہا کیوں شوذب، تمھارا کیا ارادہ ہے؟ شوذب نے کہا ارادہ کیا ہے یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں عابس نے کہا شاباش، مجھے تم سے یہی امید تھی، اچھا تو پھر آگے بڑھو اور امام کے اوپر جان قربان کرو تاکہ تمھاری مصیبت بھی اسی طرح دیکھ لیں جس طرح اپنے دوسرے اصحاب کی، اور میں بھی تمھارے غم کو برداشت کرکے ثواب کا مستحق ہو جاؤں یقیناً اگر کوئی ایسا شخص میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار حاصل ہے تو مجھے خوشی ہوتی کہ وہ میرے سامنے جائے تاکہ میں اس کی مصیبت کو برداشت کروں۔ چونکہ آج کے دن کے بعد عمل کا دفتر بند ہے اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ شوذب آگے بڑھے، امام کو سلام کیا اور پھر جنگ کرکے شہید ہوئے۔ (منتہی الآمال ص ۳۶۷، ابصار العینؑ)

وہ غلام دنیا کے شاہوں سے زیادہ عزت والا تھا کہ اس پر امام نے زیارت شہداء میں سلام کیا السلام علی شوذب مولیٰ شاکر۔

غلام ترکی

حضرت سید الشہداء کا نہایت صالح، عابد و پرہیزگار اور قاری قرآن غلام تھا۔ روز عاشورہ دشمنوں کے سامنے آیا، رجز پڑھی، حملہ کیا اور بہت سوں کو واصل جہنم کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ستر دشمنوں کو قتل کرکے

خود نشانۂ ظلم و ستم ہو کر شہید ہوا۔ حضرت امام حسینؑ اس کے سرہانے پہنچے، گریہ فرمایا اور اس غلام کے رخسارہ پر رخسارہ مبارک رکھ دیا۔ غلام نے آنحضرتؐ کی زیارت کی، مسکرایا اور اسی حالت میں روح جنت کو پرواز کر گئی۔

(منتہی الآمال ص ۳۷۱)

جناب جون حبشی

آپ فضل بن عباس بن عبد المطلب کے غلام تھے۔ حضرت علیؑ نے خرید کر جناب ابوذر کو دے دیا اور ربذہ میں آپ جناب ابوذر کے ساتھ تھے. اپنے آقا کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور خدمت امیر المومنینؑ میں رہنے لگے. آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے دامن اقدس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی کفالت میں رہے اور آپ نے امام زین العابدینؑ کے سپرد فرمایا۔ کربلا میں آپ اہل بیتؑ کے ساتھ آئے بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کا زمانہ دیکھا تھا اور امیر المومنینؑ کے ساتھ جمل و صفین اور نہروان میں کارنمایاں انجام دے چکے تھے۔ کربلا میں آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اسلحہ سازی میں کمال حاصل تھا، شب عاشور آپ آلات حرب کی اصلاح میں مصروف رہے۔

جب میدان کربلا میں امام حسینؑ نرغۂ اعداء میں گھر گئے اور صبح سے دوپہر تک سارا گھر موت کے گھاٹ اتر گیا تو جون کے بڑھاپے نے بھی نوجوانوں کی طرح انگڑائی لی اور خمیدہ کمر کو سیدھا کرکے وہ مولا و آقا کے سامنے کھڑے ہوئے اور اذن جہاد مانگا۔ امام مظلوم نے فرمایا جون! اسلام کی بہت خدمت کر چکے ہو، راہ خدا میں کافی جہاد کیے ہیں، اب تمھارے آرام کا وقت ہے بوڑھے

لوگوں سے جہاد ساقط ہے۔ اے جون! ہماری طرح اپنے کو مبتلائے مصیبت نہ
کرو، میں نے تم کو رخصت کیا، جاؤ اور اپنے لیے راہ سلامتی وعافیت اختیار
کرو۔ اس دیندار غلام نے عرض کی فرزند رسولؐ! میں نے اب تک تو راحت
وآرام کے زمانے میں رہ کر آرام سے زندگی بسر کی اور اب اس مصیبت
اور تکلیف کے زمانے میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر آپ سے الگ ہو جاؤں؟
یہ نہیں ہو سکتا۔

خدا کی قسم میرے نسب کے پست ہونے، میرے جسم کی بدبو، میرے
کالے رنگ کی وجہ سے آپ مجھے بہشت میں جانے سے نہ روکیے، مجھے
جہاد وشہادت کی اجازت دیجیے تاکہ میرے جسم میں خوشبو پیدا ہو جائے،
میرا جسم خوبصورت ہو جائے اور میرا چہرہ نورانی ہو جائے۔ خدا کی قسم، اس
وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپ کے پاک
وپاکیزہ خون میں نہ مل جائے، میرے سید وسردار میں آپ کی نصرت و
حمایت سے کیسے منہ موڑلوں جب کہ آپ کی محبت میرے لیے عزوشرف
ہے۔ میرے سید وسردار! جس دن مجھے آپ کے در رحمت کے علاوہ
کسی اور کے دروازے پر رہنا پڑے اس دن خدا کرے میں زندہ نہ رہوں۔
مساوات پرور اور نسلی امتیازوں کو مٹانے والے امام پر یہ بات اثر انداز ہوئی
اور انھوں نے جون کو جہاد کی اجازت دے دی۔ آپ میدان کارزار میں
آئے، بروایتے پچیس اور بروایتے ستر اور بروایتے تین سو دشمنان دین
کو واصل جہنم کیا۔ یہ دیکھ کر اشقیاء نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا
اور سب نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ
آپ کی لاش پر آئے اور دعا فرمائی اے میرے اللہ! جون کے چہرے کو

نورانی کر دے، اس کے جسم میں خوشبو پیدا کر دے، اسے نیک بندوں
کے ساتھ محشور فرما، اس کے اور محمدؐ وآل محمدؐ کے درمیان دوستی اور شناسائی
پیدا کر دے۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ اہل قریہ جنھوں نے لاشہائے
شہداء کو دفن کیا تھا، دس روز کے بعد ان کی لاش کو دیکھا کہ چہرہ سفید
نورانی ہے، لاش سے مشک کی بو آتی ہے۔ (منتہی الآمال ص ۳۷۰)

تحفظ حقوق انسانی اور حریت وآزادی کے زبانی دعوے دار اگر
غریبوں اور کمزوروں کو سرمایہ داروں اور ظالموں سے نجات دلانا چاہتے
ہیں تو وہ واقعۂ کربلا کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ امام حسینؑ نے ان اکرمکم
عند اللہ اتقٰکم کی عملی تفسیر کس طرح پیش کی ہے۔ آج نہ کسی عرب کو
غیر عرب پر فضیلت حاصل ہے نہ کسی گورے کو کالے پر، البتہ تقویٰ و
پرہیزگاری کے ذریعہ ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ہزاروں
سلام اس امام عالی مقام پر جس نے سیاہ فام غلاموں کو اجازت جہاد دے کر
حیات جاوداں بخش دی اور ہزاروں سلام ان وفادار جاں نثاروں پر
جنھوں نے امام کی معیت میں دین حق کے تحفظ کی خاطر اپنی جانیں قربان
کر کے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کو اپنا غلام بنالیا۔

امام زین العابدینؑ کا غلاموں کے ساتھ

طرز عمل

پیغمبر اسلام کی مبارک نسل کی یہ خصوصیت تھی کہ بارہ فردیں لگاتار ایک ہی طرح کے انسانی کمالات اور بہترین اخلاق و اوصاف کی حامل ہوتی رہیں جن میں ہر ایک اپنے وقت میں نوع انسانی کے لیے بہترین نمونہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی سید سجّاد تھے جو اخلاق و اوصاف میں اپنے بزرگوں کی یادگار تھے۔ ایک طرف صبر و برداشت کا جوہر وہ تھا جو کربلا کے آئینہ میں نظر آیا تو دوسری طرف حلم اور عفو کی صفت آپ کی انتہا درجہ پر تھی۔ فیاضی اور خدمت خلق کا جذبہ آپ کا ایسا تھا کہ راتوں کو غلہ اور روٹیاں اپنی پشت پر رکھ کے غریبوں کے گھروں پر لے جاتے تھے اور تقسیم کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ وہ کہاں سے پاتے ہیں اور کون ان تک پہنچاتا ہے۔ جب حضرت کی وفات ہوئی اس وقت انھیں پتہ چلا کہ یہ امام زین العابدینؑ تھے۔ عمل کی ان خوبیوں کے ساتھ علمی کمال بھی آپ کا ایسا تھا جو دشمنوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کرتا تھا اور ان کو اقرار تھا کہ آپ کے زمانے میں فقہ اور علم دین کا کوئی عالم آپ سے بڑھ کر نہیں۔ ان تمام ذاتی بلندیوں کے ساتھ آپ دنیا کو یہ سبق بھی دیتے تھے کہ بلند خاندان سے ہونے پر ناز نہیں کرنا چاہیے یہاں تک کہ آپ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا نام و نسب لوگوں کو

نہ بتلاتے تھے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے نسب کا سلسلہ تو پیغمبر خدا تک ملاؤں اور ان کے صفات مجھ میں نہ پائے جائیں۔ آپ کی غلام نوازی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسینؑ نے فرمایا کہ میں اپنے عیال کے لیے ان کی شدید خواہش کا خیال رکھتے ہوئے گوشت خرید کر لاؤں ان کی یہ خواہش پوری کرنا میرے لیے زیادہ محبوب ہے کہ میں راہ خدا میں کچھ غلام آزاد کروں۔

یمن کے ایک شخص عبداللہ بن محمد نے عبدالرزاق سے نقل کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام کی ایک کنیز وضو کے لیے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹا (آفتابہ) چھوٹ گیا جس سے آپ کا سر اقدس زخمی ہوگیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کنیز فوراً ہی گویا ہوئی اور کہنے لگی خداوند عالم کا ارشاد ہے والکاظمین الغیظ (اور کچھ لوگ غصے کو پی جاتے ہیں) آپ نے فرمایا میں نے اپنے غصے کو پی لیا۔ کنیز نے پھر کہا والعافین عن الناس (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے بھی ہوتے ہیں) آپ نے فرمایا خدا تجھے معاف فرمائے گا۔ کنیز نے پھر کہا یا واللہ یحب المحسنین (اور اللہ تو نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) (سورہ آل عمران آیت ۱۳۴) آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ (امالی صدوق ص ۲۰۱ الارشاد المفید ص ۲۷۴ مناقب ج ۴ ص ۲۹۶)

ابوبصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے پدر بزرگوار نے اپنے ایک غلام کو کسی ضرورت کے تحت باہر بھیجا وہ تاخیر سے واپس آیا تو امام علیہ السلام نے اسے کوڑے کی ایک

ضرب لگائی جس پر وہ رونے لگا اور بولا کہ اے مولا و آقا! علی بن الحسین (علیہ السلام) آپ نے ہی مجھے کام کے لیے بھیجا اور پھر مارا بھی۔ (مؤلف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔)

امام فرماتے ہیں کہ اس پر میرے پدر بزرگوار رونے لگے اور مجھ سے فرمایا بیٹا ذرا قبر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو اور خدا کی بارگاہ میں عرض کرو کہ پالنے والے قیامت کے دن علی بن الحسینؑ کی خطا کو بخش دینا۔ پھر غلام سے فرمایا کہ جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپ کے قربان جاؤں۔ غلام کو آزاد کرنا اس کے مارنے کا کفارہ ہے۔ امام علیہ السلام خاموش رہے۔ عبداللہ بن عطا سے منقول ہے کہ حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام کے غلام نے ایک ایسا جرم کیا جس کی سزا کا وہ مستحق تھا۔ چنانچہ امام نے اسے سزا دینے کے لیے چابک اٹھایا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی قل للذین آمنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ (الجاثیہ آیت ۱۴) ترجمہ: "اے رسولؐ مومنوں سے کہہ دیجیے کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی جو جزا کے لیے مقرر ہیں توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں" غلام نے عرض کیا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ روز جزا کی امید نہ ہو، میں تو خدا کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ سن کر امام نے چابک ہاتھ سے پھینک دیا اور فرمایا کہ تو غلامی سے آزاد ہے۔ (کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۹۶)

حسن بن علی راوی ہیں کہ حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام فرماتے تھے کہ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو مارا۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور کوڑا نکالا اور اسے صاف ستھرا کر کے غلام

سے فرمایا کہ تم اس کے بدلے میں علی بن الحسینؑ کے کوڑا لگاؤ۔ یہ سن کر اس نے اس سے انکار کر دیا تو آپ نے اسے پچاس دینار عطا فرمائے۔ (مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے)

عبداللہ بن مسکان حضرت امام علی بن الحسینؑ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر مہینے اپنی کنیزوں کو بلا کر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھے عورتوں کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا تم میں سے جو نکاح کرنا چاہے میں اس کا نکاح کیے دیتا ہوں یا بیع چاہے تو میں اسے فروخت کیے دیتا ہوں یا آزادی چاہے تو میں اسے آزاد کیے دیتا ہوں۔ اب اگر ان میں سے کوئی کہتی کہ نہیں تو آپ اس طرح بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے کہ بار الہا! تو گواہ رہنا کہ میں نے انھیں اختیار دے دیا اور ان الفاظ کو آپ تین بار ادا فرماتے تھے۔ اگر کوئی خادمہ خاموش رہتی تو امام علیہ السلام اپنی مخدرات سے فرماتے تھے کہ تم اس سے پوچھو کہ یہ کیا چاہتی ہے؟ پھر امام اسی کی خواہش کے مطابق عمل کرتے تھے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۰۱)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جب زید بن اسامہ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ انھوں نے کہا مجھ پر پندرہ ہزار دینار کا قرض ہے اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے قرض ادا ہو سکے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیوں گھبراتے ہو، اس قرض کی ذمہ داری مجھ پر ہے تم بری الذمہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے وہ قرضہ ادا فرما دیا۔ (الارشاد ص ۲۷۵)

مناقب ابن شہر آشوب میں بھی یہی روایت حلیہ سے نقل کی گئی ہے اور اس میں زید بن اسامہ کے بجائے محمد بن اسامہ سے اس واقعہ کا تعلق بتایا گیا ہے۔

زید یا محمدؐ انھیں اسامہ کے بیٹے ہیں جن کو پیغمبرؐ نے لشکر کا سردار بنایا تھا اور ان کی معیت میں تمام اصحاب کو روم کی طرف جانے اور لڑنے کا حکم دیا تھا۔ یہ رسولؐ کی زندگی میں آخری لشکر تھا لیکن علیؑ اس سے مستثنیٰ تھے۔ (مولف)

مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک کنیز کے ہاتھ سے سالن وغیرہ کا پیالہ چھوٹ کر گر پڑا۔ خوف کے مارے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۲۹۶)

مروی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو اپنی زمین کی ایک عمارت کی دیکھ بھال پر متعین فرمایا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے عمارت کو نقصان پہنچایا جس سے امام علیہ السلام نے اس کو کوڑے کی ایک ضرب لگائی اور پھر افسوس بھی کیا کہ میں نے کیوں اسے ضرب لگائی۔ جب گھر تشریف لائے تو اس غلام کو بلایا۔ اس نے دیکھا کہ آپ قمیص اتار کر بیٹھے ہیں اور آپ کے سامنے کوڑا رکھا ہوا ہے، وہ یہ سمجھا کہ اب پھر پٹائی ہو گی۔ وہ خوف زدہ ہو کر کانپنے لگا۔ امام علیہ السلام نے کوڑا ہاتھ میں لے کر غلام کی طرف بڑھایا اور فرمایا کہ میں نے کبھی تمھیں نہیں مارا تھا اور اب یہ مجھ سے ایک لغزش ہوئی ہے کہ تمھیں ضرب لگائی لہٰذا تم یہ کوڑا لے کر اپنا بدلہ مجھ سے اتار لو۔ غلام کہنے لگا میرے آقا، خدا کی قسم! میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھے پھر سزا دیں گے جس کا میں مستحق ہوں، بھلا میں یہ بے ادبی کیسے کر سکتا ہوں کہ آپ سے اپنا بدلہ لوں۔ آپ نے کئی بار بدلہ لینے کے لیے اصرار کیا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور اس نے اللہ سے معافی مانگی، پھر امام نے قصاص نہ لینے پر وہ عمارت اسی کو بخش دی۔ (مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔)

ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان بیٹھے تھے کہ آپ کا ایک خدمت گار تنور میں بھنا ہوا گوشت لے کر جلدی میں آپ کے پاس جا رہا تھا۔ کباب کی گرم گرم سیخ جناب امام علیہ السلام کے صاحبزادے کے سر پر گر پڑی جو زینہ کے نیچے تھے۔ اس کی ضرب اس قدر کاری تھی کہ بچہ جاں بحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر غلام پریشان اور بدحواس ہو گیا۔ جب امام علیہ السلام نے غلام کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ جا میری طرف سے تو آزاد ہے، تیرا یہ عمل دانستہ طور پر نہیں ہوا اور پھر امام بچے کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص ۲۷۳)

محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب ماہ رمضان آتا تھا تو امام علی بن الحسین علیہ السلام اپنے کسی غلام اور کنیز کو کسی خطا پر زدوکوب نہ کرتے تھے۔ اگر وہ کوئی خطا کرتے تھے تو اپنے پاس لکھ کر رکھ لیتے تھے کہ فلاں غلام یا کنیز نے فلاں دن ایسا کیا اور آپ انھیں کوئی سزا نہ دیتے تھے اور آپ انھیں آداب سکھاتے تھے۔ جب ماہ رمضان کی آخری رات آتی تھی تو انھیں بلا کر اپنے پاس بٹھاتے اور انھیں وہ تحریر شدہ ان کا اعمال نامہ دکھا کر فرماتے تھے کہ اے فلاں! تم نے یہ خطا کی تھی جس پر میں نے تمھاری کوئی سرزنش نہیں کی، کہو تمھیں کچھ یاد ہے؟ چنانچہ یہی جواب ملتا کہ فرزند رسولؐ! آپ کی تحریر بالکل صحیح ہے جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام ہر خطا کار غلام یا کنیز سے بھی یہی فرماتے تھے اور فرداً فرداً ہر ایک سے اقرار لیتے تھے، پھر ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرماتے تھے کہ ذرا اونچی آواز میں یہ تو کہو کہ اے علی بن الحسینؑ! آپ کے

رب نے آپ کے ہر اس عمل کو شمار کر رکھا ہے جو آپ نے کیا ہے بالکل اسی
طرح جس طرح آپ نے ہماری غلطیاں اور خطائیں تحریر کی ہیں جو ہم
نے کی ہیں اور اس ذات کے پاس وہ کتاب ہے جو حق کے ساتھ کلام
کرتی ہے اور آپ کے ہر کبیرہ و صغیرہ کو شمار کر رکھا ہے اور آپ اپنے ہر
عمل کو اس کے پاس موجود پائیں گے جیسا کہ ہم نے اپنے ہر عمل کو آپ کے
پاس موجود پایا ہے لہٰذا آپ ہمیں معاف فرمائیے اور ان خطاؤں کو اس
طرح نظر انداز کیجیے جس طرح آپ بادشاہ حقیقی سے معافی کی امید رکھتے
ہیں اور جس طرح آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ مالک آپ کی
خطاؤں کو معاف فرمادے اسی طرح ہمیں بھی معاف کیجیے تو آپ اس ذات
کو بھی معاف کرنے والا اور اپنے اوپر رحم کرنے والا اور بخشنے والا پائیں گے
اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جس طرح اس ذات کے پاس لکھا ہوا
اعمال نامہ موجود ہے اسی طرح آپ کے پاس بھی کتاب ہے جو ہمارے بارے
میں سب کچھ حق اور درست رکھتی ہے اور جس میں ہمارا کوئی گناہ صغیرہ و
کبیرہ ایسا نہیں ہے جس کا احاطہ و شمار نہ کر لیا گیا ہو۔

لہٰذا اے علی بن الحسینؑ! آپ بھی اپنے مقام کی اس ذلت کو ذہن میں
رکھیے جو آپ کے اس عادل و منصف رب کے سامنے ہے جو رائی کے دانے
کے برابر ظلم نہیں کرتا اور جو بروز قیامت سارے اعمال سامنے لے آئے گا
اور ذات پروردگار ہی محاسبے اور گواہی کے لیے کافی ہے لہٰذا آپ بھی ہمیں
معاف فرمائیں اور ہماری خطاؤں سے چشم پوشی کریں۔ مالک حقیقی آپ کو
معاف فرمائے گا اور آپ کی خطاؤں سے صرف نظر کرے گا خود اسی کا
ارشاد ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں اور

کیا تمھیں یہ پسند نہیں ہے کہ خدا تمھیں معاف فرمادے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اس گفتگو سے جناب امام علیؑ بن الحسینؑ
نے اپنی ذات کو آواز دی تھی اور ان غلاموں اور کنیزوں کو تلقین کرنا مقصود تھا اور
یہ لوگ بھی آپ کے ساتھ اس آواز کے مطلوب تھے اور حالت یہ تھی کہ جناب
امام علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہوئے گریہ فرما رہے تھے اور فریاد کر رہے
تھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض پرداز تھے کہ پروردگار! یہ تیرا حکم ہے کہ ہم ان
لوگوں کو معاف کریں جنھوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہم نے ایسے لوگوں کو تیرے
حکم سے معاف کیا۔ لہٰذا اب تو بھی ہمیں معاف فرما۔ یقیناً تو ہم سے اور تمام
مخلوقات سے برتر اور اعلیٰ ہے۔ تو نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم حاجت مندوں
کو اپنے دروازوں سے خالی نہ لوٹائیں۔ اب ہم تیرے پاس سوالی اور محتاج کی
حیثیت میں آئے ہیں اور تیری بارگاہ کے در پر بیٹھے ہوئے ہیں اور تیری عطا
اور بخشش و کرم کے طالب ہیں لہٰذا ہم پر اپنا احسان فرما اور ہمیں ناامید نہ پھیر
کیوں کہ تو ہم سب سے اعلیٰ و بالا و افضل ہے۔ الٰہی تو کریم ہے لہٰذا مجھ پر کرم
فرما اس لیے کہ میں تیرا بندہ عاجز اور تجھ سے ہی سوال کر رہا ہوں، اے کریم
تو مجھے اپنی عطا پانے والوں میں شامل فرما۔ اس کے بعد جناب امام علیہ السلام
ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمھیں معاف کیا تو کیا تم مجھے
بھی معاف کرو گے اور ان باتوں سے درگزر کرو گے جو میری طرف سے تمھاری
کسی بری حرکت کی بنا پر تمھارے لیے صادر ہوئیں۔ میں ایک برا مالک اور
ظالم ہوں اس کے مقابلہ میں جو میرا مالک سخی، کریم، عادل، منصف اور
فضل و احسان کرنے والا ہے اور میں اسی کا بندہ و غلام ہوں۔

چنانچہ ان سب نے کہا کہ اے ہمارے آقا! ہم نے آپ کو معاف کیا اور

آپ نے تو ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں دعا کرو کہ پروردگار! علی بن الحسینؑ کو اسی طرح معاف فرمادے جس طرح انھوں نے ہمیں معاف کیا ہے اور آتش جہنم سے آزاد کردے جیسے انھوں نے طوق غلامی سے ہماری گردنیں آزاد کی ہیں۔ چنانچہ وہ سب اسی طرح دعا کرتے تھے پھر فرماتے جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا اور خدا سے اپنی معافی اور آتش جہنم سے اپنی آزادی کی امید میں تمھیں معافی دے دی۔ پھر آپ ان سب کو غلامی اور کنیزی سے آزاد کر دیتے۔

جب عید الفطر کا دن آتا تو امام علیہ السلام انھیں انعامات سے اس قدر نوازتے تھے کہ وہ بے نیاز ہو جاتے تھے۔ کوئی سال ایسا نہ گزرتا تھا کہ ماہِ رمضان کی آخری رات میں آپ بیس سے کم یا زیادہ غلام و کنیزیں آزاد نہ کرتے ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر شب میں افطار کے وقت تک ستر لاکھ ان افراد کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے جو اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ جب ماہ رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو خداوند عالم اس شب میں اتنے افراد کو آزاد کر دیتا ہے جتنے کل ماہ رمضان میں آزاد کیے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے دیکھے کہ میں نے اس دنیا میں اپنے غلام اس امید پر آزاد کیے ہیں کہ وہ مجھے دوزخ کی آگ سے آزادی عطا فرمائے۔

جناب امام زین العابدینؑ ایک سال سے زیادہ کسی خادم سے خدمت نہیں لیتے تھے اور جب کسی کو سال کے شروع یا درمیانِ سال غلامی میں لیتے تھے تو جب شب عید آتی تھی تو اسے آزاد کر دیتے تھے اور دوسرے سال ان کے بدلے میں دوسرے غلام لیتے اور انھیں آزاد کر دیا کرتے تھے۔

آپ کا یہ عمل مسلسل تاحیات جاری رہا۔

آپ جب حبشیوں کو خرید فرماتے اور پھر ان کی ضرورت نہ رہتی تو انھیں عرفات میں لاتے تھے اور ان کی پریشان حالی کو دور کرنے کے سامان مہیا فرماتے تھے اور جب یہ کام مکمل فرمالیتے تھے تو انھیں آزاد کر دیتے اور مال عطا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ (الاقبال ص ۴۷۷، ترجمہ بحار الانوار ص ۱۱۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم بزرگوار امام حسن علیہ السلام کی کنیز سے نکاح کیا جس کی خبر عبد الملک بن مروان کو پہنچی تو اس نے جناب امام علیہ السلام کو لکھا کہ یہ آپ نے کیسا عمل کیا ہے کہ آپ کنیزوں کے شوہر بن گئے۔

امام علیہ السلام نے اسے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم نے ان باتوں کو جو گھٹیا اور حقیر سمجھی جاتی تھیں انقلاب اسلام کے ذریعہ سے برتری عطا فرمائی اور ان کے نقائص کو دور فرمایا اور جنھیں کمینہ اور ذلیل خیال کیا جاتا تھا اسلام سے انھیں عزت بخشی۔ مسلمان قابل ملامت نہیں، ملامت کے قابل دور جاہلیت کی باتیں ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک غلام کا نکاح کرایا اور خود ایک کنیز سے شادی کی تو مجھ پر کون سی اعتراض کی بات ہے۔ جب امام علیہ السلام کا یہ خط عبد الملک کے پاس پہنچا تو ان لوگوں سے جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یوں کہنے لگا۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں آجائے جہاں لوگ اس کی رسوائی کے لیے تیار ہوں پھر بھی اس شخص کے فضل و شرف میں کمی تو کیا بلکہ مزید اضافہ ہو جائے۔ حاضرین کہنے لگے، وہ تو صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ عبد الملک نے کہا خدا کی قسم،

میں اس عظمت کا مالک نہیں۔ حاضرین نے کہا ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ آپ ہی ایسے فرد ہو سکتے ہیں۔ عبدالملک نے کہا بخدا یہ امیرالمومنین اس شرف کا اہل نہیں بلکہ درحقیقت اگر ایسی ذات ہے تو وہ صرف علی بن الحسین علیہ السلام کی ذات مقدس ہے۔ (ترجمہ بحارالانوار ص ۱۱۵)

امامؑ کے اصحاب

فضل بن شاذان کا قول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ابتدائی زمانۂ امامت میں پانچ حضرات کے سوا اصحاب میں چھٹا کوئی نہ تھا اور وہ حضرات یہ ہیں۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام الطویل، ابوخالد کابلی کہ جن کا دردان نام اور لقب کنکر تھا۔

الاختصاص میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب روز قیامت ہوگا تو ایک منادی آواز دے گا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے صحابی کہاں ہیں جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام الطویل، ابوخالد کابلی اور سعید بن مسیب کھڑے ہو جائیں گے۔ ان اصحاب میں ہم سعید بن جبیر کے حالات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں جو بنی اسد کی ایک شاخ بنی والبیہ بن حارث کے غلاموں میں سے تھے اسی وجہ سے اسدی کہے جاتے تھے۔

سعید بن جبیر اسدی

آپ کا اصلی وطن حبشہ تھا، آخر میں کوفہ میں رہنے لگے تھے۔ ۴۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کے معتمد و موثق تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں وہ ابن عباس کے درس میں آکر بیٹھ جاتے تھے

اور جب دوسرے طلباء سوالات کرتے تھے تو عبداللہ بن عباس کے جوابات کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ عبداللہ بن عباس بیان کرتے تھے اور سعید اسے لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ کاغذ بھر جاتا تھا تو نعلین اور ہتھیلی پر لکھنے لگتے تھے اور وہ بھی بھر جاتے تھے۔ سعید کا ذوق تحصیل اور شوق تعلیم دیکھ کر ابن عباس نے ان پر خصوصی نگاہ مرحمت فرمائی تھی اور انھیں علوم سے کماحقہ نواز دیا تھا یہاں تک کہ ابن عباس خود سعید سے کہتے تھے کہ تم بیان کرو جب سعید معذرت کرتے تھے تو ابن عباس کہتے تھے کہ کیا یہ خداوند عالم کی تمہارے اوپر نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں اس کی گواہی دوں۔ اگر تم صحیح بیان کرو گے تو ٹھیک ہے ورنہ میں غلطی کی اصلاح کر دوں گا۔ اور کبھی کبھی سعید کے آنے پر ابن عباس ان کے حدیث کے بیان کرنے کا انداز معلوم کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے کہ حدیث بیان کرو اس لیے کہ تم نے مجھ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو محفوظ کیا ہے۔ ۶۸ھ میں جب ابن عباس کا انتقال ہوا تو اس وقت بھی سعید آپ کے پاس تھے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔

جبھی تو سعید عقیدہ کی پختگی، عمل کی پائیداری اور زہد و تقویٰ میں انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ امام زین العابدینؑ کے مطیع و فرمانبردار تھے اور محبتِ مولائے کائنات ان کی رگ و پے میں رچ بس گئی تھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے انھیں اسی جرم میں قتل کیا تھا۔ حجاج نے جس زمانے میں عبدالرحمٰن بن اشعث کو کابل اور سیستان کا حاکم بنا کر بھیجا تو سعید ان کے ساتھ تھے اور جب حجاج کے خلاف عبدالرحمٰن نے آوازِ انقلاب بلند کی تو وہ اس کے مددگاروں میں تھے لیکن عبدالرحمٰن کو جب تحریک انقلاب میں کامیابی نہ مل سکی تو سعید

ان کا ساتھ چھوڑ کر اصفہان میں آکر روپوش ہو گئے۔ پھر عراق جاکر قریہ سنبلان میں خانہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے۔ حجاج کو جیسے ہی یہ خبر ملی تو اس نے حاکم کو لکھا کہ سعید کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ لیکن حاکم کی سعید سے محبت وعقیدت نے اسے گوارا نہ کیا۔ انھوں نے سعید سے کہا کہ آپ کسی اور مقام پر کوچ کر جائیں۔ حجاج آپ کی تلاش میں ہے اور آپ کی گرفتاری کا حکم آچکا ہے۔ سعید آذربائیجان چلے گئے۔ کافی دنوں خانہ نشینی کی زندگی ناقابل برداشت ہو گئی تو مکہ میں جاکر قیام کیا۔ بعض لوگوں نے سعید کو مشورہ بھی دیا کہ آپ کسی اور مقام کو منتخب فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اتنا دردر پھرتا اور چھپتا رہا ہوں کہ اب خدا سے شرم آتی ہے، جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔

حجاج کو اطلاع ملی، اس نے ولید کو حکم دیا کہ سعید کو گرفتار کر لیا جائے۔ ولید نے خالد بن عبداللہ قشری کو لکھا کہ سعید کو گرفتار کر کے مع ان کے ساتھیوں کے حجاج کے پاس روانہ کر دے۔ سعید کو اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے، خالد نے گرفتاری کا حکم نافذ کرتے ہوئے کہا کہ ان کا طواف ختم کر دو۔

جناب سعید حجاج کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس نے حقارت اور توہین سے بھرپور انداز میں سعید سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟ سعید نے جواب میں فرمایا سعید بن جبیر۔ حجاج نے ذلت آمیز لہجہ میں کہا تمھارا نام شقی بن کسیر ہے۔ سعید نے نہایت متانت سے اسلامی آداب کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیا میرے پدر بزرگوار میرے نام کے بارے میں تجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔ حجاج نے پھر زبان درازی کرتے ہوئے اپنے ظلم کا ثبوت فراہم کیا اور کہا

تم نے بھی بدبختی اختیار کی اور تمھارے باپ نے بھی۔ جناب سعید نے ایمانی لہجہ میں جواب دیا کہ غیب کا جاننے والا تمھارے علاوہ کوئی اور ہے۔ حجاج کا لہجہ ظالمانہ ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں دنیا کے عوض میں تم کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دوں گا۔ جناب سعید نے قرآنی گفتگو کو اپنی زبان میں نقل کیا کہ اے حجاج اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ تیرے قبضہ میں ہے تو میں تجھ کو ہی خدا مان لیتا۔

جناب سعید کردار کی تلوار اور سیرت کی شمشیر سے حجاج پر برابر حملہ کرتے جا رہے ہیں اور حجاج غصہ سے پیچ و تاب کھاتا رہا ہے۔ حجاج نے پوچھا محمدؐ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ سعید نے فرمایا کہ وہ نبی رحمتؐ اور امام ہدایت ہیں، خداوند عالم نے انھیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ حجاج کا دوسرا سوال تھا کہ حضرت علیؑ کے بارے میں تمھارا کیا نظریہ ہے؟ وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟ سعید نے تقاضائے وقت اور مناسبت حال کا خیال کرتے ہوئے جواب دیا کہ اگر میں جنت میں داخل ہوا ہوتا اور اہل جنت کی معرفت حاصل ہوئی ہوتی تو میں بتاتا کہ جنت والے کون ہیں۔ حجاج نے سوال کیا تم خلفاء کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سعید نے جواب دیا کہ میں ان کے اوپر وکیل نہیں ہوں۔ حجاج نے وضاحت چاہی کہ خلفاء میں تم کس کو دوست رکھتے ہو؟ سعید نے جواب دیا جس سے اس کا خدا راضی ہے۔ حجاج نے پوچھا خدا کس سے راضی ہے؟ سعید نے جواب میں فرمایا اس کا علم اس ذات کے پاس ہے جو ان کے مخفی اور ظاہر امور کا جاننے والا ہے۔ حجاج نے غصہ میں آکر کہا کہ تم میری بات کی تصدیق سے انکار کرتے ہو؟ سعید نے جواب میں ارشاد فرمایا میں تمھاری تکذیب اس وقت نہیں کرنا چاہتا

حجاج عاجز آکر کہتا ہے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں معاف کر دوں۔ سعید نے ایمان ویقین سے معمور جواب دیا کہ اگر معافی ہے تو وہ صرف خدا کی جانب سے ہے لیکن تجھ کو انسان کے معاف کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ حجاج نے کہا اے سعید! تمھارے لیے ویل ہے۔ سعید نے فرمایا ویل اس کے لیے ہے جو جنت سے دور کر دیا گیا ہو اور جہنم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ حجاج نے کہا اے سعید! تم خود اپنے لیے اختیار کرو کہ میں تمھیں کس طرح قتل کروں۔ سعید نے جواب دیا اے دشمن خدا! تو خود اپنے لیے اختیار کر، بخدا تو جس طرح آج مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح میں تجھ کو آخرت میں قتل کروں گا۔ حجاج نے جھلا کر درباریوں کو حکم دیا کہ انھیں قتل کے لیے لے جایا جائے۔

سچ ہے کہ صاحب ایمان موت سے گھبراتا نہیں۔ جناب سعید کو جب درباری لے کر چلے تو وہ ہنسے۔ حجاج کو جب ان کے ہنسنے کی خبر ملی تو اس نے واپس لانے کا حکم دیا اور پوچھا کہ اے سعید! کس وجہ سے تم ہنس رہے تھے؟ سعید نے جواب میں فرمایا کہ خدا کے مقابلہ میں تو کتنی جرأت کا مقابلہ کر رہا ہے اور خدا تیرے اس جرأت کے باوجود کتنا حلیم و بردبار ہے۔ یہ سنتے ہی حجاج چیخ کر کہنے لگا کہ انھیں جلدی قتل کر دیا جائے۔ سعید نے فرمایا کہ اتنا رک جا کہ دو رکعت نماز ادا کر لوں۔ وہ روبقبلہ ہوئے اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں نے خالق ارض وسما کی جانب رخ کیا باطل سے رخ پھیر لیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا میں مشرک نہیں ہوں۔ حجاج نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ انھیں قبلہ سے منحرف کر کے نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو۔ دربار کے لوگوں نے حکم کی پابندی کی۔ اس پر سعید نے فرمایا کہ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

وَجْهُ اللّٰهِ جس طرف رخ کرو ادھر خدا ہے۔ حجاج نے کہا کہ انھیں منھ کے بھل لٹا دو، سعید نے آیت قرآن پڑھی مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى زمین سے میں نے تم کو پیدا کیا زمین میں ہم تمھیں لوٹائیں گے اور زمین سے دوبارہ نکالیں گے۔ حجاج نے حکم دیا کہ انھیں ذبح کر دو۔ حکم نافذ ہو گیا۔ سعید کی زبان پر فقرے تھے کہ میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اور آخری فقرہ جو ذبح ہونے سے قبل جناب سعید کی زبان پر تھا وہ یہ کہ خداوندا! تو میرے بعد حجاج کو کسی اور کے قتل پر مسلط نہ کرنا۔ جناب سعید کی دعا قبول ہوئی۔ جناب سعید کی شہادت ۹۴ھ میں ہوئی، حجاج ان کی شہادت کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا، صرف پندرہ دن زندہ رہا۔ اس کے شکم میں آگ کے شعلے بھڑکتے تھے، وہ راتوں کو جاگتا رہتا تھا اور چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ میرا سعید نے کیا بگاڑا تھا، جب میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو سعید میرا گریبان پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔

جناب سعید کی عمر وقت شہادت انچاس یا پچاس سال تھی۔ انھیں شہر حی سے دو میل کے فاصلے پر ظاہر واسط میں دفن کیا گیا۔ حجاج کے فی النار ہونے کے بعد ان کے قبر کی جانب خصوصی توجہ دی گئی، مزار بنایا گیا اور ۱۶۴۳ء میں اس پر ایک عظیم قبہ تعمیر کیا گیا اور ۱۹۰۰ء میں پرانی عمارت سے متصل ایک عالی شان عمارت تعمیر کر دی گئی ہے۔ (تنظیم المکاتب ۱۵/اپریل ۱۹۹۳ء مضمون مولانا ناظم علی)

امام علیہ السلام کے ایک حبشی غلام کی دعا سے بارش کا ہونا

مسعودی نے اثبات الوصیہ میں سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ

ایک سال قحط کی وجہ سے لوگ پریشان تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک غلام سیاہ پوست لوگوں سے جدا ہو کر ایک ٹیلہ پر آیا۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ دعا کر رہا تھا۔ ابھی اس کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک ابر آسمان پر آیا، اس غلام نے جب اس ابر کو دیکھا تو حمد خدا بجالایا اور وہاں سے اس نے حرکت کی اور اس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں اپنے غرق ہونے کا گمان ہونے لگا۔ پس میں اس غلام کے پیچھے ہولیا، میں نے دیکھا کہ وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے بیت الشرف میں داخل ہوا۔ پس میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے میرے سید و سردار! آپ کے گھر میں ایک غلام سیاہ ہے، اس کو آپ مجھے فروخت کر دیں۔ پس امام نے تمام غلاموں کو حاضر ہونے کا حکم دیا مگر میں نے اس غلام کو نہیں دیکھا۔ میں نے کہا جو غلام مجھے چاہیے وہ ان میں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی باقی نہیں ہے سوائے ایک کے۔ آپ نے اس کے حاضر کرنے کا حکم فرمایا۔ میں نے کہا یہی غلام مجھے مطلوب ہے۔ آپ نے اس غلام سے فرمایا، سعید تیرا مالک ہے اس کے ساتھ چلا جا۔ اس غلام نے میری طرف دیکھا اور کہا تو کیوں میرے اور میرے مولا کے درمیان جدائی پیدا کر رہا ہے۔ میں نے کہا صرف وہ بات ہے جو میں نے پہاڑی کے اوپر تجھ سے مشاہدہ کی۔ غلام نے جب یہ سنا بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر کہا پروردگار! تیرے اور میرے درمیان ایک راز تھا جس کو تو نے فاش کر دیا پس اب مجھے موت دے دے اور اپنے پاس بلالے۔ امام زین العابدین اور آپ کے تمام اصحاب اس غلام کے حال پر رونے لگے اور میں روتا ہوا باہر آیا۔ پس جب میں اپنے گھر پہنچا امام علیہ السلام کا قاصد آیا کہ اگر چاہتا ہے تو جنازہ میں شریک ہو جا۔ میں امام کے قاصد کے ساتھ واپس امام کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ اس غلام کی وفات ہو چکی ہے۔ اللہ اکبر! جن کے ادنیٰ غلاموں کی یہ شان ہے خود ان اماموں کے مراتب کو انسان کیا سمجھ سکتا ہے۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۹)

امام محمد باقرؑ اور غلامی

امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں جانشین، ہمارے پانچویں امام اور سلسلۂ عصمت کی ساتویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ ام عبداللہ فاطمہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے یعنی خدا کی طرف سے آپ امام معصوم اور اپنے عہد امامت میں سب سے بڑے عالم اور کائنات میں سب سے افضل تھے۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ عبادت، علم اور زہد وغیرہ میں اپنے باپ امام زین العابدین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ علم، زہد و تقویٰ و طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن و فضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف انتساب سے ممتاز قرار پائے۔ (مطالب السئول ص ۲۶۹)

صاحب روضۃ الصفاء کا کہنا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فضائل لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ خواجہ محمد پارسا لکھتے ہیں

کہ امام بارع مجمع جلالہ و کمالہ آپ عظیم الشان امام و پیشوا اور جامع
صفات جلال و کمال تھے۔ (فصل الخطاب) علامہ شیخ محمد خضری بک لکھتے ہیں
کہ امام محمد باقرؑ اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ (تاریخ فقہ ص ۱۷۹ طبع کراچی)

آپ کی ولادت سے تقریباً ۴۶ سال قبل جابر بن عبداللہ انصاری کے
ذریعہ سے آپ کے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو
سلام کہلایا تھا اور فرمایا تھا اے جابر! میرے اس فرزند (حسینؑ) کی نسل سے
ایک بچہ پیدا ہوگا وہ میرا ہمنام ہوگا، خدا اس کو نور علم اور حکمت عطا فرمائے گا۔
اے جابر! جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچانا۔

آپ کے اخلاق وہ تھے کہ دشمن بھی قائل تھے۔ چنانچہ ایک شخص اہل شام
میں سے مدینہ میں قیام رکھتا تھا اور اکثر امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آکر
بیٹھا کرتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھے اس گھرانے سے ہرگز کوئی خلوص و محبت
نہیں مگر آپ کے اخلاق کی کشش اور فصاحت وہ ہے جس کی وجہ سے میں
آپ کے پاس آنے اور بیٹھنے پر مجبور ہوں۔

غلاموں سے حسن سلوک اور برتاؤ میں بھی آپ اپنے آباء و اجداد کی جیتی
جاگتی تصویر نظر آتے ہیں۔ کتاب الزہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے
منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ایک خط میں تحریر تھا کہ جب تم اپنے زرخرید لونڈی غلاموں سے کوئی کام
لو اور وہ کام ان کے لیے دشوار ہو تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرو۔ امام جعفر
صادقؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار انھیں کسی کام کا حکم نہیں دیتے تھے
بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ تم جیسے چاہو اور صورت یہ تھی کہ حضرت یہ
ملاحظہ فرماتے تھے کہ اگر مشکل اور بھاری کام ہے تو بسم اللہ کہہ کر ان کے

ساتھ کام میں لگ جاتے تھے اور اگر وہ کام سہل اور آسان ہوتا تو ان سے
علٰحدہ رہتے اور اس کام کو انھیں پر چھوڑ دیتے تھے۔ (کتاب الزہد باب بیان
مملوک)

حضرت کے زمانہ میں علوم اہل بیتؑ کے تحفظ کا اہتمام ہوا اور حضرتؑ
کے شاگردوں نے ان افادات سے جو انھیں حضرت امام محمد باقرؑ سے حاصل
ہوئے مختلف علوم و فنون اور مذہب کے شعبوں میں کتابیں تصنیف کیں
ان شاگردوں میں جہاں آزاد لوگ تھے ان ہی کے پہلو بہ پہلو غلام بھی تھے۔
ذیل میں ہم چند ان غلاموں کا ذکر کر رہے ہیں جو امام محمد باقر علیہ السلام کی
صحبت میں رہے اور علم حاصل کیا اور منزل کمال پہ پہنچ کر خدمت دین
مبین کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ اسحاق بن یسار، قیس بن مخرمہ کے غلام تھے اور بعضوں نے فاطمہ
بنت عقبہ کا غلام لکھا ہے۔

۲۔ ایوب بن شہاب، ان کا ذکر اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں آئے گا۔

۳۔ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان السجستانی العنبری البصری، ان کی کنیت ابوبکر
تھی۔ عمار یاسر کے غلام تھے۔ مرض طاعون میں ۱۳۱ھ میں انتقال ہوا
اور ۶۵ سال کی عمر پائی۔ آپ ثقہ اور فقیہ تھے۔

۴۔ بشر بن میمون الوربشی الہمدانی النبال الکوفی، یہ اور ان کے بھائی شجرۃ الوار کہ
جن کا نام میمون تھا بنی وربش کے غلام تھے اور وہ میمون بن سنجار تھے۔

۵۔ بسام بن عبداللہ سیرفی کنیت ابوعبداللہ، بنی ہاشم کے غلام تھے۔

۶۔ ثابت بن ہرمز، ابوالمقدام العجلی کوفی الحداد کے غلام تھے۔

۷۔ ثابت بن ابی ثابت عبداللہ البجلی الکوفی ان کی کنیت ابوسعید تھی۔ امام

محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق دونوں اماموں سے روایت بیان کی ہے۔

۸۔ نویر بن ابی فاختہ سعید بن جہمان ام ہانی کے غلام تھے۔ امام زین العابدینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے بھی صحابی تھے۔

۹۔ جعفر بن عمرو بن ثابت ابی المقدام بن ہرمز الحداد العجلی ان کے آقا کوفی تھے۔

۱۰۔ الحسن بن ابی سارۃ النیلی محمد بن کعب کے غلام تھے۔

۱۱۔ الحکم بن عتبہ ابو محمد الکوفی الکندی شموس بن عمرو کندی کے غلام تھے۔

۱۲۔ حبیب بن حسان بن ابی الاشرس الاسدی قبیلہ اسد کے غلام تھے۔

۱۳۔ حماد بن ابی سلیمان الاشعری ابو موسیٰ کوفی کے غلام تھے۔

۱۴۔ حمران بن اعین شیبانی بنی شیبان کے غلام تھے۔ ان کے بارے میں امام نے فرمایا انت شیعتنا فی الدنیا والآخرۃ تم دنیا و آخرت میں ہمارے شیعہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا وہ جنتی تھے۔ آپ نے فرمایا وہ ایسے مومن تھے جو اپنے ایمان سے کبھی نہیں پھرے۔ زرارہ ان کے بھائی تھے۔

۱۵۔ زرارہ بن اعین بڑے بزرگ مرتبہ شیعہ عالم تھے۔ ان کی علم کلام، فقہ اور حدیث میں بہت سی کتابیں ہیں۔ ان کا نام عبدربّ تھا۔ وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ زرارہ بن اعین کے چاروں بھائی حمران، بکیر، عبدالملک و عبدالرحمٰن پسران اعین سب راہ راست پر تھے اور پکے شیعہ تھے۔

۱۶۔ حکیم بن صہیب بنی ضبہ کے غلام تھے۔

۱۷۔ رفید بنی ہبیرہ کے غلام تھے۔

۱۸۔ زیاد بن سوقہ البجلی الکوفی جریر بن عبداللہ کے غلام تھے۔

۱۹۔ زید الاحلام مولیٰ الکوفی پانچویں اور چھٹے دونوں اماموں سے روایت حاصل کی ہے۔

۲۰۔ زیاد و طاہر امام محمد باقر کے غلام تھے۔

۲۱۔ محمد الطیار فزارہ کے غلام تھے۔

۲۲۔ منہال بن عمرو الاسدیؒ قید شام کے زمانے میں امام زین العابدینؑ نے واقعہ کربلا کے مصائب ان سے بیان کیے۔

۲۳۔ یزیدؒ الحکم بن ابی الصلت الثقفی کے غلام تھے۔ (رجال الطوسی)

افسوس ان حضرات کے مفصل حالات نہ مل سکے مگر ان کا یہی شرف کیا کم ہے کہ امام علیہ السلام کی صحبت اور ان میں سے بہت سے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، علماء و فقہاء و محدثین کہلائے اور مختلف علوم میں کتابیں لکھیں، مصنف کہلائے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہر علم و فن میں ذخیرہ چھوڑ گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا غلاموں اور کنیزوں پر لطف و کرم

آپ اسی سلسلۂ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوع انسانی کے لیے نمونۂ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے، مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا، کسی نے کہا یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ حضرت نے فرمایا طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں۔

غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی رہتی تھی جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو میں گھر آیا تو دیکھا ایک کنیز جو ایک بچے کی پرورش پر متعین تھی اسے گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی تھی مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور

اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اس کا رنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب و ہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر حضرت نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا ڈرو نہیں، میں نے تم کو راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (صادق آل محمد ص ۱۲، مناقب ابن شہر آشوب ج ۵ ص ۵۴)

کتاب مجانی الادب ج ۱ ص ۶۷ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے۔ حضرت نے کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کنیز کانپنے لگی اور آپ نے غصہ کے بجائے راہ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے خوف سے کانپتی ہے شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔

پھر اسی کتاب کے ص ۶۹ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دھلا رہا تھا کہ دفعتاً لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا اور پانی اڑ کر حضرت کے منہ پر پڑا۔ غلام گھبرا اٹھا حضرت نے فرمایا ڈر نہیں، میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب اس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اس کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اسے جگانے کے بجائے اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب ج ۵ ص ۵۲)

ابن سنان نے ایک ایسے غلام سے روایت کی ہے جس کو حضرت جعفر بن محمد نے آزاد فرمایا تھا اور جس کے پروانۂ آزادی میں یہ تحریر تھا

یہ پروانۂ آزادی ہے حضرت جعفرؑ بن محمدؑ کی طرف سے، انھوں نے اپنے فلاں غلام سندی کو آزاد کیا اس بنا پر کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ نہیں ہے کوئی اللہ سوائے اس اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں نیز بعث دوبارہ زندہ کیا جانا حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے۔ وہ اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھتا ہے اور اللہ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانتا ہے۔ اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہے۔ جو کتابیں اور احکامات اللہ کی طرف سے آئے ہیں ان کا اقرار کرتا ہے۔ جعفرؑ بن محمدؑ نے اس کو اللہ کے لیے (لوجہ اللہ) آزاد کیا ہے۔ وہ اس سے اس کی نہ کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ اب اس پر کسی کو کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کے ساتھ بھلائی کر سکتا ہے۔ گواہ ہیں اس پر فلاں۔ (الکافی ج ۶ ص ۱۸۱)

ابراہیم بن ابی بلاد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق کے تحریر کردہ پروانۂ آزادی کو پڑھا، اس میں تحریر تھا۔

یہ پروانۂ آزادی ہے جعفرؑ بن محمدؑ کی جانب سے، انھوں نے اپنے فلاں غلام کو اللہ کے لیے (لوجہ اللہ) آزاد کیا۔ وہ اس سے اس بات کی نہ کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، صرف اس وعدے پر کہ وہ نماز پڑھے گا، زکوٰۃ ادا کرے گا، حج بیت اللہ کرے گا، ماہ رمضان میں روزے رکھے گا، اللہ کے دوستوں کو دوست رکھے گا، اللہ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرے گا۔ اس

پروانۂ آزادی کے گواہ ہیں فلاں فلاں تین آدمی۔ (الکافی ج ۶ ص ۱۸۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی جلالت کا شہرہ تمام عالم اسلامی میں تھا اور دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان میں آزاد لوگوں کے علاوہ غلام بھی تھے اور کنیزیں بھی۔ چنانچہ عباس بن ہلال نے حضرت ابوالحسن امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک کنیز اہل فضل میں سے تھی اور وہ کلمات جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کرتی تھی انھیں یاد کر لیتی تھی۔ اس کے پاس وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تھا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اس سے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سے دعا کر کہ جس طرح اللہ نے دنیا میں مجھ سے تیرا تعارف کرایا، جنت میں بھی تو میری زوجیت میں رہے۔

یہ کنیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیت الشرف کے قریب رہتی تھی۔ مسجد رسولؐ میں صرف آنحضرتؐ کو سلام کرنے کے لیے آتی تھی ویسے کبھی کبھی نظر آتی تھی یا پھر مکہ جاتے ہوئے یا واپسی پر بھی نظر آجاتی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخری فقرہ جو اس کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ "ہم اللہ کے عطا کردہ ثواب پر راضی اور عتاب الٰہی سے مامون و محفوظ ہیں۔ (رجال کشی)

آپ کے غلاموں میں سے معتب و مسلم اور مصادف مشہور ہیں۔

معتب

آپ کے وکیل تھے اور قحط کے زمانے کا یہ واقعہ آپ ہی سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ غلہ روز بروز مدینہ میں گراں ہوتا جاتا ہے، ہمارے

یہاں کس قدر غلہ ہوگا؟ معتب نے کہا کہ ہمیں اس گرانی اور قحط کی تکلیف کا
کوئی اندیشہ نہیں ہے، ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک
کافی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا یہ تمام غلہ فروخت کر ڈالو، اس کے بعد جو حال سب
کا ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا، اب خالص گیہوں
کی روٹی نہ پکا کرے بلکہ آدھے گیہوں اور آدھے جو، جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں
کا ساتھ دینا چاہیے۔

معلیٰ بن خنیس

معلیٰ بن خنیس کوفہ کے رہنے والے تھے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے
اصحاب وخدام سے تھے اور آپ کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ معلیٰ نہایت غمگین
اور متفکر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے پوچھا اے معلیٰ! اس وقت کیوں
غمگین ہو؟ عرض کی یا مولا! میرے اہل وعیال عراق میں ہیں، مجھے خبر ملی ہے
کہ وہاں وبا پھیلی ہے، بہت لوگ مر رہے ہیں، نہ معلوم میرے اہل وعیال پر
کیا گزری۔ فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ اس وقت ان کو دیکھو، کہا ہاں۔ حضرت
نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، انھوں نے اپنے کو عراق میں پایا، اپنے گھر میں
داخل ہوئے، سب اہل وعیال کو بخیریت پایا اور سب سے باتیں کیں۔ جب
پھر حضرت نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا معلیٰ نے اپنے کو مدینے میں پایا۔
اس کے بعد فرمایا اے معلیٰ! تم ہمارے اسرار کو لوگوں سے علانیہ بیان
نہ کیا کرو، نہیں تو قتل کر دیے جاؤ گے۔ مگر انھوں نے جوش ولا میں لوگوں سے
بیان کر دیا اور یہ باعث ان کی ہلاکت کا ہوا۔ (بصائر الدرجات ج ۸ باب ۱۲ ص ۱۱۹)
یہی معلیٰ بن خنیس ہیں جن سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے عید

نوروز کے فضائل اور اس کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے۔ معلیٰ بن خنیس نوروز کے
دن امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام نے فرمایا تم اس روز کو جانتے ہو؟
معلیٰ نے کہا میری جان آپ پر فدا ہو، یہ وہ دن ہے جس کی عجم تعظیم کرتے ہیں
اور ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم!
یہ تعظیم ایک امر قدیم ہے جس کو میں بیان کرتا ہوں تاکہ تم اس کو سمجھو۔ معلیٰ نے
عرض کیا اے مولا! آپ کی برکت سے اس روز کی معرفت میرے نزدیک
میرے مردوں کے زندہ ہونے اور میرے دشمنوں کے مرنے سے بہتر ہے۔
حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ خداوند عالم نے اس روز بندوں کی روحوں
سے اقرار لیا ہے کہ اس کو وحدہٗ لاشریک سمجھیں اور کسی کو اس کی عبادت
میں شریک نہ قرار دیں اور پیغمبروں، اماموں، دین کے پیشواؤں اور ائمۂ
معصومینؑ پر ایمان لائیں۔ یہی پہلا دن ہے جس میں آفتاب نکلا، درختوں
میں میوہ پیدا کرنے والی ہوائیں چلیں، پھول اور شگوفہ زمین سے پیدا ہوئے۔
اسی دن حضرت نوحؑ کی کشتی نے طوفان کے بعد کوہ جودی پر قرار پکڑا۔ اس
دن خداوند عالم نے ان چند ہزار آدمیوں کو زندہ فرمایا جو طاعون کے خوف
سے بھاگے تھے اور دفعتاً خدا نے مار دیا۔ مدتوں کے بعد جب ان کی ہڈیاں
رہ گئیں ایک پیغمبر کا ادھر سے گزر ہوا۔ انھوں نے خداوند عالم سے سوال
کیا کہ پروردگار! مجھ کو دکھا دے کہ تو کس طرح بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرتا
ہے؟ خداوند عالم کی طرف سے وحی ہوئی کہ تم ان ہڈیوں پر پانی چھڑکو۔ چنانچہ
انھوں نے پانی چھڑکا سب خدا کی قدرت سے زندہ ہو گئے۔ اسی وجہ سے
سنت ہے کہ اس روز ایک دوسرے پر پانی چھڑکے یا اپنے اوپر خود پانی
ڈالیں اور غسل کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ زندہ ہوئے وہ تیس ہزار

آدمی تھے اور مفسرین کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر حضرت حزقیلؑ تھے۔ اور حضرت
فرماتے ہیں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت جبرئیل جناب رسولؐ خدا پر
وحی لے کر نازل ہوئے یعنی نوروز کا دن یوم مبعث کے موافق تھا۔ یہی وہ
دن ہے کہ رسول خدا نے مکہ میں کفار قریش کے بتوں کو توڑا یعنی جب کہ
حضرت اپنے ہمراہ امیرالمومنینؑ کو لے کر خانۂ کعبہ میں تشریف لائے تھے
اور حکم دیا تھا کہ میرے کاندھے پر چڑھ کر ان بتوں کو گرا دو۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ
نے حضرت کے کاندھوں پر چڑھ کر بتوں کو گرا دیا یہ بھی نوروز کی رات کا واقعہ
ہے۔ اسی روز حضرت ابراہیم نے بھی بتوں کو توڑا تھا۔ اسی روز رسولؐ خدا
نے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا کہ بیعت امیرالمومنینؑ کریں اور اقرار کریں کہ
حضرت امیرالمومنینؑ ان کے بادشاہ ہیں۔ یعنی عید غدیر کا دن یہی روز تھا
یا اس روز وہ دن تھا جس میں رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے سر گروہ
لوگوں کو حکم فرمایا کہ جاؤ علیؑ بن ابی طالب کو امیرالمومنینؑ کہہ کہ سلام کرو۔
اور اسی روز حضرت نے امیرالمومنینؑ کو جنات میں بھیجا تھا تاکہ حضرت کے
لیے ان سے بیعت لیں اور اسی روز حضرت امیرالمومنینؑ کو بعد قتل عثمان
خلافت ظاہری بھی حاصل ہوئی اور اسی روز امیرالمومنینؑ نے خارجیوں
سے جنگ نہروان میں فتح پائی اور ان کا سرگروہ ذوالثدیہ قتل ہوا اور اسی
روز بارہویں امامؑ کا ظہور ہوگا اور اسی روز اور امام بھی دنیا کی طرف رجعت
فرمائیں گے۔ اسی روز دجال پر قائم آل محمدؐ فتحیاب ہوں گے اور کناسہ میں
جو کوفہ کا ایک محلہ ہے اس کو دار پہ کھینچیں گے۔ اور کوئی نوروز کا دن ایسا
نہیں ہوتا کہ ہم اہل بیت زمانہ سرور کے منتظر نہ ہوں کیوں کہ یہ روز ہمارا
اور ہمارے شیعوں کا ہے، عجمیوں نے اس کی حفاظت اور حرمت کی اور

تم عربوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ پھر حضرتؑ نے معلیٰ بن خنیس سے ارشاد فرمایا کہ
روز نوروز ہو تو غسل کرو اور نہایت پاکیزہ کپڑے پہنو، خوشبو لگاؤ اور اس
روز روزہ رکھو، جب نماز اور نوافل سے فارغ ہو تو دو دو رکعت کر کے
چار رکعت نماز پڑھو۔ (العوالی)

جناب معلیٰ محبت اہل بیتؑ میں ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ جب عید
کا دن آتا تو آپ نماز عید کے لیے اپنے سر پر خاک اڑاتے ہوئے فریادیوں کی
سی شکل بنائے صحرا کی طرف جاتے اور جب خطیب منبر پر جاتا تو یہ اپنے
دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہتے پروردگار! جس جگہ یہ کھڑا ہے
یہ جگہ تو در حقیقت خلفاء اور تیرے منتخب بندوں کی ہے، یہ مقام ان کا ہے
جن کو تو نے اپنی امانتوں کے لیے مخصوص کیا ہے مگر ہر شے کا مقدر بنانے
والا تو ہی ہے، تیرے فیصلہ پر کوئی غالب نہیں آسکتا، تیری تدبیر ایسی حتمی
ہوتی ہے کہ اس سے ہرگز کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ تو جو چاہے کرے اور جیسا
چاہے کرے جس طرح تجھے اپنی مخلوقات کا علم ہے اسی طرح تجھے اپنے
ارادے کا بھی علم ہے۔

پروردگارا! تیرے منتخب بندے، تیرے خلفاء اتنے مغلوب و مقہور
ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ تیرے احکام بدل دیے گئے ہیں،
تیری کتاب پس پشت ڈال دی گئی ہے، تیرے عائد کیے ہوئے فرائض میں
تحریف کر دی گئی ہے، تیرے نبی کی سنت متروک ہو چکی ہے لیکن وہ تیرے
منتخب بندے اور تیرے خلفاء) بول نہیں سکتے۔ پروردگارا! اولین وآخرین
گذشتہ و آئندہ میں جو لوگ بھی ان کے دشمن ہیں ان سب پر تیری لعنت
ہو۔ پروردگارا! ہمارے زمانے کے ظالموں پر، ان کے پیچھے چلنے والوں

پر، ان کا اتباع کرنے والوں پر، ان کے گروہوں، ان کے مددگاروں پر تیری
لعنت ہو، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔ (رجال کشی ص ۲۴۲)

آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ممدوح اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔
آپ کے کارندے تھے اور اسی بنا پر داؤد بن علی نے ان کو قتل کر دیا اور
وہ آپ ہی کے مسلک اور اتباع میں قتل کیے گئے۔ واقعہ بہت مشہور ہے
کہ ابو بصیر کی روایت کے مطابق جب داؤد بن علی نے معلیٰ بن خنیس کو
قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا تو حضرت امام جعفر صادقؑ کو بہت شاق ہوا۔
آپ نے فرمایا اے داؤد! تو نے میرے غلام اور کارندے کو جو میرے
اموال اور اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتا تھا قتل کر دیا۔ خدا کی قسم میں تیرے
اس ظلم کی فریاد اللہ سے کروں گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ خدا کی قسم
وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ترجمہ بحار الانوار ص ۳۶۵)

داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے جو منصور دوانقی کی طرف سے والیٔ
مدینہ تھا، ان کو شہید کیا اور جرم یہ قرار دیا کہ معلیٰ نے محمد بن عبداللہ معروف
بہ نفس زکیہ کے ہمراہ ہو کر بنی عباس کے خلاف خروج کی دعوت دی ہے۔ داؤد
بن علی جب حاکم مدینہ ہو کر آیا تو اس نے معلیٰ کو بلا بھیجا۔ جب یہ گئے تو اس نے کہا
کہ تم جعفر بن محمد کے شیعوں کے نام لکھ کر ہمیں دو یا بتاتے جاؤ ہم لکھتے جاتے
ہیں۔ انھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم، میں تو ان کا خادم ہوں، گھر کا کاروبار دیکھتا
ہوں، بازار سے سودا سلف لاتا ہوں۔ اس نے کہا تم چھپاتے ہو، اگر نہ بتاؤ گے
تو قتل کر دیا جائے گا۔ معلیٰ نے کہا اے داؤد! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے، اگر
شیعیان امامؑ میرے قدم کے نیچے ہوں تو بھی پاؤں کو نہ اٹھاؤں گا کہ تو ان کو دیکھ
سکے۔ آخر اس شقی نے ان کے قتل کا حکم دیا پس وہ قتل کیے گئے اور سولی پر

لٹکائے گئے۔

حماد الناب مسمعی سے روایت ہے، اس کا بیان ہے کہ جب داؤد نے
معلیٰ بن خنیس کو گرفتار کر کے قید میں ڈالا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا تو معلیٰ بن
خنیس نے کہا مجھے لوگوں کے سامنے لے چلو، مجھ پر لوگوں کا قرض ہے، میں اس
پر لوگوں کو گواہ بنا دوں۔ چنانچہ انھیں قید خانہ سے نکال کر بازار میں لایا گیا اور
ہر طرف سے لوگ جمع ہو گئے۔ معلیٰ بن خنیس نے کہا لوگو! سنو! میں معلیٰ بن خنیس ہوں،
جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے، جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے۔ میں تمھیں گواہ کر کے کہتا
ہوں کہ میں نے جو سرمایہ یا قرض، کنیز یا غلام، کم یا زیادہ جو بھی چھوڑا وہ سب جعفرؑ
بن محمدؐ کا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس بات پر سپاہیوں کے سردار نے انھیں قتل
کر دیا۔ داؤد نے ان کے سب مال کو ضبط کر لیا۔ جب اس کی اطلاع امام جعفر
صادقؑ کو ملی تو آپ گھر سے نکلے اس حالت میں کہ آپ کی ردا کا دامن زمین
پر خط دیتا جاتا تھا اور داؤد بن علی کے پاس پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے آپ
کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ نے فرمایا اے داؤد! تم نے میرے غلام کو قتل کیا
اور میرا مال بھی لے لیا۔ اس نے کہا جناب اسے میں نے قتل نہیں کیا ہے،
بلکہ اسے میرے سپاہیوں کے سردار (داروغہ) نے قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا
اس نے بھی تو تمھاری ہی اجازت سے قتل کیا ہے یا بغیر اجازت؟ اس نے
کہا بغیر میری اجازت قتل کیا ہے۔ آپ نے اپنے فرزند اسمٰعیل سے فرمایا اے
اسمٰعیل! پھر اس سے قصاص لو۔ یہ سن کر اسمٰعیل نے اپنی تلوار اٹھائی اور
جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا وہیں جا کر قتل کر دیا۔

حماد کا بیان ہے کہ مسمعی نے معتب سے روایت بیان کی ہے کہ پھر اسی
شب کو آپ مسلسل سجدہ و قیام کی حالت میں رہے اور میں نے سنا کہ

آخر شب میں بحالت سجدہ یہ دعا پڑھی :

اللّٰھم اِنّی اسئلک بقوتک القویۃ و محالک الشدیدۃ و بعزتک التی خلقک لھا ذلیل ان تصلی علی محمد وآل محمد وان تاخذہ الساعۃ

معتب کا بیان ہے کہ ابھی آپ نے سجدے سے سر بھی نہ اٹھایا تھا کہ یک بیک شور و غل کی آواز بلند ہوئی اور لوگوں کی آواز آئی کہ داؤد بن علی مر گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے اس کے لیے بد دعا کی تھی، اللہ نے ایک فرشتے کو بھیج دیا، اس نے اس (داؤد) کے سر پر ضرب لگائی، سر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ (رجال کشی)

اعمش و ربیع و ابن سنان و علی بن حمزہ و حسین بن ابی العلاء و ابو المعزا اور ابو بصیر سے روایت ہے، ان سب کا بیان ہے کہ جب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے معلیٰ بن خنیس کو قتل کیا اور اس کا سارا مال ضبط کر لیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، دیکھو میرے غلام کو تم نے قتل کر دیا اور میرا مال ضبط کر لیا۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اگر انسان کا بچہ مر جائے تو اسے نیند آجاتی ہے لیکن جس کا مال چھین لیا گیا ہو اسے نیند نہیں آتی۔ خدا کی قسم، میں اللہ سے تمہارے لیے بد دعا کروں گا۔ داؤد نے کہا اچھا، تم ہمیں اپنی بد دعا سے ڈراتے ہو اور اس طرح کہا جیسے وہ آپ کی ہنسی اڑا رہا ہو۔ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام اپنے گھر واپس آگئے اور رات بھر قیام و قعود میں مصروف رہے۔ ادھر داؤد نے اپنے پانچ سپاہی بھیجے اور کہا انھیں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ سپاہی آئے، آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ انھوں نے کہا چلیے، داؤد نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میں نہ چلوں تو ..... ؟ انھوں نے کہا تو پھر اس نے

ہمیں آپ کا سر لانے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا مگر تم لوگ واپس جاؤ، اس میں تمہاری دنیا و آخرت دونوں کی بہتری ہے۔ انھوں نے واپسی سے انکار کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اپنے کاندھوں پر رکھ کر پھیلایا، پھر اپنی انگشت سبابہ (شہادت کی انگلی) کے اشارے سے کہا الساعہ الساعہ (ابھی ابھی) آپ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ ناگاہ ہم نے شور و غل کی آواز سنی اور آپ نے ان سپاہیوں سے کہا واپس جاؤ، تمھارا حاکم مر گیا ہے۔ وہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے آدمی بھیجے تھے کہ میری گردن مار دیں، میں نے اسم اعظم کے واسطے سے بد دعا کی، اللہ نے ایک فرشتے کو اس کی ہلاکت کے واسطے بھیجا، فرشتے نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔

لبابہ بنت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ اس شب کو داؤد پڑا سو رہا تھا اس پر غشی طاری تھی اور میں اسے تلاش کرتی ہوئی جب اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ چت پڑا ہے اور اس کے سینے پر ایک بڑا سانپ بیٹھا ہوا ہے اور اس سانپ کا منھ داؤد کے منھ پر ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ہاتھ اپنی آستین میں ڈالا اور سانپ کو پکڑا، اس نے اپنا پھن میری طرف کیا، میں نے اسے پھینک دیا، وہ گھر کے ایک گوشے میں رینگنے لگا۔ میں نے داؤد کو جگانے کی کوشش کی مگر وہ دم بخود تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اسے بتاؤں کہ سانپ تیرے سینے پر تھا، میں پریشان تھی، وہاں سے پلٹی تو دیکھا کہ سانپ ابھی اسی طرح پڑا ہوا ہے، میں نے پہلے کی طرح پھر اسے اٹھا کر پھینکا اور آکر داؤد کو جھنجوڑا مگر اب وہ مر چکا تھا اور ادھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا سر سجدے

سے اٹھایا ہی تھا کہ چیخ پکار کی آوازیں سنی جانے لگیں۔ (مناقب ج۳ ص ۳۵۷)

جناب معلیٰ بن خنیس کے مفصل حالات نہ مل سکے اور دوسرے غلاموں کے حالات زندگی بیان کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور غلامی

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پیغمبر اسلام رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں جانشین، ہمارے ساتویں امام اور سلسلۂ عصمت کی نویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اور اسی مقدس سلسلہ کی ایک فرد ہیں جس کو خالق نے نوع انسان کے لیے معیار کمال قرار دیا تھا، اسی لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مرقع تھا۔ بے شک بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے۔ چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب کاظم قرار پاگیا جس کے معنی ہی غصہ کو پینے والا۔ آپ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ ظاہر ہے ایسی ذات کا اپنے خدمت گذاروں، اور غلام اور کنیزوں کے ساتھ بہتر سے بہتر برتاؤ رہا ہوگا۔

معتب کا بیان ہے کہ حضرت ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام اپنے باغ میں تھے اور درختوں سے پھل اتارے جارہے تھے۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک غلام نے کھجوروں کی ایک گٹھری اٹھا کر باغ کی چہار دیواری کے باہر پھینک دی۔ تو میں فوراً گیا اور وہ گٹھری اٹھا کر آپ کے سامنے پیش کی اور کہا مولا! آپ پر قربان، یہ کھجوروں کی گٹھری مجھے باغ کے باہر ملی ہے۔ آپ نے آواز دی اے غلام! اس نے کہا

لبیک۔ فرمایا کیا تم بھوکے ہو؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ننگے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تم
نے یہ کیوں لی؟ اس نے کہا بس میرا جی چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا جی چاہا تھا تو یہ
اب تیری ہے، لے جا اور یہ کہہ کر وہ کھجوروں کی گٹھری اس کو دے دی۔ (الکافی ج۲ ص۲۷)

غلاموں اور کنیزوں کی پاک دامنی پر نظر

حسین بن موسیٰ بن جعفر اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں ان کی ماں نے کہا کہ
میں ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی آمد کا انتظار کر رہی تھی اور وہ چھت پر سو رہے تھے
کہ یک بیک وہ جلدی سے اٹھے میں بھی آپ کے پیچھے دوڑی تو دیکھا کہ آپ کے دو غلام
آپ کی دو کنیزوں سے باتیں کر رہے ہیں مگر ان کنیزوں اور غلاموں کے درمیان دیوار
حائل تھی، ایک دوسرے تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ آپ نے ان کی باتیں سنیں پھر
میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم یہاں کب آئیں؟ میں نے کہا جب آپ نیند
سے اٹھے اور تیزی کے ساتھ ادھر آئے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آئی۔ آپ نے
کہا تم نے ان سب کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے کہا ہاں سنیں۔ اب جب صبح ہوئی
تو آپ نے ان دونوں غلاموں کو ایک شہر میں اور ان دونوں کنیزوں کو دوسرے
شہر میں فروخت کے لیے روانہ کر دیا اور انھیں وہاں فروخت کروا دیا۔

(قرب الاسناد ص ۱۹۰ ماخوذ ترجمہ بحار الانوار)

کنیز کی خریداری

ہشام بن احمر کی روایت ہے کہ اہل مغرب کا ایک تاجر آیا اس کے پاس
فروخت کے لیے کچھ کنیزیں تھیں۔ اس نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام کے سامنے
فروخت کے لیے پیش کیا لیکن آپ نے ان میں سے ایک کو بھی پسند نہیں کیا اور

فرمایا کوئی اور دکھاؤ۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے مگر وہ بیمار ہے۔ آپ نے
فرمایا تمھیں اس کے دکھانے میں کیا عذر ہے؟ اس نے دکھانے سے انکار کیا۔ آپ
واپس آگئے اور دوسرے روز مجھے بھیجا اور فرمایا اس بیمار کنیز کی قیمت کیا ہے؟
میں نے جاکر دریافت کیا۔ اس نے جو رقم اس کنیز کی بتائی میں نے اسی رقم سے اس
کنیز کو خرید لیا۔ اس نے پوچھا کہ کس کے لیے خرید رہے ہو؟ میں نے کہا کہ ایک
مرد ہاشمی کے لیے۔ اس نے پوچھا کہ بنی ہاشم میں سے وہ کس سلسلۂ نسب کا ہے؟
میں نے اسے تمام ماجرا بتایا۔ اس پر اس نے کہا کہ سنو! اب میں اس کنیز کی روداد
سناتا ہوں۔ جب میں نے اس کو مغرب کے ایک دور دراز مقام سے خریدا تو اہل
کتاب کی ایک عورت مجھ سے ملی اور پوچھا یہ کنیز تیرے ساتھ کیسے ہے؟ میں
نے کہا یہ میں نے اپنی ہی ذات کے لیے خریدی ہے۔ اس نے کہا تو اس قابل نہیں
کہ اس جیسی کنیز کو اپنے تصرف میں لائے، یہ کنیز تو ایسی ہے کہ روئے زمین پر سب
سے بہتر شخص کے پاس رہے۔ اس کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کا
مثل و نظیر مشرق و مغرب میں کوئی نہ ہوگا۔ تمام اہل مشرق و مغرب اس کے
فرمانبردار ہوں گے۔ بہرحال اس کے بطن سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام
تولد ہوئے۔ (کشف الغمہ ج۳ ص ۹۴ ماخوذ ترجمہ بحار الانوار)

تمام زبانوں کا علم

واضح نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ
میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے حسین بن العلاء سے فرمایا
جاؤ میرے لیے ایک نوبیہ کنیز خرید لاؤ۔ حسین نے کہا خدا کی قسم میں ایک بہت
اچھی نوبیہ کنیز کو جانتا ہوں، وہ ایسی ہے کہ نوبہ میں اس کی مثل و نظیر نہیں ہے

البتہ اگر اس میں ایک خرابی نہ ہوتی تو وہ آپ کے لیے بہتر تھی۔ دریافت فرمایا وہ کیا
خرابی ہے؟ کہا کہ نہ تو وہ آپ کی زبان جانتی ہے اور نہ آپ اس کی زبان سے واقف
ہیں۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا جاؤ وہی خرید لاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ جب
میں اس کو خرید کر آپ کے پاس لایا تو آپ نے اس سے اسی کی زبان میں اس
طرح گفتگو شروع کی آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا مونسہ۔ آپ نے
فرمایا ہاں واقعاً تم مونسہ ہو مگر تمہارا نام تو اس کے علاوہ ایک اور بھی تھا یعنی حبیبہ
تھا۔ اس نے کہا سچ فرمایا آپ نے۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابن ابی العلاء!
اس کے بطن سے میرا ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا کہ جس سے زیادہ سخی میری اولاد میں
کوئی نہ ہوگا نہ اس سے زیادہ کوئی شجاع ہوگا نہ اس سے زیادہ کوئی عبادت گذار ہوگا۔
راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا آپ اس کا نام کیا رکھیں گے تاکہ میں اس
نام سے اسے پہچان لوں۔ فرمایا اس کا نام ابراہیم ہوگا۔

علی بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے ساتھ منیٰ
میں تھا کہ آپ کا فرستادہ پہنچا اور آپ نے اس سے کہلایا کہ تم مجھ سے منزل ثعلبیہ میں
ملنا۔ میں ثعلبیہ میں آپ سے ملا۔ آپ کے ساتھ آپ کے اہل و عیال اور آپ کا خادم عمران
بھی تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ کیا یہیں قیام کرو گے یا مکہ مکرمہ چلنا چاہتے ہو؟
میں نے عرض کیا ان دونوں صورتوں میں جو آپ پسند فرمائیں وہی مجھے بھی پسند ہے۔
آپ نے فرمایا کہ مکہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ پھر مجھے آپ نے اپنے گھر مکہ میں بھیج
دیا۔ میں وہاں آیا تو آپ مغرب کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ سامنے پہنچا تو فرمایا
اِخلَع نَعلَیکَ اِنَّکَ بِالوَادِی المُقَدَّسِ طُوًی "اپنی جوتیاں اتار دو تم وادیٔ مقدس
میں ہو۔" میں اپنی جوتیاں اتار کر آپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر ایک خوان آیا جس میں
کھجوروں کا حلوا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر کھایا۔ پھر خوان اٹھا لیا گیا۔ اب آپس میں

باتیں کرنے لگے اور مجھے نیند کا ایک جھونکا آیا۔ حضرت نے فرمایا، اب تم سو جاؤ
اور میں نماز شب کے لیے کھڑا ہو رہا ہوں۔ میں سو گیا تا اینکہ آپ نماز شب سے
فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے، مجھے بیدار کیا اور فرمایا اٹھو وضو کرو اور مختصر
نماز شب پڑھو۔ میں نے نماز شب پڑھی اس کے بعد نماز فجر ادا کی تو آپ نے مجھ
سے فرمایا، اے علی! میری ام ولد کنیز کو دردِ زہ عارض تھا، میں اس کو منزل ثعلبیہ
لے گیا تاکہ لوگ اس کے کراہنے کو نہ سن سکیں، وہاں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور یہ
وہی لڑکا ہے جس کا ذکر میں تم سے کر چکا ہوں کہ وہ بڑا کریم، سخی اور شجاع ہوگا۔ راوی
کا بیان ہے کہ وہ بڑا ہوا تو میں اس سے ملا اور جو صفات امام نے بیان فرمائی تھیں وہ
تمام صفات سے موصوف تھا۔ (الخرائج والجرائح ص ۲۰۱، بحار الانوار ص ۹۲ حالات امام موسیٰ کاظم)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے غلام

(۱) منصور بن ابی بصیر (۲) ولید بن سعد مگر دونوں کے حالات زندگی باوجود
تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے۔ یہ دونوں بھی آپ کے اصحاب میں شامل ہیں۔

ہم آپ کے اصحاب میں جو آزاد لوگوں کے علاوہ غلام تھے مگر ان کے مالک غیر
لوگ تھے رجال طوسی میں ان کا اصحاب امام میں شمار کیا گیا ہے' ان کے نام ہدیۂ
ناظرین کر رہے ہیں اور ان کی کل تعداد سترہ ہے۔

۱۔ ایوب بن اعین غلام بنی ظریف۔

۲۔ ابراہیم غلام عبداللہ۔

۳۔ حماد بن عثمان لقب ناب ازدکوفی کے غلام تھے، امام جعفر صادق علیہ السلام
کے بھی صحابی تھے۔

۴۔ داؤد بن کثیر الرقی بنی اسد کے غلام تھے، ثقہ ہیں۔

۵۔ سماعہ بن مہران غلام حضرموت، بعض کے نزدیک خولان کوفی کے غلام تھے۔

۶۔ عبدالرحمٰن بن الحجاج اصحاب امام جعفر صادق سے تھے غلام کوفی تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے، ثقہ راوی حدیث ہیں فقیہ و مجتہد زمانۂ امام رضا علیہ السلام میں وفات پائی۔

۷۔ علی بن یقطین بنی اسد کے غلام تھے۔ علی بن یقطین بن موسیٰ البغدادی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہیں۔

۸۔ عبداللہ بن المغیرہ بنی نوفل کے غلام تھے کوفی تھے۔

۹۔ الفضل بن یونس الکاتب اصلاً کوفی تھے مگر بغداد میں رہتے تھے، غلام واقفی تھے

۱۰۔ الفرح علی بن یقطین کے غلام تھے۔

۱۱۔ معتب امام جعفر صادق علیہ السلام کے غلام اور ثقہ راوی ہیں۔

۱۲۔ مصادف یہ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کے غلام تھے۔

۱۳۔ مرازم بن الحکیم الازدی غلام اور ثقہ تھے۔

۱۴۔ یونس بن یعقوب نہد کے غلام تھے، ان کی ایک کتاب ہے، ثقہ راوی ہیں۔

۱۵۔ یونس بن عبدالرحمٰن علی بن یقطین کے غلام تھے، ثقہ اور امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں بھی تھے۔

۱۶۔ یزید بن الحسن الکحال زید بن علی علیہ السلام کے غلام تھے۔

۱۷۔ صالح بن خالد المحاملی کناسی ابوشعیب کنیت تھی علی بن الحکم بن الزبیر کے غلام تھے۔ امام موسیٰ کاظم کے راوی ہیں، ان کی ایک کتاب ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام کے مخصوص صحابی جناب علی بن یقطین کے حالات زندگی ہدیۂ ناظرین کر دیے جائیں۔

علی بن یقطین بن موسیٰ البغدادی

آپ کا نام علی تھا۔ رجال طوسی میں آپ کو قبیلہ بنی اسد کا غلام بتایا گیا ہے مگر آپ کا شمار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۲۱ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقطین نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر ان کا خط دیا، انھوں نے اسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا یہ جواب ہے۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۵)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطین بن موسیٰ کوفی بغدادی کو جو کہ امام موسیٰ کاظم کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعت فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کا بنا ہوا چغہ تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کاڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفاء اور بادشاہ پہنا کرتے تھے۔ علی بن یقطین نے از راہ تقرب و عقیدت اس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے ان کا ہدیہ قبول کر لیا لیکن اس میں سے لباس مخصوص کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمہارے اس وقت کام آئے گا جب تمہاری جان کا خطرہ ہوگا۔ انھوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نے نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو، اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابن یقطین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے جا کر رشید خلیفہ سے اس کی چغلی کھائی اور کہا، آپ نے جس قدر

خلعت وغیرہ انھیں دی ہے انھوں نے سب کا سب امام موسیٰ کاظمؑ کو دے
دیا ہے اور چونکہ وہ شیعہ ہیں اس لیے امام کو بہت مانتے ہیں۔ بادشاہ نے جب یہ
بات سنی وہ آگ بگولہ ہوگیا اور اس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقطین کو
اسی حالت میں گرفتار کر لائیں جس حال میں وہ ہوں۔ الغرض علی بن یقطین لائے
گئے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا لباس کہاں ہے؟ انھوں نے کہا بادشاہ میرے
پاس ہے۔ اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں اور سنو اگر تم اس وقت اسے نہ دکھا
سکے تو میں تمھاری گردن مار دوں گا۔ انھوں نے کہا بادشاہ، میں ابھی پیش کرتا ہوں۔
یہ کہہ کر انھوں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے مکان میں جاکر میرے فلاں کمرے
سے میرا صندوق اٹھا لاؤ۔ جب وہ بتایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اس کی مہر
توڑی اور جبہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ جب بادشاہ نے اپنی آنکھوں سے
جبہ دیکھ لیا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ اب میں تمھارے
بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۴) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں
کہ پھر اس کے بعد رشید نے اور بہت سا عطیہ دے کر انھیں عزت و احترام کے
ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ چغلی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں
چنانچہ جلادوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا۔
(نور الابصار ص ۱۳۰)

علی بن یقطین نے امام کو ایک خط لکھا کہ ہمارے درمیان اس امر میں بحث
ہو رہی ہے کہ مسح کعب سے انگلیوں تک ہونا چاہیے یا انگلیوں سے کعب تک،
حضور اس کی وضاحت فرمائیں۔ حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب
جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع
کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ منھ دھوؤ، اپنی

داڑھی کو اچھی طرح بھگوؤ، سارے سر کا مسح کرو، اندر باہر کانوں کا مسح کرو، تین
مرتبہ پاؤں دھوؤ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقطین نے جب اس خط کو پڑھا تو وہ حیران رہ گئے لیکن یہ سمجھتے
ہوئے کہ مَوْلَائِیْ اَعْلَمُ بِمَا قَالَ آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کی گہرائی اور اس کی
وجہ کا اچھی طرح آپ کو علم ہوگا، اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ راوی کا بیان ہے
کہ علی بن یقطین کی مخالفت برابر دربار میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا
کرتے تھے کہ یہ شیعہ ہے اور تمھارے مخالف ہے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے
بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقطین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں۔ اب میں خود
چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وضو کیونکر کرتے اور نماز کیسے پڑھتے ہیں۔
چنانچہ اس نے چھپ کر آپ کے حجرے میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہل سنت کے
اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان سے مطمئن ہوگیا اور اس کے
بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسیٰ کاظمؑ
کا خط علی بن یقطین کے پاس پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دور ہوگیا تَوَضَّأْ
كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ اب تم اسی طرح وضو کرو جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ یعنی اب
الٹا وضو نہ کرنا بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمھارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگلیوں
کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہیے۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۷۰، مناقب ج ۵ ص ۵۸)

وزیر اعظم علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظمؑ کی فہمائش

علامہ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن علی صوفی کا بیان ہے
کہ ابراہیم جمال (جو امام موسیٰ کاظم کے صحابی تھے) نے ایک دن ابو الحسن علی بن یقطین
سے ملاقات کے لیے وقت چاہا، انھوں نے وقت نہ دیا۔ اسی سال وہ حج کے لیے گئے

اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تشریف لے گئے۔ ابن یقطین حضرت سے
ملنے کے لیے گئے، انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابن یقطین کو بڑا تعجب ہوا، راستے
میں ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ابراہیم سے ملنے سے انکار کیا تھا اس
لیے میں بھی تم سے نہیں ملا اور اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک تم ان سے معافی نہ
مانگو گے اور انھیں راضی نہ کرو گے۔ ابن یقطین نے عرض کی مولا! میں مدینہ میں ہوں
اور وہ کوفہ میں ہیں ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ فرمایا تم تنہا بقیع میں جاؤ ایک
اونٹ تیار ملے گا، اس پر سوار ہو کر کوفہ کے لیے روانہ ہو چشم زدن میں وہاں پہنچ
جاؤ گے۔ چنانچہ وہ گئے اور اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ پہنچے۔ ابراہیم کے دروازے
پر دق الباب کیا، آواز آئی کون ہے؟ کہا میں ابن یقطین ہوں۔ انھوں نے کہا تمھارا
میرے دروازے پر کیا کام ہے؟ ابن یقطین نے جواب دیا، سخت مصیبت میں
مبتلا ہوں، خدا کے لیے ملنے کا وقت دو۔ چنانچہ انھوں نے اجازت دی۔ ابن یقطین
نے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ابراہیم جمال نے معافی
دی پھر اسی اونٹ پر سوار ہو کر چشم زدن میں مدینہ پہنچے اور امام علیہ السلام کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام نے بھی معاف کر دیا اور ملاقات کا وقت دے کر گفتگو
فرمائی۔ (عیون المعجزات ص ۱۲۲ طبع ملتان، چودہ ستارے ص ۴۰۵)

قید خانے میں کنیز کا حال

کتاب الانوار میں عامری سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے حضرت امام
موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے پاس قید خانے میں خدمت کے لیے ایک نہایت حسین و
جمیل کنیز بھیجی۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ہارون رشید سے کہہ دو بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
تَفْرَحُوْنَ ۝ (سورۃ النمل، آیت ۳۶) تم لوگ اپنے ہدیہ پر خوش رہو، مجھے اس کی اور

نہ اس جیسی کسی کنیز کی کوئی ضرورت ہے، اس کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ آدمی
کنیز کو واپس لایا تو ہارون کو غصہ آیا اور بولا جا کر ان سے کہہ دو نہ تمھاری مرضی پر میں
نے تمھیں قید کیا ہے اور نہ تمھاری مرضی سے میں نے تمھیں گرفتار کیا ہے اور اس کنیز
کو ان کے پاس چھوڑ کر چلے آؤ۔ چنانچہ آدمی گیا اور کنیز کو قید خانے میں چھوڑ کر واپس
آیا اس کے بعد ہارون اپنے دربار سے اٹھا اور ایک غلام کو قید خانے کا حال معلوم
کرنے کے لیے بھیجا۔ غلام نے جا کر دیکھا کہ وہ کنیز سجدۂ خالق میں پڑی ہے اور مسلسل
کہہ رہی ہے قدوس سبحانک سبحانک۔ جب ہارون کو اس کی اطلاع ملی تو اس
نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ بن جعفرؑ نے اس کنیز پر جادو کر دیا ہے، اچھا اس کنیز کو
میرے پاس لاؤ۔ جب وہ کنیز ہارون کے پاس آئی تو اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیے
کانپ رہی تھی۔ ہارون نے پوچھا تیرا کیا حال ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہ پوچھیے،
میرا تو حال ہی متغیر ہے، میں قید خانہ میں پہنچی تو ان کے سامنے کھڑی ہو گئی وہ رات
بھر اور تمام دن نماز میں مشغول رہے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر تسبیح و تقدیس
کرتے ہوئے اپنا رخ موڑا تو میں نے عرض کیا، جناب والا! اگر کسی چیز کی ضرورت
ہو تو میں حاضر خدمت کروں۔

آپ نے فرمایا مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا مگر میں تو آپ
ہی کی خدمت کے لیے بھیجی گئی ہوں۔ آپ نے فرمایا آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟
کنیز کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے ایک طرف رخ کیا تو دیکھا کہ ایک بہت
بڑا باغ ہے جو تا حد نگاہ پھولوں سے بھرا ہوا ہے، اس میں حریر و دیبا کے فرش
جا بجا بچھے ہوئے ہیں جن پر بہت سے غلام اور کنیزیں موجود ہیں جو خوبصورتی میں
اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتی ہیں جیسا عمدہ لباس وہ پہنے ہوئی تھیں میں نے کبھی ایسا
لباس بھی نہیں دیکھا یعنی جسم پر حریر سبز کا لباس، سر پر موتیوں اور یاقوت کا تاج،

ہاتھ میں لوٹا اور رومال پھر ان کے ساتھ ہر قسم کا کھانا، یہ دیکھتے ہی میں تو ضبط نہ کرسکی اور سجدے میں گر پڑی اور اسی طرح پڑی رہی یہاں تک کہ اس غلام نے جاکر مجھے اٹھایا۔ ہارون نے کہا اے کمبخت عورت! شاید تو سجدے میں جاکر سو گئی پھر خواب میں یہ سب کچھ دیکھنے لگی۔ کنیز نے کہا نہیں، خدا کی قسم! سجدے سے پہلے ہی میں نے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر سجدے میں گئی۔

ہارون نے کہا اس کنیز کو بھی گرفتار کرکے قید میں ڈال دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی زبانی یہ تمام عجائبات کوئی اور سن لے۔ قیدخانے میں جانے کے بعد بھی وہ کنیز نماز میں مشغول ہوگئی مگر جب بھی اس سے دریافت کیا جاتا تو وہ کہتی کہ میں نے اس حال میں اس عبد صالح کو دیکھا اور جب وہ منظر دیکھا تو اس باغ کی کنیزوں نے مجھ سے آگے بڑھ کر کہا کہ اے فلانہ! تو اس عبد صالح سے دور ہٹ جا تاکہ ہم ان کے پاس آئیں۔ ان کی خدمت کے لیے تو ہم موجود ہیں، پھر تیری کیا ضرورت ہے وہ کنیز اسی حالت میں چند دن زندہ رہ کر مرگئی۔ اور یہ واقعہ حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی وفات سے چند دن پہلے کا ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۴۱۴ ترجمہ بحار الانوار ص ۲۷۳

حضرت امام علی رضاؑ اور غلام نوازی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھویں جانشین اور مسلمانوں کے آٹھویں امام اور سلسلۂ عصمت کی دسویں کڑی تھے۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ کا کردار محفوظ عن الخطا تھا اور روئے زمین پر آپ کی مثال و نظیر نہ تھی۔ آپ اشرف مخلوق زمانہ تھے۔ آپ کو علم ما کان و ما یکون آباء و اجداد سے وراثتاً پہنچا تھا۔ آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع تھے۔ آپ کے مکارم اور آپ کے اخلاق نہایت عظیم تھے۔ آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جس کے وسعت مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاق نسیاں کی نذر ہوگیا تھا جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے آواز بلند ہوتی تھی کہ "جا جہاں تجھے برسنا ہو برس، بہرحال تیری پیداوار کا خراج میرے ہی پاس آئے گا۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پاجائیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا۔ یہاں امام رضا کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنادیں جتنے تزک و احتشام کے دنیاوی تقاضے زیادہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرادیا اور علی رضاؑ کے لباس میں علی مرتضیٰؑ کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین

بچھوانا پسند نہیں کیا بلکہ جاڑے میں بالوں کا کمبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا۔ کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان، سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے۔

ایک مرد بلخی ناقل ہے کہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک مقام پر دستر خوان بچھا تو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں حبشی بھی شامل تھے، بلا کر بٹھا لیا۔ میں نے عرض کیا مولا! انھیں علیحدہ بٹھلائیں تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب کا رب ایک ہے اور ماں باپ آدمؑ و حواؑ بھی ایک ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیا؟ آپ کے ایک خادم یاسر کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ تاکیدی حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم کو نہ اٹھے۔

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزو بن کر جہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قرابت داری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلق خدا پر حکمرانی کا حقدار بتایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال و افعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابت رسولؐ پر افتخار تھا۔ اس ماحول کے اندر داخل ہو کر امام رضاؑ کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے، بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہرحال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ امام رضا کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں۔ ایک شخص نے حضرت کی خدمت

میں عرض کی کہ "خدا کی قسم آبا و اجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔ حضرت نے فرمایا میرے آبا و اجداد کو جو شرف حاصل ہوا وہ بھی صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور اطاعت خدا سے۔" ایک شخص نے کسی دن کہا کہ "واللہ آپ بہترین خلق ہیں۔" حضرت نے فرمایا اے شخص! حلف نہ اٹھا، جس کا تقویٰ و پرہیزگاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت فرماتے تھے "میرے تمام لونڈی غلام آزاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہؐ کی قرابت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل نہیں جانتا (حضرت نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) جب عمل خیر بجا لاؤں تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا۔

یہ باتیں کوتاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کر لیتے ہوں مگر خود حکومت عباسیہ کا فرمانروا یقیناً اتنا کند ذہن نہ ہوگا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضاؑ کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظام سلطنت پر برابر لگ رہے تھے۔ اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی زندگی زیادہ عرصے تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا۔

مامون کے توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخر امام کی جان لینے کا درپے ہو گیا اور وہی خاموش حربہ جو ان معصومین کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جا چکا تھا، کام میں لایا گیا۔ انگور میں جو بطور تحفہ امام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اور اس کے اثر سے ۱۷ صفر ۲۰۳ھ میں حضرت نے شہادت پائی۔ (رہنمایانِ اسلام ص ۱۶۳ سید العلماء مرحوم)

امام علی رضا کے غلام یاسر کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کے غلاموں نے پھل کھائے جو بچ گئے وہ پھینک دیے۔ حضرت نے دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ! یہ بھی خوب رہی بھائی اگر تم کو ان کی ضرورت نہیں تھی تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو یہ میسر نہیں ہے، انھیں لے جاؤ اور ضرورت مندوں کو دے دو۔ (الکافی ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت کے غلام یاسر اور نادر کا بیان ہے کہ ہم سے امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کھانا کھا رہے ہو اور میں پہنچ جاؤں تو کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد کبھی کبھی جب آپ ہم میں سے کسی کو طلب فرماتے اور کہہ دیا جاتا کہ سب کھانا کھا رہے ہیں تو آپ فرما دیتے تھے، اچھا انہیں کھا لینے دو۔ نیز خادم ہی کا بیان ہے کہ آپ اخروٹ کی بنی ہوئی مٹھائیوں کی ڈلیاں ہم سب کو عنایت فرمایا کرتے تھے۔

کنیزوں سے سلوک

صولی کہتا ہے کہ میری دادی نے مجھ سے بیان کیا (جن کا نام عذر تھا) کہ میں بھی کچھ کنیزوں کے ساتھ شہر کوفہ سے خریدی گئی۔ میرا باپ عرب اور ماں غیر عرب تھی۔ یہاں سے مجھے خرید کر مامون کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں میں مامون کے گھر میں رہی جو میرے لیے جنت تھا۔ کھانا، پینا، عطریات، درہم و دینار ہر شے بافراغت تھی۔ اس کے بعد مامون نے مجھے حضرت امام رضا کو ہبہ کر دیا۔ جب میں آپ کے بیت الشرف میں پہنچی تو ہر شے مفقود تھی اور وہاں ہم کنیزوں پر ایک داروغہ مقرر تھی جو ہمیں شب کی نماز کے لیے بیدار کرتی۔ یہ بات مجھ پر بہت گراں گزر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ پھر حضرت امام رضاؑ نے مجھے میرے دادا عبداللہ بن عباس کو ہبہ کر دیا اور جب ان کے گھر پہنچی تو ایسا معلوم ہوا کہ جنت

میں آ گئی۔

صولی کا بیان ہے کہ میں نے آج تک اپنی دادی سے زیادہ عقلمند کسی عورت کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ سخی کسی کو پایا۔ ان کا انتقال ۲۷۰ھ میں سو سال کی عمر میں ہوا۔ ان سے حضرت امام رضا علیہ السلام کے بارے میں اکثر لوگ دریافت کیا کرتے تو وہ کہا کرتی کہ مجھے تو بس ان کے متعلق اتنا یاد ہے کہ وہ عود ہندی سلگاتے اس کے بعد عرق گلاب اور مشک استعمال کرتے اور صبح کی نماز اول وقت پڑھا کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد جب آپ سجدہ کرتے تو جب آفتاب بلند ہو جاتا تب آپ سر اٹھایا کرتے تھے۔ پھر اٹھتے اور لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے یا کہیں جانے کے لیے سواری تیار کراتے۔

یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کے بیت الشرف میں کوئی بلند آواز سے بات کرے۔ خود آپ زیادہ بات چیت کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ میرے جد عبداللہ میری دادی کو متبرک خیال کرتے تھے اور جس دن سے یہ ان کو ہبہ ہوئیں اسی دن سے میری دادی کو کنیز مدبرہ (مالک کے مرنے کے بعد آزاد) بنا دیا تھا۔ ایک دن میرے جد کے ماموں عباس بن احنف حنفی میرے پاس آئے اور میری جدہ کی باتوں کو سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کنیز آپ مجھے دے دیں۔ میرے جد نے کہا یہ تو مدبرہ ہے۔ (عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۷۹)

دلائل حمیری میں سلیمان جعفری سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک کنیز ان صفات کی خرید لاؤ۔ جب میں نے تلاش کیا تو مجھے ان تمام اوصاف کی کنیز اہل مدینہ میں ایک شخص کے پاس ملی۔ میں نے اسے خرید لیا، قیمت مالک کو ادا کی اور کنیز کو لے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو پسند آئی مگر چند ہی روز گزرے تھے کہ اس کا مالک میرے پاس روتا ہوا آیا اور

بولا: اللہ، اللہ! میری زندگی تو تلخ ہو گئی نہ چین آتا ہے نہ نیند آتی ہے، تم حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے بات کرو کہ وہ کنیز مجھے واپس کر دیں اور اپنی قیمت لے لیں. میں نے کہا کہ کیا تو پاگل ہوا ہے؟ بھلا مجھ میں یہ جرأت کہاں کہ میں ان سے کنیز کی واپسی کے بارے میں کچھ کہہ سکوں تاہم میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے میرے بغیر کچھ کہے خود ہی فرمایا اے سلیمان! کیا اس کنیز کا مالک چاہتا ہے کہ میں اس کو واپس کر دوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، واللہ وہ یہی چاہتا ہے.

آپ نے فرمایا اس کی کنیز اس کو واپس دے دو اور قیمت واپس لے لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے چند دن کے بعد اس کنیز کا مالک پھر میرے پاس آیا اور کہا تم حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے درخواست کرو کہ وہ پھر اس کنیز کو خرید لیں، اس لیے کہ وہ اب میرے لیے بے سود ہے، مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اس کے قریب بھی جا سکوں۔ میں نے کہا کہ مجھ میں بھی اب اتنی جرأت نہیں کہ اس سلسلہ میں مزید امامؑ سے کچھ عرض کر سکوں۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے سلیمان! کیا کنیز کا مالک یہ چاہتا ہے کہ وہ کنیز پھر میں خرید لوں اور قیمت اس کو دے دوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، اس نے مجھ سے یہی درخواست کی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو وہ کنیز مجھے دے کر قیمت لے جائے۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۱۳۴-۱۳۳، ترجمہ بحار الانوار)

اصحاب ثقہ

زیادہ تر روایات آپ کے غلام یاسر اور نادر سے منقول ہیں اور ان کے حالات نہیں ملتے۔ ابو احمد محمد بن ابی عمیر اور ابو عمیر کا نام زیاد تھا۔ یہ ازد کے غلاموں میں سے تھے۔ عامہ اور خاصہ دونوں کے نزدیک سب سے زیادہ موثق، سب سے زیادہ عبادت گزار

سب سے زیادہ پرہیزگار تسلیم کیے گئے ہیں۔ یہ یکتائے زمانہ تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن جعفر کا زمانہ بھی پایا مگر ان سے کوئی روایت نہ کر سکے صرف حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کرنے کا موقع ملا۔ (الاختصاص ص ۸۶، ترجمہ بحار الانوار ص ۲۸۳)

روضۂ امام رضا پر غلام کی دعا کی فوری قبولیت

ابوالحسن محمد بن شید اللہ ہروی سے روایت ہے کہ بلخ کا ایک شخص مشہد مقدس حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کو آیا، اس کے ساتھ اس کا غلام بھی تھا۔ دونوں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت پڑھی۔ پھر مالک قبر کے سر بالیں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا اور غلام پاؤں کی طرف مشغول نماز ہوا۔ جب دونوں نماز سے فارغ ہوئے تو دیر تک سجدہ میں رہے۔ مجھ سے پہلے مالک نے سجدے سے سر اٹھایا اور غلام کو آواز دی تو غلام نے فوراً سجدے سے سر اٹھایا اور کہا لبیک یا مولائی، سرکار حاضر۔ پوچھا آزادی چاہتے ہو؟ غلام نے کہا جی ہاں۔ مالک نے کہا اچھا جاؤ تم راہ خدا میں آزاد ہو اور میری فلاں کنیز جو بلخ میں ہے اس کو بھی میں نے آزاد کیا اور اس کا نکاح تم سے اتنے مہر پر کیا اور تمھاری طرف سے مہر کی ادائیگی میں کروں گا اور میری فلاں جائداد ہے اسے میں نے تمھاری اولاد کے لیے بلکہ اولاد در اولاد کے لیے وقف کر دیا اور اس پر میں اس امام کو گواہ بناتا ہوں۔ یہ سن کر غلام مارے خوشی کے زار و قطار رونے لگا اور اللہ کی اور امام رضا کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ ابھی ابھی میں نے سجدہ میں یہی دعا کی تھی اور اتنی جلدی اللہ نے میری یہ دعا قبول کر لی۔ (عیون الاخبار ج ۲ ص ۲۸۲، ترجمہ بحار الانوار ج ۴/۵ ص ۳۲۷)

حضرت معروف کرخی

ابن شہرادری نے مناقب الابرار میں تحریر کیا ہے کہ حضرت معروف کرخی حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے دوستدار اور خادموں میں سے تھے۔ ان کے والدین نصرانی تھے۔ انھوں نے بچپن میں ان کو ایک معلم کے سپرد کیا۔ اس نے کہا کہ کہو تین سے تیسرا اور وہ کہتے رہے کہ نہیں بلکہ وہ ایک۔ پس معلم نے ان کی خوب پٹائی کی۔ یہ بھاگ کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے، آپ کے ہاتھوں پر اسلام لائے پھر اپنے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا معروف۔ پوچھا کس دین پر ہو؟ کہا دین حنیف اسلام پر۔ پھر ان کے باپ بھی حضرت امام علی رضا کی برکت سے اسلام لائے۔

حضرت معروف کرخی کا بیان ہے کہ پھر میں ایک عرصہ تک معصیت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ بالآخر دنیا کا سارا کاروبار چھوڑ کر صرف اپنے آقا حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لگ گیا۔

امام محمد تقیؑ کا غلاموں کے ساتھ برتاؤ

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں جانشین، ہمارے نویں امام اور سلسلۂ عصمت کی گیارھویں کڑی تھے۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ جملہ صفات حسنہ میں یگانۂ روزگار اور ممتاز تھے۔ آپ اگرچہ تمام ائمہ میں سب سے کمسن اور چھوٹے تھے لیکن آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباء و اجداد کی طرح نہایت ہی عظیم تھی اور آپ کا بلند تذکرہ بر سر نوک زبان تھا۔ علم و فضل و ادب و حکمت میں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو بھی نصیب نہ تھا۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کمسنی کے باوجود فضائل سے بھرپور تھے۔ اس زمانے میں دنیا کے بڑے بڑے لوگ فضائل و کمالات میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ (ارشاد ص ۴۷۴)

آپ کا سلوک غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ وہی تھا جو آپ کے آباء و اجداد کا تھا۔ تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

کنیز کی خریداری

حمیری نے کتاب الدلائل میں صالح بن عقبہ سے روایت کی ہے اس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کا فریضہ ادا کیا اور حضرت ابو جعفر جواد علیہ السلام سے

اپنی مجرد زندگی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا جب تم حرم سے نکلو گے تو ایک کنیز خرید لینا اس سے اللہ تم کو ایک لڑکا عطا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان، کیا آپ اس کی خریداری میں مجھے مشورہ دیں گے فرمایا ہاں، جب تمھیں کوئی کنیز پسند آئے تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض میں ایک کنیز پسند کر کے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میں آپ پر قربان، میں نے ایک کنیز پسند کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم چلو اور اس کنیز کے پاس کھڑے ہو جاؤ، میں آتا ہوں۔ میں بردہ فروش کی دوکان پر پہنچا، آپ ادھر سے گزرے، اس کنیز پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا۔ اگر تمھیں پسند ہے تو ضرور خرید لو مگر اس کی عمر بہت کم رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اگر پسند ہے تو خرید لو۔ دوسرے دن میں پھر اس بردہ فروش کی دوکان پر پہنچا، اس نے کہا اس کنیز کو بخار ہے۔ میں تیسرے دن پھر گیا اور پوچھا، اس نے کہا وہ مر گئی اور میں نے اس کو دفن بھی کر دیا۔ میں نے آکر آپ سے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ آپ اپنی سواری پر میرے ساتھ چلے۔ میں ایک کنیز کے قریب پہنچا، آپ ادھر سے ہو کر گزرے۔ میں وہاں سے پھر آپ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا، ہاں اسے خرید لو میں نے دیکھ لیا ہے۔ آپ کے مشورہ پر میں نے اسے خرید لیا۔ پھر اسی کنیز سے میرا فرزند محمد پیدا ہوا۔

صالح بن عقبہ اصحب سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا اور حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے اپنی تنہا اور مجرد زندگی کے بارے میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا جب تم حرم سے نکلو تو ایک کنیز خریدو، اللہ تم کو اس سے ایک فرزند عطا کرے گا۔ میں نے عرض کیا میرے ساتھ آپ بھی چلیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ آپ سواری پر سوار ہو کر نخاس (دلال کے پاس)

گئے اور ایک کنیز کو منتخب کر کے فرمایا اسے خرید لو۔ میں نے اسے خرید لیا اور بحمداللہ اس کے بطن سے میرا یہ فرزند محمد پیدا ہوا۔ (الخرائج والجرائح، ترجمہ بحارالانوار)

وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں شامل تھے

۱۔ ایوب بن نوح بن دراج کوفی مولی النخع ثقہ۔

۲۔ ابراہیم بن شیبۃ الاصبہانی بنی اسد کے غلام تھے اور اصل قاشان ہے۔

۳۔ احمد بن محمد بن بندار مولی الربیع الاقرع۔

۴۔ الحسن بن راشد کنیت ابو علی تھی اور آل المہلب کے غلام تھے، بغدادی تھے اور ثقہ تھے۔

۵۔ عبداللہ بن الصلت ابو طالب القمی مولی الربع۔

خیران قراطیسی

امام علی رضاؑ کے غلام تھے اور امام محمد تقی علیہ السلام کی بھی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ علی بن مہران سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ خیران نے مجھے خط لکھا کہ میں نے آٹھ درہم آپ کے پاس بھیجے ہیں جسے طرطوس سے ایک شخص نے مجھے بھیجے تھے مگر اس میں سے بعض درہم ان ان لوگوں کے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ بغیر آپ کے حکم کے میں ان درہموں کو ان کے مالک کو واپس کروں۔ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں اس طرح کے دراہم قبول کر لیا کروں۔ مجھے آپ کے حکم کا انتظار رہے گا۔ انھوں نے جواب میں تحریر کیا اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص دراہم یا کوئی اور چیز بطور ہدیہ پیش کرتا ہے تو اسے قبول کر لو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی یہودی اور نصرانی تک کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔ (رجال کشی نمبر ۵۰۵-۵۰۸)

خیران خادم کا بیان ہے کہ میں نے آقا کو آٹھ درہم بھیجے اور اس کے بعد وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی اس کے بعد کہا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی رائے پر عمل کرو، تمھاری رائے میری رائے ہے جس نے تمھاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی.
(رجال کشی ص ۵۰۸)

محمد بن حسن بن بندار قمی کی کتاب جو خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس میں میں نے یہ حدیث دیکھی کہ مجھ سے بیان کیا حسین بن محمد بن عامر نے اور ان سے بیان کیا خیران خادم قراطیسی نے میں نے حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حج کیا اور ایک خادم سے جس کی حضرت ابوجعفر علیہ السلام کی نگاہ میں کچھ وقعت تھی، میں نے آپ کے متعلق دریافت کیا اور درخواست کی وہ مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دے۔ جب ہم لوگ مدینہ پہنچے تو خادم نے کہا تیار ہو جاؤ میں حضرت ابوجعفر علیہ السلام کی خدمت میں جارہا ہوں۔ میں تیار ہو کر اس کے ساتھ ہو لیا جب ہم لوگ دروازے کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہیں ٹھہرو، میں اجازت لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا، جب اس کے آنے میں دیر ہو گئی تو ہم لوگ دروازے پر پہنچے، اس خادم کو معلوم کیا لوگوں نے کہا کہ وہ تو یہاں سے نکل کر چلا گیا۔ ہم لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ ابھی ہم لوگ اسی حیرانی میں تھے کہ گھر کے اندر سے ایک خادم نکلا اور بولا تم خیران ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا اندر آجاؤ۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت ابوجعفر علیہ السلام چھت پر کھڑے ہیں کوئی فرش وغیرہ نہیں ہے جس پر وہ بیٹھیں۔ اتنے میں ایک غلام نے مصلیٰ لاکر بچھا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا تو مجھ پر بہت ہیبت طاری ہوئی۔ میں نے چاہا کہ چھت پر پہنچوں مگر کوئی زینہ وغیرہ نہ تھا۔ آپ نے اشارہ سے زینہ کی جگہ بتائی۔ میں اوپر گیا اور سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام دیا اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے

ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ ریان بن شبیب نے مجھ سے کہا تھا کہ جب تم حضرت ابوجعفر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچو تو کہنا کہ آپ کے غلام ریان بن شبیب نے آپ کو سلام کہا ہے اور درخواست کی ہے کہ اس کے لیے اور اس کے فرزند کے لیے دعا فرمائیں۔ میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی مگر اس کے فرزند کے لیے کوئی دعا نہیں کی۔ میں نے پھر اس کا ذکر کیا، پھر آپ نے صرف اس کے لیے دعا کی اس کے فرزند کے لیے نہیں کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر کہا، آپ نے تیسری مرتبہ بھی صرف اس کے لیے دعا کی اس کے فرزند کے لیے نہیں کی۔ میں آپ سے رخصت ہوا اور اٹھا۔ میں دروازے کی طرف چلا تو کچھ آپ نے فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا اور میرے پیچھے پیچھے آپ کا ایک خادم آیا۔ میں نے پوچھا کہ جب میں وہاں سے اٹھا تھا تو آپ نے کیا فرمایا تھا۔ خادم نے کہا کہ وہ دیار شرک میں پیدا ہوا ہے۔ جب وہاں سے نکلے گا تو اس سے بھی زیادہ شریر ہوگا۔ ہاں جب اللہ چاہے گا تو اسے ہدایت کی توفیق دے گا۔ (رجال کشی ص۵۰۵)

ریان بن شبیب

پچھلی روایت میں انھوں نے خیران کے ذریعہ امام محمد تقی علیہ السلام کو ان لفظوں میں کہ "آپ کے غلام نے آپ کو سلام پہنچایا ہے اور درخواست کی ہے" نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ امام محمد تقی علیہ السلام کے بھی غلام تھے اور امام علی رضا علیہ السلام کے بھی، یہی ریان بن شبیب ہیں جو کہتے ہیں کہ میں پہلی محرم کو امام علیہ السلام یعنی امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے دریافت فرمایا ابن شبیب! کیا روزہ ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں۔ فرمایا یہ وہ دن ہے کہ جناب زکریا نے

دعا کی تھی خدایا مجھے پاک ذریت عطا فرما، بے شک تو دعا سننے والا ہے۔ خدا
نے ان کی دعا قبول فرمائی اور جب وہ محراب میں مصروف نماز تھے تو فرشتوں
نے حکمِ خدا سے کہا خدا آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص آج کے دن روزہ
رکھے خدا اسی طرح اس کی دعا قبول کرتا ہے جیسے جناب زکریاؑ کی دعا قبول
فرمائی تھی۔ اے فرزند شبیب! محرم وہ مہینہ ہے جس میں عہد جاہلیت کے
لوگ بھی ظلم و جنگ کو حرام جانتے تھے کیونکہ اس مہینے کی بڑی حرمت تھی مگر اس
امت نے نہ اس مہینے کی عزت کی نہ پیغمبرؐ کا احترام کیا بلکہ ان کی ذریت کو قتل
کیا، عورتوں کو اسیر اور سامان کو لوٹ لیا۔ خدا ان دشمنوں کو کبھی معاف نہ فرمائے
فرزند شبیب! اگر کسی چیز پر رونا آئے تو حسینؑ مظلوم پر رونا اس لیے کہ وہ گوسفند
کی طرح ذبح کیے گئے اور ان کے ایسے اٹھارہ اہلبیتؑ کو بھی قتل کیا گیا جن کا جواب
روئے زمین پر کوئی نہ تھا۔ ان کی شہادت پر ساتوں آسمان اور زمین روئی۔ ان
کے لیے چار ہزار فرشتے آئے مگر یہ لوگ شہید ہو گئے۔ وہ فرشتے ان کی قبروں پر غبار
آلود و پریشان حال ہیں۔ جب ظہور قائم آل محمدؐ ہو گا تو یہ فرشتے ان کی مدد کریں گے
اور خون حسینؑ کے نعرے لگائیں گے۔

ابن شبیب! ہمارے جد بزرگوار سے مروی ہے کہ جب جد بزرگوار امام حسینؑ
شہید ہوئے تو آسمان سے خاک و خون کی بارش ہوئی۔ فرزند شبیب! اگر امام حسینؑ
پر اتنا رونا آئے کہ آنسو رخسار پر بہنے لگیں تو خداوند عالم چھوٹے بڑے کم اور زیادہ
گناہوں کو بخش دے گا۔

فرزند شبیب! اگر یہ تمھیں اچھا معلوم ہو کہ بارگاہ الٰہی میں بے گناہ حاضر ہو تو
زیارت قبر انور کو جایا کرو، اگر نبی و آل نبی کے درجات جنت میں جانا چاہو تو قاتلین
حسینؑ پر نفرین کرو، اگر یہ دل چاہے کہ انصار حسینؑ کا ثواب ملے تو جب بھی یہ

واقعہ یاد آئے تو کہا کرو یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ○ اگر ہمارے
ساتھ بلند ترین درجات میں رہنے کا ارادہ ہو تو ہمارے غم میں غم اور خوشی میں
خوشی مناؤ، ہماری محبت کو لازم سمجھو۔ اگر کوئی شخص پتھر سے محبت کرے تو
خداوند عالم قیامت میں اسی کے ساتھ محشور کرے گا۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ کے نزدیک کتنے معتمد اور ثقہ صحابی
تھے مگر ان کے مفصل حالات نہیں ملتے۔

ثقۃ الاسلام محمد بن ابی عمیر

آپ کی کنیت ابی عمیر زیاد بن عیسٰی اور نام محمدؒ ابو احمد مہلب بن ابی صفرہ کے
غلاموں میں تھے۔ بغداد وطن تھا اور وہیں رہتے تھے۔ بڑے عظیم المرتبت اور
جلیل القدر، مخالف اور موافق دونوں کے نزدیک ثقہ تھے اور نہایت عابد و
زاہد اور متورع شخص تھے۔ یونس سے زیادہ افضل و افقہ مانا ہے حالانکہ فقہ
میں یونس فضل بن شاذان سے روایت کرتے ہیں کہ ما نشأ فی الاسلام رجل
من سائر الناس کان افقہ من سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ولا نشأ بعدہ
افقہ من یونس بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ۔ اسلام میں سلمان فارسی
کے بعد کوئی شخص فقیہ پیدا نہیں ہوا اور ان کے بعد یونس سے زیادہ کوئی فقیہ
نہ ہو سکا۔

ابن ابی عمیر امام موسٰیؑ کاظم و امام رضاؑ اور امام محمد تقیؑ کی صحبت میں رہے اور
علم حاصل کیا اور ۹۵ کتابیں تصنیف کیں اور ہارون رشید اور مامون کے
زمانے میں بڑے مشکل دور سے گزرے۔ ان کو بہت سے تازیانے لگائے گئے
کہ خلیفہ کو شیعیان علیؑ کا پتہ اور نام بتانے میں رہنمائی کریں اس لیے کہ وہ شیعیانِ عراق

کو پہچانتے تھے۔ جب ان کو سو تازیانے لگائے گئے اور ان کی طاقت ختم ہوگئی تو وہ شیعوں کے نام بتانے والے ہی تھے کہ محمد بن یونس بن عبدالرحمٰن کی آواز سنی کہ انھوں نے کہا یا محمد بن ابی عمیر اذکر موقفک بین یدی اللہ اے محمد بن ابی عمیر! اللہ کے سامنے اپنے موقف کو یاد کرو۔ پس آپ کو ایک لاکھ درہم کی مالیت کا نقصان ہوا اور چار سال زندان میں رہے۔ آپ کی بہن نے آپ کی کتابیں جمع کر کے کھڑکی میں رکھ دی تھیں، بارش ہوئی اور برباد ہوگئیں۔ بعد میں ابن عمیر نے اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے، جن لوگوں نے آپ کی کتابوں سے نقل کر لیا تھا ان سے لکھا۔ ہارون رشید کے زمانے میں سندی بن شاہک نے ہارون کے حکم سے ایک سو بیس لکڑی کی ضرب لگائیں اور شیعیت کے جرم میں قید میں ڈال دیا۔ ابن ابی عمیر نے ایک لاکھ اکیس ہزار درہم قید سے رہائی کے لیے دیے اور کہا گیا ہے کہ ابن ابی عمیر متمول تھے اور پانچ لاکھ درہم کے مالک تھے۔ اور شیخ صدوق نے روایت کی ہے ابن ولید سے اور انھوں نے علی بن ابراہیم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے کہ انھوں نے کہا ابن ابی عمیر بزاز تھے اور ایک شخص دس ہزار درہم کا آپ کا مقروض تھا وہ فقیر ہوگیا۔ اس شخص نے اپنا مکان دس ہزار کا فروخت کر دیا اور وہ لے کر آپ کے پاس آیا۔ ابن ابی عمیر نے پوچھا کہ یہ رقم کہاں سے آئی؟ آیا تو نے میراث میں یہ مال پایا ہے یا کسی نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس شخص نے کہا میں نے اپنا مکان فروخت کر دیا ہے۔ ابن ابی عمیر نے فرمایا کہ ذریح محاربی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان قرض کی وجہ سے اپنا مکان فروخت نہیں کر سکتا۔ آپ نے وہ رقم واپس کر دی اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں فعلاً ایک درہم کا محتاج ہوں تو بھی اس رقم سے ایک درہم قبول نہ کروں گا۔ خداوند عالم ہمیں بھی ایسا پختہ شیعہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(منتہی الامال ج ۲ ص ۳۶۰ مولفہ شیخ عباس قمی)

امام علی نقیؑ کی غلام پروری

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دسویں جانشین اور ہمارے دسویں امام اور سلسلۂ معصومینؑ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ سمانہ خاتون تھیں۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ علم، سخاوت، طہارت نفس، بلندی کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلۂ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ قید خانے اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ، ہر وقت اور ہر حال میں یاد الٰہی، عبادت، خلق خدا سے استغنا، ثبات قدم، صبر و استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا، دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و مروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہی اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرت زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں شامل ہیں

۱۔ الحسین بن سعید کوفی اہوازی مولیٰ علی بن الحسین۔

۲۔ حمزہ مولی علی بن سلیمان بن رشید بغدادی۔

۳۔ خیران القراطیسی مولی الرضا۔

۴۔ کافور مولی امام علی نقی علیہ السلام، ثقہ ہیں۔

۵۔ مسافر مولیٰ امام علی نقیؑ، یہ امام رضاؑ کے بھی خادم تھے۔ ان کی کنیت ابو مسلم تھی۔

الحسین بن سعید کوفی اہوازی

حسین بن سعید بن حماد بن سعید بن مہران امام علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کے غلام تھے۔ امام رضاؑ، امام محمد تقی اور امام علی نقی علیہم السلام کے راویوں میں ثقہ اور جلیل القدر ہیں۔ وطن کوفہ تھا لیکن اپنے بھائی حسن کے ساتھ اہواز اور پھر قم منتقل ہو گئے تھے اور قم میں وفات پائی۔ تیس کتابیں تالیف کیں اور ان کے بھائی حسن نے پچاس کتابیں تصنیف کیں اور ان تیس کتابوں کی تصنیف میں بھی شرکت کی۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۹۰)

خیران القراطیسی

ثقہ اور جلیل القدر اصحاب امام رضا، امام محمد تقی اور امام علی نقی علیہم السلام میں سے ہیں۔ ان کا تذکرہ امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں ہو چکا ہے۔

بوطیر

فحام کا بیان ہے کہ ابوطیب احمد بن محمد بن بوطیر ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص تھا۔ اس کا جد بوطیر حضرت امام علی النقی بن محمد علیہ السلام کا غلام تھا اور اس کا نام امام علیہ السلام نے رکھا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا کہ روضہ کے

اندر نہ جاتا تھا، باہر جالی سے آپ کی زیارت کر لیا کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ گھر کا مالک گھر کے اندر جب تک اجازت نہ دے اندر کیسے جاؤں؟ یہ بڑا باادب تھا۔ دیوانوں میں جاتا، اگر کسی سے کوئی حاجت کرتا اور وہ حاجت پوری کر دیتا تو خوش ہوتا اگر اس نے اپنا وعدہ پورا کیا تو خیر ورنہ تیسری بار پھر جاتا، اگر اس نے حاجت پوری کر دی تو خیر ورنہ وہیں کھڑا ہو جاتا اور اس کے پاس خواہ وہ دو ایک آدمی ہوں یا مجمع ہو وہ یہ اشعار پڑھتا، ترجمہ اشعار:

"کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ پل صراط پر پہنچ کر اپنے کیے ہوئے اپنے اس وعدے کو پورا کرو گے یا یہ ارادہ ہے کہ قیامت میں تم یہ جود و بخشش کرو گے۔ جناب میں نے آپ سے دنیا میں مانگا ہے، خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیے۔" (امالی، ترجمہ بحار الانوار ص ۲۲۰)

بغا غلام ترکی کے متعلق رسولؐ کی دعا

مروج الذہب میں مسعودی کا بیان ہے کہ بغا ایک معتصم کا ترکی غلام تھا جس نے بڑی بڑی جنگیں دیکھی تھیں، دشمن کی صفوں میں گھس جاتا اور صحیح و سلامت نکل آتا اور لطف یہ ہے کہ وہ اپنے جسم پر لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز مثلاً زرہ وغیرہ کچھ نہ پہنتا تھا۔

جب اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بھی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا: اے بغا! تم نے میری امت کے ایک شخص کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے، اس نے تمھیں دعائیں دیں اور اس کی دعائیں قبول ہو گئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ وہ کون شخص

ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کو تم نے درندوں سے بچایا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ میری عمر طویل فرما دے۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا پروردگارا اس کو طول عمر عطا فرما دے اور موت اس کو بھولی رہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بچانوے سال۔ آپ نے بھی فرمایا بچانوے سال۔ ایک شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا تھا اس نے کہا اور یہ آفات سے بچا رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ آفات سے بچا رہے۔ میں نے اس شخص سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا میں علیؑ بن ابی طالب ہوں۔ یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہو گیا۔ اب میں علیؑ کا نام لیتا ہوں اسی وجہ سے جنگوں میں صفوں کے درمیان جا کر بھی بخیر و عافیت واپس آجاتا ہوں اور مجھے کوئی گزند نہیں پہنچتی۔

بغا طالبین (حضرت ابو طالب کی اولاد) پر بہت مہربان رہتا اور ان کے ساتھ بہت نیکی کرتا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا وہ شخص کون ہے جس کو تم نے درندوں سے بچایا تھا اور اس کا کیا واقعہ ہے؟ اس نے کہا، معتصم باللہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس سے کوئی بدعت سرزد ہوئی تھی۔ معتصم اور اس کے درمیان شب کی تنہائی میں گفتگو ہوئی۔ معتصم نے مجھے حکم دیا اسے لے جاؤ اور درندوں کے کٹہرے میں ڈال دو۔

مجھے بھی اس شخص پر بڑا غصہ آرہا تھا، جب میں اسے لے چلا تو میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا "پروردگارا! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے صرف تیرے بارے میں گفتگو کی ہے، صرف تیرے دین کی نصرت کی ہے، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف تیری توحید کے متعلق تھا اور اس سے میرا مطلب صرف تیری اطاعت تیرا تقرب حاصل کرنا تھا کسی غیر کا نہیں اور تیرے مخالف کے سامنے حق کو ثابت

کرنا تھا، پھر کیا تو مجھے اپنے دشمن کے حوالے کر کے یہ سزا دلائے گا؟"

بغا کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں کانپنے لگا، اندر سے رقت آئی اور دل میں ایک درد سا اٹھا اور قریب تھا کہ میں اسے درندوں کے کٹہرے میں ڈال دوں کہ اچانک میں نے اسے کھینچ لیا اور اپنے حجرے میں لا کر اسے چھپا دیا۔ پھر معتصم کے پاس آیا، اس نے پوچھا کیا کیا؟ میں نے کہا میں اس کو ڈال آیا۔ اس نے پوچھا وہ تم سے کچھ کہہ رہا تھا؟ میں نے کہا میں عجمی ہوں اور وہ عربی میں کچھ بول رہا تھا، سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہتا تھا؟ الغرض جب صبح ہوئی تو میں نے اس شخص سے کہا اب درندے کھل گئے ہیں اور اب میں پہرے داروں کے ساتھ تجھے نکال رہا ہوں، دیکھ میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تجھے بچایا ہے لہٰذا کوشش کر کہ عہد معتصم تک تو بالکل روپوش رہے مگر تو مجھے یہ بتا دے کہ تیرا معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا بات یہ تھی کہ ہمارے عمال میں سے ایک فرد حرام کاری اور فسق و فجور میں مبتلا تھا، حق کو پائمال کرتا تھا باطل کی مدد کرتا تھا جس کی وجہ سے شریعت میں فساد پیدا ہو رہا تھا، توحید الٰہی منہدم ہو رہی تھی مگر اس کے خلاف کوئی شخص میری مدد کو تیار نہ ہوتا تھا لہٰذا مجبوراً ایک شب کو میں نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس لیے کہ اس کے جرائم ایسے تھے کہ جن کی بنا پر وہ از روئے شریعت واجب القتل تھا۔ نتیجہ میں مجھے گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب تم کو معلوم ہے۔ (مروج الذہب، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۲۱۸)

کافور

کافور امام علی نقی علیہ السلام کے معتمد و ثقہ خادم اور غلام تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے آقا امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں لوٹا فلاں مقام پر پانی سے بھر کر میرے وضو کے لیے رکھ دینا۔ پھر آپ نے مجھے کسی کام کے لیے

بھیج دیا اور فرمایا پہلے یہ کام کرو پھر پانی رکھ دینا تاکہ جب میں نماز کے لیے وضو کرنا
چاہوں تو پانی موجود ہو۔ یہ فرما کر آپ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور میں پانی
رکھنا بھول گیا۔ سردی کی رات تھی، جب میں نے محسوس کیا کہ آپ نماز کے لیے
اٹھے ہیں تو مجھے یاد آیا کہ لوٹے میں پانی تو میں نے رکھا ہی نہیں اس لیے ڈر کے
مارے کہ آپ خفا ہوں گے میں وہاں سے دور ہٹ گیا مگر اس کا دکھ ضرور تھا کہ
آقا کو لوٹا تلاش کرنے میں زحمت ہوگی۔ اتنے میں آپ نے مجھے غصہ میں آواز دی
میں نے دل میں کہا انا للہ، اب میں آپ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا سوائے
اس کے کہ یہ کہہ دوں کہ میں بھول گیا اور بغیر سامنے گئے کوئی چارہ بھی نہ تھا لہٰذا
گردن جھکائے ہوئے سامنے گیا۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو، تجھے میرا دستور
معلوم نہیں کہ میں ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہوں پھر تو نے گرم پانی لوٹے
میں بھر کر کیوں رکھ دیا؟ میں نے عرض کیا آقا میں نے نہ لوٹا رکھا اور نہ پانی۔

آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دم قدم پر اپنی آسانیوں سے
نوازا ہے اور شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اپنی اطاعت کرنے والوں میں شمار
کیا، اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی اور میری مدد فرمائی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ
اللہ اس شخص سے ناراض ہوتا ہے جو اس کی دی ہوئی آسانی قبول نہ کرے۔
(امالی شیخ، مناقب ج ۴ ص ۴۱۴ (مرسلاً روایت ہے) ماخوذ از ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۱۳۴-۱۳۳)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندان اہل بیت عصمت وطہارت سے
متعلق خدام، کنیزیں ہوں خواہ غلام، محض خدمتی نہ تھے خدا پرست خدا والے
تھے۔ معصوم کے قدموں میں رہ کر محفوظ ہو گئے، ایسے کمالات کے جوہر پیدا
ہوئے کہ دنیا میں ان کی مثال مشکل ہے۔ ہے کوئی دنیا میں قنبر کا جواب، فضہؓ کا
ہم پلہ۔ ایک علیؑ کی تربیت میں بنا دوسری فاطمہؑ کی تربیت میں۔ دونوں نے

تربیت کا اپنے اپنے اثر دنیا کو دکھلا دیا۔ اس واقعہ میں کافور امامؑ کے خادم کی شان
ملاحظہ کیجیے۔ ایسے مطیع تھے کہ کام اگر فراموش ہو گیا تو قدرت نے اس کام کو پورا
کر دیا۔ صرف پورا ہی نہیں کیا بلکہ خدمت کو مزید محبت میں سمو دیا کہ پانی ٹھنڈے
کے بجائے گرم ملا۔ دوسرے امامؑ نے کافور کو جو اپنا دستور یاد دلایا یہ جہاں عبادت
میں مشقت اٹھانے کی ایک اسلاف کی نشانی ہے وہاں سہولت پسند نمازیوں کے
لیے بڑی تنبیہ ہے۔ اکثر ہیں جو سردی کے زمانے میں وضو کے بجائے تیمم کر کے
نماز ادا کر لیتے ہیں جب کہ ان کو گرم پانی میسر ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے اجتہاد سے
وضو اور تیمم میں تخییر کے قائل ہیں کہ چاہے وضو کرو چاہے تیمم کرو۔ یوں وہ تیمم
کو پسند کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام کے طریقے پر اگر کوئی ٹھنڈے پانی سے وضو
نہیں کر سکتا اور اس کی برداشت ٹھنڈ کے زمانے میں نہیں ہے تو گرم پانی سے
وضو کرے، اس کے امکان کی صورت میں تیمم کرنے کا جواز کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔
واقعہ کے آخر میں مباح کے چھوڑنے اختیار کرنے کی صورت کے لیے جو خاص طور
پر امام نے متوجہ کیا ہے وہ جعلی زاہدوں، ترک لذات کرنے والوں، اپنی طرف سے
تکلیف خریدنے والوں کے لیے نہ محض تنبیہ ہے بلکہ ان کے گنہگار ہونے اور
غضب خدا کے مستحق قرار پانے کی واضح دلیل ہے۔ امام نے گرم پانی سے وضو
کر کے بتایا کہ ہم مباح کے بجالانے والے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی اجازت کو سبک
نہیں کرتے۔ امیر المومنینؑ ہمیشہ جَو کھاتے رہے مگر اس کے ساتھ گیہوں کبھی
کبھی اس لیے نوش فرمالیا کہ مباح کے تارک نہ بنیں۔

امام حسن عسکریؑ کا غلاموں ساتھ حسن سلوک

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پیغبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارھویں جانشین اور سلسلۂ عصمت کی تیرھویں کڑی ہیں۔ آپ اپنے آباء واجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کو خداوند عالم نے جن فضائل ومناقب اور کمالات اور بلندی سے سرفراز کیا ہے ان میں مکمل دوام موجود ہے۔ نہ وہ نظر انداز کیے جا سکتے ہیں اور نہ ان میں کہنگی آسکتی ہے اور آپ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ امام مہدیؑ آپ ہی کے اکلوتے فرزند ہیں جنھیں پروردگار عالم نے طویل عمر عطا کی ہے۔

(مطالب السئول ص ۲۹۲ چودہ ستارے ص ۵۳۱)

آپ اسی سلسلۂ عصمت کی ایک کڑی تھے جس کا ہر حلقہ انسانی کمالات کے جواہر سے مرصع تھا۔ علم وحلم، عفو وکرم، سخاوت وایثار سب ہی اوصاف بے مثال تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس زمانے میں بھی کہ جب آپ سخت قید میں تھے معتمد نے جس سے آپ کے متعلق دریافت کیا یہی معلوم ہوا کہ آپ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور سوا ذکر الٰہی کے کسی سے کوئی کلام نہیں فرماتے۔ اگرچہ آپ کو اپنے گھر پر آزادی کی سانسیں لینے کا موقع بہت ہی کم ملا

پھر بھی جتنے عرصہ تک قیام رہا دور دراز سے لوگ آپ کے فیض وعطا کے تذکرے سن کر آتے تھے اور بامراد جاتے تھے۔ آپ کے اخلاق واوصاف کی عظمت کا عوام وخواص سب ہی کے دلوں پر سکہ قائم تھا۔ چنانچہ جب احمد بن عبداللہ خاقان کے سامنے جو خلیفہ عباسی کی طرف سے شہر قم کے اوقاف وصدقات کے شعبہ کا افسر اعلیٰ تھا سادات علوی کا تذکرہ آگیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے کوئی حسن عسکریؑ سے زیادہ بلند مرتبہ اور علم وورع، زہد وعبادت، وقار وہیبت، حیا وعفت، شرف وعزت اور قدر ومنزلت میں ممتاز اور نمایاں نہیں معلوم ہوا۔ اس وقت جب امام علی نقی علیہ السلام کا انتقال ہوا اور لوگ تجہیز وتکفین میں مشغول تھے تو بعض گھر کے ملازمین نے اثاث البیت وغیرہ میں سے کچھ چیزیں غائب کر دیں اور انھیں خبر نہ تھی کہ امامؑ کو اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ جب تجہیز وتکفین وغیرہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان نوکروں کو بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ پوچھتا ہوں اگر تم مجھ سے سچ سچ بیان کر دو گے تو میں تمھیں معاف کر دوں گا اور سزا نہ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے ہر ایک سے ان اشیاء کے متعلق جو اس کے پاس تھیں دریافت کیا اور جب انھوں نے سچ بیان کر دیا تو ان تمام چیزوں کو ان سے واپس لے کر آپ نے ان کو کسی قسم کی سزا نہ دی اور معاف فرما دیا۔ (رہنمایان اسلام مصنفہ مولانا علی نقی مرحوم)

ادریس کا بیان ہے کہ میں آل محمدؐ کے متعلق مبالغہ آمیز بڑی بڑی باتیں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی ملاقات کی غرض سے عسکر پہنچا۔ سفر کی وجہ سے بہت تھکا ماندہ تھا اس لیے ایک حمام کی دوکان پر گیا وہیں پڑ کر سو گیا اور آنکھ اس وقت کھلی جب حضرت ابو محمد امام حسنؑ عسکری علیہ السلام نے آکر کھٹکھٹایا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ ہی نے دروازہ کھٹکھٹایا

ہے اس لیے فوراً اٹھا، دروازہ کھولا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ آپ سواری پر سوار تھے اور کئی غلام آپ کے گرد تھے۔ آپ نے سب سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ اے ادریس سنو بل عباد مکرمون ؐ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون o (سورۃ الانبیاء آیت ۲۷-۲۶) ترجمہ "بلکہ یہ اللہ کے مکرم بندے ہیں اس کے قول پر سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں"۔

میں نے عرض کیا مولا! میرے لیے یہی آیت کافی ہے۔ درحقیقت میں یہی پوچھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (مناقب ج ۴ ص ۴۲۹، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۲۵۱)

ابو حمزہ نصیر خادم سے روایت ہے کہ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے غلاموں سے ان ہی کی زبانوں میں کئی مرتبہ باتیں کرتے ہوئے سنا جن میں کچھ رومی تھے کچھ ترکی اور کچھ صقالبی تھے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ دل میں کہا یہ مدینہ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد بزرگوار حضرت ابو الحسن علی النقی علیہ السلام کی وفات تک کبھی کسی کے سامنے نہیں آئے نہ ان کو کسی نے دیکھا۔ پھر ان کو یہ باتیں کیسے آگئیں؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنی حجت کو ساری مخلوق پر واضح کر دیتا ہے اور اسے ہر شے کا علم عنایت فرما دیتا ہے۔ اسی بنا پر وہ دنیا کی تمام زبانوں کو، تمام لوگوں کے نسب کو اور زمانے کے تمام ہونے والے آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر حجت خدا مجوجین میں کیا فرق ہوگا؟ (مختار الخرائج ص ۲۱۴، مناقب ج ۴ ص ۴۲۸) اعلام الوریٰ، کافی اور ارشاد شیخ مفید میں بھی نصیر خادم کی یہی روایت مرقوم ہے (اعلام الوریٰ ص ۳۵۶، کافی ج ۱ ص ۵۰۹، ارشاد ص ۳۲۲، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۲۵۴)

کافور خادم کا بیان ہے کہ یونس نقاش ہمارے سید و آقا کی حاشیہ برداری اور خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ کانپتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا اے میرے سید و سردار! میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیے گا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا بس اب میرا اس دنیا سے کوچ کا اہتمام ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے یونس! کیسا اہتمام؟ یہ کہہ کر آپ مسکرانے لگے۔ یونس نے کہا ابن بغا (حاکم)، نے مجھے ایک نگینہ دیا تھا، جب میں اس پر نقش کرنے لگا تو وہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا، اس کو کل ہی دینے کا وعدہ تھا اور وہ ابن بغا ہے ایک ہزار تازیانوں یا قتل سے کم سزا نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ کل جو اللہ کرے گا وہ بہتر کرے گا۔ دوسرے دن پھر کانپتا ہوا آیا اور بولا کہ ابن بغا کا آدمی نگینہ لینے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ جاؤ اللہ جو کرے گا وہ بہتر کرے گا۔ یونس نے کہا آقا! میں اس سے جا کر کیا کہوں گا؟ آپ مسکرائے اور فرمایا تم جاؤ اور سنو کہ کیا کہتا ہے اور جو ہو گا وہ بہتر ہی ہو گا۔ یونس گیا اور خوش و خرم واپس آیا اور بولا" مولا! ابن بغا نے مجھ سے کہا کہ میری کنیزیں آپس میں جھگڑ رہی ہیں، کیا تم سے ممکن ہے کہ اس کے دو ٹکڑے کر دو اور جھگڑا ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا پروردگارا! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایسے لوگوں میں قرار دیا کہ جو تیرا واقعی شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا پھر تم نے کیا کہا؟ یونس نے کہا کہ میں نے اسے مطمئن کر دیا ہے کہ اچھا میں کوشش کروں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک جواب دیا۔ (مناقب آل ابی طالب ج ۴ ص ۴۲۸-۴۲۷، ترجمہ بحار الانوار)

کنیز کی موت کا علم

علی بن زید بن علی بن الحسین بن زید بن علی سے روایت ہے ان کا بیان

ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام دار العامہ سے اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو میں آپ کے ساتھ ہولیا اور آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا کر واپس ہونے لگا، آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرو۔ آپ اندر داخل ہوئے مجھے بھی گھر کے اندر بلا لیا اور دو سو دینار عطا کیے پھر فرمایا تمھاری کنیز تو مرگئی اب دوسری کنیز کے لیے قیمت لیتے جاؤ حالانکہ جب میں اپنے گھر سے چلا تھا تو وہ صحیح وسلامت تھی۔ غرض جب میں اپنے گھر پہنچا تو میرے غلام نے اطلاع دی کہ آپ کی کنیز ابھی ابھی مرگئی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی، کیسے مرگئی؟ اس نے کہا وہ پانی پینے لگی، پانی گلے میں اٹکا اور اس کا دم نکل گیا۔ (مناقب ج ۴ ص ۴۳۱، مختار الخرائج ص ۲۱۴، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۳۰۴)

آپ کے سر اقدس کا نور

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے غلام بذل کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ سو رہے تھے اور آپ کے سر مبارک سے ایک نور ساطع تھا جو آسمان تک پہنچ رہا تھا۔ (مختار الخرائج ص ۲۱۵، کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۰۷) کتاب الدلائل میں بھی اسی کے مثل روایت ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۲۴۴)

رعب امامت ایک ملازم کی زبانی

تلعکبری رحمۃ اللہ سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابو علی محمد بن ہمام رحمۃ اللہ کی ڈیوڑھی میں چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ادھر سے ایک ضعیف شخص کا گزر ہوا جو اونی کوٹ پہنے ہوئے تھا، اس نے ابو علی کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام دیا اور وہ شخص چلا گیا۔ ابو علی نے کہا تمھیں معلوم ہے یہ کون تھا

میں نے کہا نہیں۔ ابو علی نے کہا، یہ ہمارے آقا حضرت ابو محمد امام عسکری کا ملازم ہے۔ کیا تمھارا دل چاہتا ہے کہ اس سے اپنے آقا کی کوئی حدیث سنو؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا تمھارے پاس اس کے دینے کے لیے کچھ ہے؟ میں نے کہا ہاں، دو درہم صحیح رہیں گے؟ انھوں نے کہا اس کے لیے یہ کافی ہے۔

الغرض میں اس کے پیچھے گیا اور اس سے جا کر کہا کہ تم کو ابو علی بن ہمام بلاتے ہیں، کیا تم ان کے پاس جانا پسند کرو گے؟ اس نے کہا جی بسر و چشم۔ پھر ہم دونوں ابو علی بن ہمام کے پاس آئے۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ابو علی نے مجھے اشارہ کیا اسے دو درہم دے دو۔ میں دینے لگا تو اس نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے، میں نے اصرار کیا اور وہ دو درہم اس کو دے دیے۔ پھر ابو علی بن ہمام نے اس سے کہا اے محمد! حضرت ابو محمد امام حسن عسکریؑ کے متعلق جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو۔ اس نے کہا میرے مالک علویوں میں سب سے زیادہ مرد صالح تھے۔ میں نے تو ان جیسا کوئی آدمی ہی نہیں دیکھا۔ وہ مشکی اور نیلگوں زین پر سوار ہوتے اور ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو سرمن رائے میں دار الخلافہ کو جایا کرتے۔ چنانچہ جب آپ اپنے معینہ دن میں تشریف لے جاتے تو وہاں لوگوں کا عظیم اژدہام ہو جاتا۔ سارے راستے سواریوں سے بھرے ہوئے ہر طرف خچر ہی خچر اور گدھے ہی گدھے نظر آتے۔ اتنی بھی جگہ نہ ہوتی کہ آدمی پیدل ہی اس کے اندر سے گزر جائے۔ اس کا بیان ہے جب میرے آقا وہاں پہنچتے تو کیا آدمی اور کیا جانور سب خاموش ہو جاتے۔ نہ خچروں کی ہنہناہٹ ہوتی نہ گدھوں کی آواز۔ آپ کو دیکھ کر سارے جانور ادھر ادھر ہٹ جاتے، درمیان میں وسیع راستہ خالی ہو جاتا اور آپ بغیر کسی مزاحمت کے اندر داخل ہو جاتے اور اپنی مخصوص جگہ پر تشریف فرما ہو جاتے اور جب دربار سے برآمد ہوتے تو

خلیفہ دربان کو حکم دیتا کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی سواری لاؤ.
یہ آواز سن کر لوگوں کا شور وغل، گھوڑوں کی ہنہناہٹ وغیرہ سب ختم
ہوجاتی، سارے سواریوں کے جانور ادھر ادھر ہٹ جاتے یہاں تک کہ آپ
انتہائی سکون و وقار کے ساتھ سوار ہوکر وہاں تشریف لے جاتے۔ اسی ملازم کا
کا بیان ہے کہ ایک دن خلیفہ نے معینہ دنوں کے علاوہ آپ کو بلایا۔ یہ چیز آپ پر
بہت شاق ہوئی، خوف تھا کہ علویوں اور ہاشمیوں میں سے جو لوگ آپ کے رتبے
اور منزلت کو دیکھ کر آپ سے حسد کرتے تھے انھوں نے خلیفہ سے آپ کی چغلی
کردی ہوگی۔ آپ جب سوار ہوکر وہاں تشریف لے گئے اور دارالخلافہ پہنچے تو
کہا گیا خلیفہ تو دربار سے اٹھ چکا ہے، اب آپ چاہیں تو یہاں تشریف رکھیں
اور چاہیں تو تشریف لے جائیں۔ اس ملازم کا بیان ہے کہ آپ وہاں سے پلٹے
اور جانوروں کے بازار میں آئے۔ وہاں بڑا شور وغل تھا، بڑی بھیڑ بھاڑ اور لوگوں
کا اژدہام تھا مگر جب آپ بازار میں پہنچے تو ہر طرف خاموشی چھاگئی۔ نہ کسی انسان کی
آواز بلند ہوئی نہ جانوروں کی۔

الغرض آپ جاکر اس بیوپاری کے پاس بیٹھ گئے جو آپ کے لیے جانور وغیرہ
خریدا کرتا تھا۔ اس نے آپ کے سامنے ایک ایسا خطرناک و شریر گھوڑا پیش
کیا جس کے پاس جانے کی کوئی ہمت نہ کرتا تھا۔ بیوپاریوں نے اسے آپ کے
ہاتھ اصل قیمت سے بھی کم یعنی گھاٹے پر فروخت کردیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا
اے محمد! اٹھو اور اس پر زین کس دو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ انھوں نے
مجھے کبھی کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہیں دیا جو میرے لیے باعث اذیت ہوا ہو
اس لیے میں نے آگے بڑھ کر اس کا تنگ کھولا اور اس کی پشت پر زین رکھ دی
وہ بالکل چپ چاپ رہا۔ اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ میں اسے لے کر آپ کے

پاس آیا تاکہ اسے لے کر چلا جائے کہ اتنے میں وہ بیوپاری دوڑتا ہوا آیا اور بولا: میں
یہ گھوڑا نہیں بیچنا چاہتا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا پھر یہ ان لوگوں کو واپس کردو۔ بیوپاری
اسے لینے کے لیے آگے بڑھا تو گھوڑے نے اس کی طرف ایسا رخ کیا کہ وہ ڈر کے
مارے بھاگا۔

ملازم کا بیان ہے کہ وہ گھوڑا ہم نے چھوڑا۔ آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے
اور ہم وہاں سے چلے تو وہ بیوپاری پھر دوڑتا ہوا آیا اور بولا: اس گھوڑے کا مالک
کہتا ہے کہ ڈر ہے کہیں آپ اسے خرید کر لے جائیں اور پھر اسے واپس نہ کردیں
اگر آپ کو علم ہے کہ یہ گھوڑا کس قدر بد سرشت و شریر ہے اور اس کے بعد بھی
آپ اس کو خریدنا چاہتے ہیں تو خرید لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے علم ہے بیوپاری
نے کہا تو پھر میں نے فروخت کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ گھوڑا لے لو۔ میں اسے
لے کر اصطبل آیا نہ اس نے کوئی حرکت کی اور نہ مجھے ستایا۔ یہ سب میرے آقا
کی برکت تھی۔

ابو علی بن ہمام کا بیان ہے کہ یہ گھوڑا لوگوں میں خونخوار مشہور تھا وہ دو پاؤں
پر کھڑا ہوجاتا، اپنے مالک کو لات مارتا اور پھینک دیتا تھا۔ اس ملازم کا بیان ہے
کہ میرے آقا تمام علویین اور ہاشمیین میں سب سے زیادہ مرد صالح تھے۔ انھوں
نے کبھی نبیذ کو منھ نہ لگایا۔ آپ محراب عبادت میں بیٹھتے، سجدے میں جاتے
اور اسی کیفیت میں سو جاتے، پھر بیدار ہوتے پھر سو جاتے۔ غذا کم تناول فرماتے،
آپ کے لیے انجیر اور انگور وغیرہ لائے جاتے تو اس میں سے ایک یا دو دانے
کھا لیتے اور فرماتے: اے محمد! اسے لے جاؤ اپنے بچوں کو دے دینا۔ میں پوچھتا
کیا سب اٹھا لے جاؤں؟ آپ فرماتے ہاں سب لے جاؤ۔ المختصر میں نے ان
سے بہتر کوئی آدمی نہیں پایا۔ (غیبۃ الشیخ ص ۱۴۰-۱۳۹، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۲۴۷ تا ۲۵۰)

وفات امامؑ اور عقید خادم اور صیقل کنیز کا بیان اور موجودگی

صاحب کمال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسین بن عباد سے خود تو یہ روایت نہیں سنی مگر تاریخ کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات روز جمعہ نماز صبح کے وقت ہوئی۔ اس شب کو آپ نے اہل مدینہ کے نام بہت سے خطوط خود اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے یہ واقعہ ٨ ربیع الاول ٢٦٠ھ کا ہے۔ وقت وفات آپ کے پاس صیقل کنیز اور عقید نامی خادم کے سوا اور کوئی نہ تھا اور اگر ان کے علاوہ کوئی دوسرا بھی رہا ہو تو اس کا علم اللہ کو ہے۔

عقید خادم کا بیان ہے کہ آپ نے مصطگی کے ساتھ ابلا ہوا پانی منگوایا، میں نے پانی حاضر کیا پھر فرمایا میں نماز پڑھوں گا۔ ہم لوگوں نے آپ کے حجرے میں ایک رومال بچھا دیا۔ آپ نے صیقل سے پانی لیا، چہرہ دھویا دونوں ہاتھ ایک ایک مرتبہ دھوئے سر کا مسح کیا دونوں پاؤں کا مسح کیا پھر اپنے بستر پر ہی نماز صبح ادا کی۔ اس کے بعد پینے کے لیے ایک پیالہ میں پانی لیا جوں ہی پیالہ منھ کو لگایا آپ کے دندانِ مبارک پیالے پر بجنے لگے، ہاتھ کانپنے لگا۔ صیقل نے فوراً آپ کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور فوراً آپ کی روح مقدس پرواز کر گئی اور جوار رحمت الٰہی میں جا پہنچی۔ سر من رائے میں آپ کے والد بزرگوار کے پہلو میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر کامل انتیس[٢٩] سال تھی۔

اسی روایت کے ضمن میں ابن عباد کا بیان ہے کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکریؑ کی والدہ گرامی مدینہ سے سر من رائے تشریف لائیں اور میراث کے متعلق آپ کے بھائی جعفر کے ساتھ ان کے بڑے قضیے رہے جس کا بیان باعث طوالت ہے۔

جعفر نے سلطان کے پاس جا کر چغلی کھائی اور وہ راز جسے اللہ نے چھپانے کا حکم دیا تھا اس کو افشار کر دیا۔ (یعنی ولادت امام مہدیؑ ہو چکی ہے۔)

مگر اس راز کو چھپانے کے لیے اس وقت صیقل کنیز نے دعوٰی کر دیا کہ میں حاملہ ہوں۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے اور معتمد کی عورتیں، اس کی خادمائیں، موفق کی عورتیں، اس کی خادمائیں، قاضی ابن ابی شوارب کی عورتیں ہمہ وقت اس کی نگرانی کرنے لگیں کہ اسی اثنار میں صفار نے عباسیوں کے خلاف خروج کر دیا اور پھر عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان یک بیک مر گیا۔ ادھر شاہ زیخ نے بصرہ پر حملہ کر دیا اور ان لوگوں کو سر من رائے سے نکلنا پڑا اور صیقل کی طرف سے ان لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ (کمال الدین ج ٢ ص ١٥٠ - ١٤٩، ترجمہ بحار الانوار ج ١٠/٩ ص ٣٣٨ - ٣٣٧)

امام حسن عسکری علیہ السلام کے غلام اور کنیزیں

امام علیہ السلام کے غلاموں اور کنیزوں کے صحیح نام اور حالات تو نہ مل سکے لیکن اوپر کی روایات جن میں آپ کے فضائل و مناقب آپ کے خادموں کے ذریعہ ہمیں دستیاب ہوتے ہیں، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ آپ کے کتنے قریبی اور معتمد تھے وہ چند نام جن سے روایات ہیں وہ یہ ہیں:

١۔ ابو حمزہ نصیر ٢۔ کافور یہ امام علی نقی علیہ السلام کے بھی غلام تھے ٣۔ بذل ٤۔ عبد اللہ محمد۔ رجال طوسی میں محمد بن عبد الحمید العطار کوفی ایک نام ملا مگر انھوں نے ان کو بجیلہ کا غلام لکھا ہے۔ غیبت الشیخ میں ابو علی محمد بن ہمام سے جو روایت ہے اس میں عبد اللہ محمد نام ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک ہی شخص ہوں جن کو کہیں عبد اللہ محمد اور کہیں محمد بن عبد الحمید لکھا گیا ہو۔ ٥۔ عقید اور ایک کنیز صیقل جن کا ذکر امام علیہ السلام کی وفات کے وقت ہوا ہے۔

افسوس ان حضرات کے مفصل حالات زندگی نہ مل سکے مگر ان حضرات
کے مراتب عالیہ اوپر کی روایات سے ظاہر ہیں۔

حضرت امام محمد مہدیؑ اور غلامی

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلۂ عصمت محمدیہ کی چودھویں اور سلکِ
امامت علویہ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
اور والدہ ماجدہ جناب نرجس خاتون تھیں۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوصؑ،
معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور
تھے۔ آپ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی تھی جیسی حضرت یحییٰؑ
کو ملی تھی اور آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دیے گئے تھے جس طرح حضرت
عیسیٰؑ نبی قرار پائے تھے۔ آپ انبیاء سے بہتر ہیں۔ آپ کے متعلق حضرت رسولِ
خدا نے بے شمار پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ
حضور کی عترت اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا
ہے کہ امام مہدیؑ کا ظہور آخری زمانے میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے
آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امام مہدی میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے۔ جس
طرح میرے ذریعہ سے دین اسلام کا آغاز ہوا اسی طرح ان کے ذریعہ سے مہر
اختتام لگا دی جائے گی۔ آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ امام مہدی
کا اصل نام میرے نام کی طرح محمد اور کنیت میری کنیت کی طرح ابوالقاسم
ہوگی۔ وہ جب ظہور کریں گے تو ساری دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح
پُر کر دیں گے جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (چودہ ستارے)

مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے۔ ۸ر ربیع الاول ۲۶۰ھ کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات واقع ہوئی اور ۹ر ربیع الاول سے حضرت حجت کی امامت کا آغاز ہوا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معتمد عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے تو آپ حکم خدا سے سرداب میں غائب ہو گئے۔ (چودہ ستارے)

جس طرح فرعون کی تمام کوششوں کے باوجود موسیٰؑ پیدا ہوئے اسی طرح سلطنت عباسیہ کے تمام انتظامات کے باوجود امام منتظرؑ کی ولادت ہوئی مگر یہ قدرت کی طرف کا انتظام تھا کہ آپ کی پیدائش کو صیغۂ راز میں رکھا گیا اور جسے قدرت اپنا راز بنائے اسے کون افشا کر سکتا ہے؟ بے شک ذرا دیر کے لیے خود اس کی مصلحت اس کی متقاضی ہوئی کہ راز پر سے پردہ ہٹایا جائے۔ جب امام حسن عسکریؑ کا جنازہ غسل و کفن کے بعد نماز جنازہ کے لیے رکھا ہوا تھا۔ شیعیان خاص کا مجمع تھا اور نماز کے لیے صفیں باندھ چکے تھے۔ امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکے تھے اور تکبیر کہنا چاہتے تھے کہ ایک دفعہ حرم سرائے امامت سے ایک کمسن بچہ برآمد ہوا اور بڑھتا ہوا صفوں کے آگے پہنچا اور جعفر کی عبا کو ہاتھ میں لے کر کہا "چچا پیچھے ہٹیے، اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق مجھے زیادہ ہے۔" جعفر بے ساختہ پیچھے ہٹے اور صاحبزادے نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ پھر صاحبزادہ حرم سرا میں واپس گیا غیر ممکن تھا کہ یہ خبر خلیفۂ وقت کو نہ پہنچتی۔ چنانچہ پہنچی اور اب زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ تلاش شروع ہو گئی کہ ان صاحبزادے کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے یا ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

حضرت امام منتظر کی امامت کا زمانہ دو غیبتوں پر تقسیم رہا ہے۔ ایک زمانہ "غیبت صغریٰ" اور ایک "غیبت کبریٰ"۔ پہلی غیبت کا دور ۲۶۰ھ سے ۳۲۹ھ تک، انہتر ۶۹ سال قائم رہا۔ اس میں سفرائے خاص موجود تھے۔ یعنی ایسے افراد جن کو مخصوص طور پر نام کی تعیین کے ساتھ امام کی جانب سے نائب بنایا گیا تھا کہ شیعوں کے مسائل امامؑ تک پہنچائیں اور ان کے جوابات حاصل کریں۔ اموالِ زکوٰۃ و خمس کو جمع کر کے انھیں مصارف خاصہ میں صرف کریں اور جو قابل اعتماد اشخاص ہوں ان تک خود امام کی تحریرات کو بھی پہنچا دیں ورنہ خود حضرت دریافت کر کے ان کے مسائل کا جواب دے دیں۔ یہ حضرات علم و تقویٰ اور رازداری میں اپنے زمانے کے سب سے زیادہ ممتاز اشخاص تھے اس لیے ان کو امام کی جانب سے اس خدمت کا اہل سمجھا جاتا تھا۔ یہ حسب ذیل چار ۴ بزرگوار تھے۔ (۱) ابو عمرو عثمان بن سعید عمرو عمری اسدی (۲) ان کے فرزند ابو جعفر محمد بن عثمان سعید عمری۔ (۳) ابو القاسم حسین بن روح نوبختی (۴) ابو الحسن علی بن محمد سمری یہ آخری نائب تھے۔ اب اس کے بعد کوئی نائبِ خاص باقی نہ رہا۔

۳۲۹ھ کے بعد سے جو زمانہ ہے اسے غیبت کبریٰ کہتے ہیں اس لیے کہ اب کوئی خاص نائب بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اس دور کے لیے خود "امام عصر" نے یہ ہدایت فرما دی تھی کہ اس صورت میں دیکھنا جو لوگ ہمارے احادیث پر مطلع ہوں اور ہمارے حلال و حرام یعنی مسائل سے واقف ہوں ان کی طرف رجوع کرنا، یہ ہماری جانب سے تمھارے اوپر حجت ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر علمائے شیعہ اور مجتہدین کو نائب امام کہا جاتا ہے مگر یہ نیابت باعتبار صفات عمومی حیثیت سے ہے خصوصی طور باعتبار نامزدگی نہیں ہے، یہی خاص فرق

ہے ان میں اور ان نائبین میں جو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اس منصب پر
فائز تھے۔ اس زمانۂ غیبت میں بھی یقیناً امام علیہ السلام ہدایتِ خلق اور حفاظتِ
حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ہماری کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی فرماتے
ہیں خواہ وہ ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہمیں محسوس و معلوم نہ ہو۔ یہ پردہ اس
وقت تک رہے گا جب تک مصلحت الٰہی متقاضی ہو اور ایک وقت ایسا جلد
آئے گا (خواہ وہ جلد ہمیں کتنی ہی دور پر معلوم ہوتا ہو) کہ یہ پردہ ہٹے گا اور امام
علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور فرمائیں گے اسی
طرح جیسے وہ اس کے پہلے ظلم و جور سے مملو ہو چکی ہو گی۔ (اللھم عجل فرجہ
وسھل مخرجہ) (رہنمایان اسلام)

امام مہدی علیہ السلام کی مدّت حکومت اور خاتمۂ دنیا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا پایۂ تخت شہر کوفہ ہوگا، مکہ میں آپ کے
نائب کا تقرر ہوگا۔ آپ کے دیوان خانہ اور آپ کے حکم کی جگہ مسجد کوفہ ہو گی۔
بیت المال مسجد سہلہ قرار دی جائے گی اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا۔ آپ
کے عہد حکومت میں مکمل امن و سکون ہو گا۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، شیر،
انسان اور جانور سب ایک دوسرے سے بے خوف ہوں گے۔ جہل، جبن، بخل
کافور ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہو گی۔ ظلم دنیا سے مٹ
جائے گا۔ اسلام کے قالب بے جان میں تازہ روح پیدا ہو جائے گی۔ دنیا
کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی نہ کوئی اور
مسلک ہو گا صرف اسلام ہو گا اور اسی کا ڈنکا بجتا ہو گا۔ ساری کائنات مسرتوں
سے مملو ہو گی۔ غرض عدل و انصاف سے دنیا بھر جائے گی۔

حضرت امام مہدیؑ کے عہدِ ظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے کو رجعت
کہتے ہیں۔ یہ رجعت ضروریات مذہب امامیہ سے ہے۔ اس کا مطلب یہ
ہے کہ ظہور کے بعد بحکم خدا شدید ترین کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین حضرت
رسول کریمؐ، ائمہؑ طاہرینؑ، بعض انبیاء سلف برائے اظہار دولت حق محمدی دنیا
میں پلٹ آئیں گے۔ اس میں ظالموں کو ظلم کا بدلہ اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا
جائے گا اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا کہ لیظھرہ علی الدین کلہ
دنیا میں صرف ایک اسلام رہ جائے گا۔ امام حسینؑ کا مکمل بدلہ لیا جائے گا اور
دشمنان آل محمدؐ کو قیامت میں عذاب اکبر سے پہلے رجعت میں عذاب اصغر
کا مزہ چکھایا جائے گا۔ شیطان حضرت سرور کائنات کے ہاتھوں سے نہر فرات
پر ایک جنگ عظیم کے بعد قتل ہوگا۔ ائمہ طاہرینؑ کے ہر عہد حکومت میں اچھے برے
زندہ کیے جائیں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ
ہوں گے ان کی تعداد چار ہزار ہو گی۔ شہداء کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی
جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اس سے آیت کے حکم کل نفس ذائقۃ
الموت کی تکمیل ہو سکے اور انھیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے اور زمین کا کوئی
گوشہ ایسا نہ ہو گا جس پر آل محمدؐ کی حکومت نہ ہو۔

حضرت امام مہدی کی مدت حکومت کیا ہو گی؟ اس کے متعلق سخت
اختلاف ہے۔ سات سال، نو سال، انیس سال اور بیس سال تک اقوال ہیں۔
اقوال علماء سے استنباط کر کے بیس سال کو ترجیح دی ہے۔ ہو سکتا ہے ایک سال
دس سال کے برابر ہو۔ غرض کہ آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ آپ کو غسل و
کفن دیں گے اور نماز پڑھ کر دفن فرمائیں گے۔ (چودہ ستارے)

جس طرح آپ پردۂ غیب میں ہیں اسی طرح آپ کے حالات بھی ایک

راز خدا ہیں اور جو ہمارا موضوع ہے اس پر زیادہ مواد نہیں مل سکا البتہ تین
چار روایتیں ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

جعفر کے غلام نسیم کا بیان

رواۃ کی ایک جماعت نے جعفر بن محمد بن قولویہ وغیرہ سے انھوں نے
محمد بن یعقوب کلینی سے انھوں نے علی بن قیس سے اور انھوں نے کسی شرطی
(سپاہی) سے روایت کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے سر من رائے میں نسیم
کو ابھی ابھی دیکھا کہ اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر کا دروازہ توڑا تو
وہ (امام زمانہ) اندر سے نکلے اور اس کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھ کر پوچھا تو میرے گھر
میں یہ کیا کر رہا ہے؟ نسیم نے کہا جعفر کا خیال ہے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا
اور انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اگر یہ آپ کا گھر ہے تو لیجیے میں واپس
جا رہا ہوں۔ (غیبۃ طوسی، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۵۲۱)

نسیم خادمہ کی چھینک پر دعا

مظفر علوی نے ابن عیاشی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے آدم
بن محمد بلخی سے انھوں نے علی بن حسن دقاق سے انھوں نے ابراہیم بن محمد علوی
سے روایت کی ہے۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام حسن عسکریؑ کی خادمہ نسیم نے
بیان کیا کہ میں حضرت صاحب الامرؑ کی ولادت کے بعد ایک شب آنجناب کے پاس گئی تو
مجھے آپ کے سامنے چھینک آگئی۔ اس پر آپ نے کہا یَرْحَمُکِ اللّٰہُ "اللہ تجھ پر رحم فرمائے"۔
یہ سن کر میں بہت خوش ہوئی تو آنجناب نے فرمایا میں تمھیں چھینک کے متعلق
خوش خبری سناؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں سنائیے۔ آپ نے فرمایا چھینک

تین دن تک موت سے امان کی علامت ہے۔ (اکمال الدین، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۵۴۱)

حسن بن وجنا نصیبی کی روایت

طالقانی نے علی بن احمد کوفی سے انھوں نے سلیمان بن ابراہیم رقی سے انھوں
نے حسن بن وجنا نصیبی سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حج کے
موقع پر بعد عشاء تحت میزاب سجدے کے عالم میں تضرع کے ساتھ دعا میں
مشغول تھا کہ کسی نے میرا شانہ ہلایا اور کہا اے حسن بن وجنا اٹھو! جب میں
اٹھا تو دیکھا کہ ایک نحیف الجثہ کمزور گورے رنگ کی کنیز ہے جس کا سن چالیس
سال یا کچھ زیادہ ہے۔ وہ مجھے لے کر چلی اور میں اس کے پیچھے چلنے لگا۔ میں
نے اس سے کچھ نہ پوچھا کہ کہاں لے جا رہی ہے یہاں تک کہ وہ مجھے خانۂ حضرت
خدیجہ علیہا السلام پر لے آئی۔ اس میں ایک گھر تھا جس کا دروازہ احاطہ کے
درمیان تھا وہیں سے اوپر جانے کے لیے ایک لکڑی کا زینہ تھا۔ وہ کنیز اوپر چلی
گئی اور مجھے آواز آئی اے حسن! اوپر آجاؤ۔ میں اوپر گیا تو وہاں صاحب الزمانؑ
تھے۔ انھوں نے فرمایا اے حسن! کیا تمھارا خیال ہے کہ تم میری نگاہوں سے اوجھل
تھے، خدا کی قسم میں حج میں ہر وقت تمھارے ساتھ ساتھ تھا۔ پھر آپ ہر ایک
موقع حج کی نشاندہی فرمانے لگے۔ یہ سن کر مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں وہیں
گر پڑا اور یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ آنجناب میرے جسم پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ کچھ
دیر بعد جب میں ہوش میں آیا تو آپ نے فرمایا اے حسن! تم مدینے میں حضرت
جعفر بن محمد کے مکان میں رہا کرو، تمھیں کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے
کی فکر کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے مجھے ایک کتابچہ دیا جس میں دعائے
فرج اور آپ پر صلوٰت کا طریقہ مرقوم تھا اور فرمایا تم اس طرح دعا کیا کرو اور

اسی طرح مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ دعائے فرج اور صلوات ہمارے حقیقی دوستوں کے علاوہ کسی اور کو نہ تعلیم کرنا، اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کی توفیق دی ہے۔

میں نے عرض کیا اے میرے مولا! کیا اس کے بعد مجھے آپ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ نے چاہا۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر میں حج سے واپس ہوا اور مدینہ میں جعفر بن محمد کے مکان میں رہنے لگا۔

(اکمال الدین، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۴۴-۵۴۳)

امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے عہد امامت کا آپ کے ایک خادم کی زبانی ایک واقعہ

کچھ لوگ اہل قم سے وکیل ہو کر حضرت کے پاس خطوط اور مال خمس لائے تھے۔ حضرت کے دفن کے بعد وہ مستفسر ہوئے کہ امام کا قائم مقام کون ہے؟ جعفر نے کہا میں ان کا بھائی اور جانشین ہوں۔ وکیلوں نے کہا ہم خطوط اور کچھ مال اہل قم کی طرف سے لائے ہیں لیکن جس طرح امام پہلے فرما دیتے تھے کہ فلاں فلاں کا مال اس تعداد اور اس رنگ کے کیسے میں ہے اسی طرح آپ بھی ہم کو خبر دیجیے تو ہم آپ کے پاس حاضر کر دیں اور آپ کو جانشین امام تصور کریں جعفر بگڑنے لگے اور کہا تم غلط کہتے ہو۔ امام عسکریؑ کو علم غیب نہیں تھا۔ سوائے خدا کے اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ وکلاء نے کہا ہم تو اسی شخص کو یہ مال دیں گے جو اسی دستور پر عامل ہوگا۔ غرض ناخوش ہو کر معتمد کے پاس شکایت لے کر گئے اور یہاں دولت سرا سے ایک خادم برآمد ہوا اور سب کا نام لے کر پکارا فلاں فلاں وکیل فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ یہ لوگ دوڑے۔ اس خادم نے کہا تمھارے امام نے خطوط اور اس قدر فرستادہ مال طلب کیا ہے

جو اس رنگ کے کیسوں میں ہے۔ وکیلوں نے کہا بیشک وہ ہمارا امام ہے جو اس طرح ہم سے طلب کرے۔ پھر وہ سب اس خادم کو دے کر پیام عرض کیا۔ خادم نے سب کے جوابات اسی وقت بتلا دیے۔ وکلاء رخصت ہو کر چلے تھے کہ ملازمین معتمد نے حکم شاہی سنایا کہ خلیفہ تم کو طلب کرتا ہے۔ جب معتمد کے پاس پہنچے، اس نے کہا وہ خطوط اور مال جعفر کو کیوں نہیں دیتے؟ وکیلوں نے کہا، ہم سب وکیل ہیں جو شرائط ہم کو صاحبان مال نے بتائے تھے وہ صفات ان میں نہیں ہیں، جن میں ہم نے وہ صفات پائے اس کو دے دیا۔ پھر خادم کا آنا اور مال کی تفصیل بیان کرنا نقل کر دیا۔ معتمد نے اپنے ملازمین کو بھیجا، حضرت کے دولت سرا کی تلاشی لی، وہاں کوئی نہ ملا۔ معتمد نے وکیلوں کی جامہ تلاشی لی، ان کے پاس بھی کچھ برآمد نہ ہوا۔ معتمد نے ان کو بھی چھوڑ دیا اور جعفر کو نکلوا دیا۔ (جواہر البیان ص ۴۳۲-۴۳۱)

مولا! آنکھیں آپ کے دیدار کے لیے ترس رہی ہیں۔ دنیا میں طاقتوروں نے کمزوروں پر مظالم کے پہاڑ گرا دیے ہیں، سرمایہ داروں نے غریبوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، جلد تشریف لائیے اور اس ظلم و جور سے معمور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیجیے اور اے نجات دہندۂ انسانیت! ان کمزور اور مجبور اللہ کے بندوں کو طاقتور خونخوار درندوں کے پنجۂ ظلم و ستم سے نجات دلائیے۔

(مولف)

کنیزی کے بارے میں اسلام کا نظریہ

دنیا میں افرادِ انسانی نے امتیاز باہمی کے معیار قائم کر لیے تھے۔ مادہ پرست دنیا مال و دولت کو سبب افتخار سمجھتی تھی، سلطنت و حکومت کو سبب عزت سمجھتی تھی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو کسی بڑے کی طرف انتساب کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ گورے رنگ والے کالے رنگ والوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے کسی خاص شخص کی اولاد میں ہونے والے دوسری نسل والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں چیزوں نے کمالات انسانی کو خاک میں ملا دیا تھا، انفرادی ترقیوں کے راستوں کو بند کر دیا تھا لیکن اسلام نے یہ کہہ کر کہ لافخر لعربی علی عجمی ولا لقرشی علی غیر القرشی کوئی فخر نہیں ہے عرب کو عجم پر نہ قرشی کو غیر قرشی پر۔ اسی طرح نسلی افتخار کو باطل کیا بعثت الی الاحمر والاسود میں سرخ و سیاہ سب کی طرف مبعوث ہوا ہوں، کسی کو کسی پر فخر نہیں ہے قرآن مجید نے نسلی امتیاز کو یہ کہہ کر باطل کیا اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ہم نے تم کو مختلف قبیلوں میں جو الگ الگ کیا ہے تو اس لیے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو یعنی ناموں کے اشتراک کی وجہ سے شبہ نہ ہو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ لیکن تم میں معزز سب سے زیادہ وہی ہے جو سب سے زیادہ فرض شناس ہو۔

اسلام بد اخلاقی، فساد، لاابالی پن سے روکتا ہے۔ اسلام کا نظریہ ہے کہ خدا

نے عورت و مرد کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ انسانی مدارج عالیہ اور روحانی کمالات حاصل کریں برخلاف تحریف شدہ توریت و انجیل کے کیونکہ یہودی و عیسائی کہتے ہیں ہزار آدمیوں میں ایک آدمی خدا کا محبوب پیدا ہوتا ہے لیکن پوری دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر لطف و کرم الٰہی کی بارش ہو سکے۔ (تمدن اسلام و عرب ص ۵۱۹ از کتاب مقدس) اور اسلام کھلے عام یہ اعلان کرتا ہے کہ مرد و عورت کو ایک دوسرے پر کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے۔ فضیلت و امتیاز کا مدار سب کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت، تقویٰ و پرہیزگاری اور حسن عمل ہے۔ قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا یعنی بخشش و جزا کا مژدہ دونوں کے لیے ہے۔

سورہ نمل آیت نمبر ۹۹ میں ارشاد ہوتا ہے "ہر اچھا کام کرنے والا مومن خواہ مرد ہو یا عورت کو پسندیدہ زندگی ضرور دوں گا اور اچھے کاموں کی بہترین جزا دوں گا۔" اسلام کی نظر میں عورت و مرد ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے ہیں۔ سورہ آل عمران آیت ۱۹۴ میں ہے "خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور کہا میں تم میں سے کسی کی خواہ مرد ہو یا عورت نیکی کو ضائع و برباد نہ کروں گا، تم لوگ ایک دوسرے سے ہو۔"

اسلام نے عورت کو معراج ترقی پر پہنچایا اور معاشرے میں اس کی حیثیت متعین کی اور اتنا بلند کیا کہ فرمادیا "جنت ماں کے پیر کے نیچے ہے۔" اسلام کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے بہت سے شاہی خاندان کے افراد نے غلامی اور کنیزی کے مراحل کو دامن اہل بیتؑ سے متمسک ہونے کا ذریعہ و وسیلہ بنایا اور خاندان اہل بیتؑ کی ایک فرد بن کر زندگی گزاری اور آخری دم تک اہل بیت طاہرینؑ کی خدمت کو ہی سبب عزت و افتخار سمجھا اور ان میں بہت سی معرفت شناس خواتین نے خود سے شاہی ٹھاٹ باٹ کو چھوڑا۔ مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں یا کسی بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت ہو کر خدمت محمدؐ و آل محمدؐ میں پہنچیں اور

اہل بیت طاہرینؑ نے ان کے ساتھ وہی حسن سلوک کیا جو پیغمبر اسلامؐ کا حکم تھا
آپ نے فرمایا کہ "بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافرہ ہی
کیوں نہ ہوں"۔ ہر قوم کے معزز لوگوں کا احترام کرنا چاہیے۔ آنحضرتؐ کے پاس
جب کسی قوم کی شریف زادیاں حاضر کی جاتی تھیں جن کا کوئی ولی نہ ہوتا اور
وہ کسی شخص سے منسوب کی جاتی تھیں تو آپ فرماتے کہ کیا تم برضا و رغبت شادی
کے لیے راضی ہو؟ اگر وہ شرم وحیا کی وجہ سے خاموش رہتیں تو ان کی خاموشی
کو ان کی اجازت سمجھ لیا جاتا تھا اور آنحضرتؐ ان کے احکام جاری فرما دیتے
تھے بصورت دیگر جب وہ انکار کر دیتیں تو ایسی عورتوں کو شوہروں کے
انتخاب کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔

قابل مبارکباد ہیں وہ باعظمت و احترام خواتین جنھوں نے اسلام و رہبران
اسلام کی معرفت تائید ایزدی سے حاصل کی اور عصمت کدہ حاصل کرنے کے
لیے قیدی ہونا اور فروخت ہونا گوارا کیا اور قربان ہوں جائیں ہماری ان معصوم
ہستیوں پر جنھوں نے ان آنے والیوں کے عزت و وقار کو اپنی زوجیت میں لے کر
نہ صرف باقی رکھا بلکہ ان کے بطن کو صدف نبوت و امامت قرار دیا۔ اس سلسلہ
میں ہم سب سے پہلے جناب ہاجرہ مادر جناب اسماعیل ذبیح اللہ جد سرور کائنات
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کرنے
کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

جناب ہاجرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کوثاریا
(عراق) میں پیدا ہوئے۔ مادر ابراہیم اور مادر لوط یعنی سارہ و ورقہ دونوں بہنیں

تھیں اور ان کے والد لاحج پیغمبر تھے مگر رسول نہ تھے۔ حضرت ابراہیم بچپن میں
اسی فطرت پر تھے جس پر خدا نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے یہاں تک کہ خدا نے
ان کو اپنے دین کی ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی خالہ زاد
بہن جناب سارہ جو لاحج پیغمبر کی نواسی تھیں، سے شادی کی۔ حضرت سارہ
صاحب مال و دولت خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنا تمام مال، زمین اور گلہ گوسفند
جناب ابراہیم کو دے دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی نگرانی میں ان کی اس جائداد اور
مال و دولت میں اتنا اضافہ ہوا کہ "کوثی ربی" میں ابراہیمؑ سے بہتر کوئی نہیں تھا۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑ ڈالا تو نمرود نے حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو
قید کر دیا جائے۔ آپ کے لیے ایک طویل و عریض گڑھا کھودا گیا، اس میں آگ
روشن کی گئی اور آپ کے ہاتھوں کو باندھ کر اس گڑھے میں ڈال دیا گیا لیکن
آگ بجھ گئی تھی اور ابراہیمؑ صحیح و سالم تھے۔ نمرود نے آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر
حکم دیا کہ ان کو ملک بدر کر دیا جائے مگر ان کا مال و اسباب روک لیا جائے جناب
ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر میرا مال و دولت تمھیں چاہیے تو میں نے جتنی عمر تمھاری
سرزمین میں مال و دولت حاصل کرنے میں صرف کی ہے اس قدر مجھے ساتھ
لے جانے دو۔ قضیہ قاضئ شہر کے پاس پہنچا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ جناب
ابراہیمؑ نے جس مال کے حاصل کرنے میں محنت کی ہے وہ ان کو دے دیا
جائے۔ چنانچہ نمرود کے حکم سے آپ کو آزاد کیا گیا اور مال و دولت ساتھ لے
جانے کی اجازت دی گئی۔ نمرود نے کہا کہ ان کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دو
اگر یہ تمھارے ملک میں رہیں گے تو تمھارے دین اور تمھارے خداؤں کو
نقصان پہنچائیں گے۔ جناب ابراہیمؑ اپنے خالہ زاد بھائی جناب لوطؑ اور اپنی
زوجہ جناب سارہ کے ساتھ جانب شام روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر آپ نے

فرمایا اِنّی ذَاھِبٌ اِلٰی رَبّی سَیَھدِیْن "میں اپنے پروردگار (بیت المقدس) کی طرف جارہا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا"۔ آپ نے جناب سارہ کو نامحرموں کی نظروں سے بچانے کی غرض سے ایک صندوق میں مقفل کر دیا تھا۔ جب آپ عرارہ نامی بادشاہ (جو قبطی تھا) کی سرزمین میں داخل ہوئے تو شاہی ٹیکس وصول کرنے والوں نے روکا اور تمام مال و دولت کے بعد جب صندوق کی نوبت آئی تو جناب ابراہیمؑ نے اس تابوت کو کھولنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کے بدلے جتنا سونا چاندی لینا چاہو لے لو مگر اسے مت کھولو مگر وہ لوگ نہ مانے اور جناب ابراہیمؑ کو صندوق کھولنے پر مجبور کر دیا۔ جیسے ہی مامورین میں سے ایک کی نظر جناب سارہ پر پڑی اس نے جناب ابراہیمؑ سے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری زوجہ اور میری خالہ زاد بہن ہے۔ اس نے سوال کیا تم نے صندوق میں کیوں چھپایا ہے؟ آپ نے جواب دیا چونکہ میری زوجہ ہے، مجھے یہ گوارا نہیں کہ اس پر کسی نامحرم کی نظر پڑے۔ اس شخص نے جناب ابراہیم سے کہا میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک بادشاہ کو اس کی خبر نہ کر دوں۔

چنانچہ بادشاہ سے واقعہ کسی نے جاکر بیان کیا، ابراہیمؑ کو مع صندوق کے بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ بادشاہ نے صندوق کو کھولا اور اپنا ہاتھ جناب سارہ کی طرف بڑھایا۔ جناب ابراہیمؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا فرمائی "اے خدا اس کے ہاتھ کو سارہ کی طرف بڑھنے سے باز رکھ"۔ جناب ابراہیمؑ کی دعا مستجاب ہوئی، بادشاہ کا ہاتھ شل ہوگیا۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اس نے پوچھا تیرے خدا نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں۔ میرا خدا غیور ہے، وہ حرام کام کو ناپسند کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اپنے خدا سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ اصل حالت پر آجائے تاکہ میں دوبارہ تمھارے حرم

کی طرف نہ اٹھاؤں۔ جناب ابراہیمؑ نے دعا فرمائی، اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا لیکن اس نے پھر جناب سارہ کی طرف دست درازی کی۔ جناب ابراہیمؑ نے دوبارہ نفرین کی اور اس کا ہاتھ پھر خشک اور بے حرکت ہوگیا۔ اس نے پھر ابراہیمؑ سے درخواست کی اور کہا واقعاً تمھارا خدا غیور ہے اور تم مرد غیرتمند ہو، اپنے خدا سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ درست ہوجائے، اب میں یہ حرکت نہیں کروں گا۔ جناب ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا سے اس شرط پر دعا کرتا ہوں کہ ہاتھ درست ہونے کے بعد اگر پھر تم نے اس حرام کام کا قصد کیا اور تمھارا ہاتھ خشک ہوگیا تو مجھ سے دعا کرنے کی درخواست نہ کروگے۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی۔ جناب ابراہیمؑ نے دعا فرمائی اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا تو بادشاہ پر اس معجزہ کا بہت اثر ہوا۔ جناب ابراہیم کی ہیبت اس کے دل میں بیٹھ گئی، اس نے آپ سے کہا: آپ امان میں ہیں، آپ کا تمام مال و دولت اور آپ کی زوجہ آپ کی ہیں، آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں۔ مگر میری آپ سے ایک حاجت ہے۔ جناب ابراہیمؑ نے فرمایا وہ کیا؟ اس نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ایک خوبصورت کنیز آپ کی زوجہ کی خدمت کے لیے دوں؟ جب حضرت ابراہیمؑ نے اجازت دی تو (جناب ہاجرہ) جو جناب اسمٰعیل کی ماں ہیں جناب سارہ کو بخش دیا اور جناب ابراہیمؑ جناب سارہ وہاجرہ اور اپنے مال واسباب کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔ بادشاہ نے آپ کو تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت ابراہیمؑ شام آئے اور شمالی شام میں سکونت اختیار کی اور جناب لوط جنوبی شام میں رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ جناب سارہ سے اولاد نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ ہاجرہ کو میرے ہاتھ فروخت کردو، ہوسکتا ہے خدا مجھے اس سے صاحب اولاد بنادے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ خود جناب سارہ

نے جب جناب ابراہیمؑ کو دیکھا کہ انھیں اولاد کی تمنا ہے اور ان کی شادی کو عرصہ
دراز ہوگیا ہے اور ان کے بطن سے اولاد نہیں ہوتی ہے تو ہاجرہ کو اپنے شوہر
ابراہیمؑ کو بخش دیا کہ آپ اس سے ہمبستر ہوں، شاید خداوند عالم آپ کی تنہائی
کو دور فرمائے اور نعمت اولاد سے سرفراز فرمائے۔ چنانچہ جناب ہاجرہ کے
بطن سے خداوند عالم نے آپ کو جناب اسمٰعیلؑ فرزند عطا کیا۔ (حیات القلوب
جلد اول، تاریخ انبیاء مصنفہ ہاشم رسولی محلاتی)

جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے سوتنوں میں ایسے موقعوں پر نہیں بنا
کرتی۔ حضرت سارہ حالانکہ خاندان نبوت سے تھیں لیکن جناب ہاجرہ سے
جلتی تھیں۔ خداوند عالم نے جب جناب ہاجرہ کو اسمٰعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا
سارہ اس وقت تک بے اولاد تھیں، وہ جناب ہاجرہ کی صورت دیکھنے کی
روادار نہ رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ یہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر اس خیال سے
چپ رہتے تھے، اول تو سارہ قریبی رشتہ دار تھیں پھر خاندان نبوت سے
تھیں، بار بار سمجھاتے رہتے تھے لیکن سارہ کے دل کو ان کی بات ہی نہ لگتی تھی۔
آخر ایک دن جناب ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہ کو کہیں اور لے جاکر رکھو، میں ان
کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ حضرت ابراہیم سخت متردد تھے، وحی ہوئی اے
ابراہیمؑ! عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی ہے، اگر زیادہ دباؤ گے تو ٹوٹ
جائے گی چھوڑے رہو گے تو کلیجہ میں گھستی رہے گی۔

الغرض وحی الٰہی کے مطابق جناب ابراہیمؑ ہاجرہ کو وہاں سے منتقل کرنے
پر تیار ہوئے۔ سارہ کی سخت دلی دیکھیے کہ شرط لگادی کہ اونٹ سے اترنا
نہیں، کسی جگہ اس کو بٹھا کر چلے آنا۔ ابراہیمؑ ارض حجاز پر آئے اور جہاں خانہ
کعبہ ہے اس کے قریب ایک سنسان جگہ میں حضرت ہاجرہ کو بٹھا کر

واپس آگئے۔ خدا کو چونکہ اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا لہٰذا ابراہیم کو ٹوکا نہیں
حضرت ابراہیمؑ کے جانے کے بعد جناب ہاجرہ نے دو درختوں کے درمیان چادر
تانی اور اس کے سایہ میں اپنے بچے کو لے کر بیٹھ گئیں۔ کہاں ہیں دنیا میں ہاجرہ
جیسی بی بیاں شوہر کی شکایت میں ایک حرف زبان پر نہ آیا جو حکم خدا تھا،
اس پر راضی رہیں۔ کچھ سفر کی صعوبت، کچھ حجاز کی سخت گرمی سے سخت
پریشان تھیں۔ وہاں نہ آدم نہ آدم زاد، کس سے معلوم کریں کہ یہاں پانی کہاں
ہے۔ حضرت اسمٰعیل پیاس سے تڑپ رہے تھے گھبرا کر کوہ صفا پر آئیں
کہ اگر پرندوں کو اڑتا دیکھیں تو پتہ لگائیں کہ یہاں پانی کا کوئی چشمہ ہے۔ جب
کچھ نظر نہ آیا تو وہاں سے مروہ پہاڑ پر چڑھیں، وہاں بھی کوئی نشان نہ پایا۔ اس
طرح سات مرتبہ کوہ صفا و مروہ پر چڑھیں مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔ ان کے
اسی عمل کی تاسی میں کوہ صفا سے مروہ تک ایام حج میں سات بار سعی کی جاتی
ہے۔ بہرحال مایوس ہو کر پلٹیں تو دیکھا کہ بچہ کی ایڑیوں کے نیچے پانی زن زن
کرتا ہوا ابل رہا ہے۔ خدا کا شکر بجا لائیں، یہی چشمہ تھا جو آگے چل کر ایک
کنواں بنا اور چاہ زمزم کہلایا۔ قبیلہ جرہم کا ادھر سے گزر ہوا تو پرندوں کو
اڑتا دیکھا، سمجھ گئے کہ یہاں پانی کا کوئی چشمہ ہے۔

الغرض یہ قبیلہ وہاں آکر بس گیا اور جناب ہاجرہ کی تنہائی دور ہوئی، جوان
ہونے پر اسی قبیلہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ہوئی۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی
گئی تو مکہ جیسا شہر بس گیا۔ ابراہیمؑ کی دعا میں اس کی طرف اشارہ تھا کہ میں
نے غیر آباد مقام پر اپنی اہل و عیال کو بسایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ تھوڑے تھوڑے
وقفے کے بعد جناب ہاجرہ کی خیر خبر کو آتے رہتے تھے۔ جناب سارہ کے
انتقال کے بعد مستقل سکونت یہیں اختیار کر لی۔ حضرت اسحاقؑ اور ان کی

اولاد مستقلاً وہیں شام میں رہی۔ (قصص القرآن مصنفہ مولانا سید ظفر حسن امروہوی)

جناب ہاجرہ نے خدا کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا، سفر کی صعوبتیں اٹھائیں، اپنی سوتن کی اذیتوں کو برداشت کیا، بیابان جنگل میں آئیں، خدا نے ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ ان کے عمل کو قیامت تک کے مسلمانوں کے اوپر واجب قرار دیا، ان کے فرزند کو ذبیح اللہ کا خطاب عطا فرمایا، ان کے فرزند نے خدا اور باپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا تو اسی دن سے اپنے دین کا نام اسلام رکھ دیا مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے جنھوں نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

جناب ہاجرہ نے بھی اس موقع پر جب قدرت نے ان کا امتحان لیا تو باپ بیٹوں کی طرح صبر کا مظاہرہ اس وقت فرمایا کہ جب شیطان ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو بہکانے میں ناکام ہوگیا تو ماں کے پاس آیا تو ماں نے جواب دیا کہ ابراہیمؑ خدا کے نبی ہیں، اگر وہ لے بھی جا رہے ہیں تو حکم خدا ہوگا اور میں حکم خدا کے سامنے سر بسجود اور اس کی مرضی پر راضی ہوں۔ تین جگہ حج کے موقع پر جو پتھر مارے جاتے ہیں۔ یہ وہی تین مقام ہیں جہاں شیطان نے بہکانے کی کوشش کی تھی۔ اللہ نے ابراہیمؑ کی قربانی قبول کی، جنت سے دنبہ آیا اور اس کی تاسی میں آج لاکھوں جانور قربان کیے جاتے ہیں۔ یہ امتحان میں کامیابی جہاں اسمٰعیلؑ و ابراہیمؑ کی ہے وہاں اس خلیل اللہ کی صابرہ زوجہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ کی ماں جس نے اپنے بچے کو حق پر قربان ہونے کی تربیت دی، کی بھی یقیناً عظیم کامیابی ہے۔ جناب ہاجرہ کے اس فرزند نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ اللہ نے ہمیشہ کے لیے اپنے اس گھر کا طواف حاجیوں پر واجب قرار دیا۔ جناب ہاجرہ خانہ کعبہ کے نزدیک حجر اسمٰعیلؑ میں

میں دفن ہیں۔

قربان جائیں جانیں ہماری اس بی بی پر جو کنیز بن کر خلیل اللہ کے گھر میں آئیں مگر قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی گردنوں کو اپنی عظمتوں کے سامنے خم کر دیا۔ ان پاک بی بی پر ہم غلاموں کی جانب سے ہزاروں سلام۔

ام ایمن

نام و نسب

آپ کا نام برکہ، ام الضیاء عرفیت اور ام ایمن کنیت تھی۔ والد کا نام ثعلبہ بن عمرو بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ مکہ میں کب اور کیسے آئے اس سلسلہ میں تاریخ کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی اور آپ کی کنیت آپ کے بڑے بیٹے ایمن کے نام پر تھی۔ آپ جناب عبد المطلب اور پھر جناب عبد اللہ کی کنیزی میں رہیں۔ جناب آمنہ والدۂ ماجدۂ رسول اکرمؐ کی خدمت کرتی رہیں اور آخر میں وراثتاً جناب رسالتمآبؐ کے پاس آئیں تو آنحضرتؐ نے انھیں آزاد کر دیا۔

جب جناب آمنہ نے مکہ سے مدینہ سفر کیا تو آپ ان کے ساتھ تھیں، جب جناب آمنہ نے ایک ماہ مدینہ میں قیام کیا اور مدینے سے واپس ہونے لگیں تو مقام ابوا میں جو مدینہ سے ۲۲ میل دور مکہ کی جانب واقع ہے، انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ کی خادمہ ام ایمن آنحضرتؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔

آزاد کرنے کے بعد ان کا پہلا عقد عبید بن زید حزامی سے ہوا۔ شوہر و زوجہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان سے ایک صاحبزادے ایمن پیدا

ہوئے جن کی وجہ سے ان کی کنیت ام ایمن قرار پائی ۔ رسول اکرمؐ ان کی خدمات اور اخلاص کی وجہ سے ان سے بہت محبت کرتے تھے ۔ ان کی بیوگی کا زمانہ آنحضرتؐ کے لیے بھی بہت تکلیف دہ تھا ۔ چنانچہ ایک روز مجمع میں اعلان فرمایا جو شخص جنتی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ ام ایمن سے شادی کرلے ۔ چنانچہ زید بن حارثہ نے عقد کیا ۔ ۳ھ بعثت میں آپ ہی کے بطن سے جناب اسامہ پیدا ہوئے جو سیاہ رنگ میں اپنی ماں سے مشابہ تھے ۔ ان کے پیدا ہونے پر آپ ام اسامہ بن زید ہوئیں ۔

جناب اسامہ رسولؐ کے عظیم صحابی تھے اور انھیں آخری وقت لشکر کی سرداری عطا فرمائی تھی اور بجز امیر المومنینؑ تمام صحابہ مع ابو بکر و عمر وغیرہ کے ان کا تابع بنایا تھا اور فرمایا تھا جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہے ۔ یہ لوگ پلٹ آئے اور خدا کی لعنت کو اپنے حق میں مضر نہیں سمجھا ۔ منقول ہے کہ جب ابو بکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ نے بکمال عتاب ان سے خطاب کیا کہ رسولؐ خدا نے مجھ کو تم پر امیر قرار دیا تھا یہ آپ کو کس نے مجھ پر خلیفہ بنایا ؟ رسولؐ نے جس کو خلیفہ بنایا وہ علیؑ بن ابی طالب ہیں ۔ آخرکار عمر و ابو بکر اسامہ کے پاس پہنچے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کیا اور اپنی عمر بھر ان کو امیر کہا کرتے تھے ۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب ابو بکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ کو اسی لشکر کے ساتھ جو پیغمبرؐ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا، شام کی طرف جانے کا حکم دیا ۔ اسامہ نے کہا پیغمبر خدا نے جن جن لوگوں کو میرے لشکر میں شامل کیا تھا اور روگردانی کرنے پر لعنت کی تھی وہ سب کے سب میرے ساتھ چلیں تو البتہ میں جاؤں گا جن میں سے ایک آپ اور دوسرے عمر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو میرے یار و مددگار ہیں ۔ ابو بکر کو اس سبب سے رنجش پیدا

ہوئی اور انھوں نے اسامہ بن زید کو معزول کر کے خالد بن ولید کو ان کی جگہ پر منصوب کیا اور بجانب شام روانہ کیا ۔ (مواقف المومنین ص ۳۵۴)

(ان کے مفصل حالات گذشتہ صفحات پر بیان کیے جا چکے ہیں، ملاحظہ فرمائیں ۔ مولف)

کفار کے شدائد جب حد سے زیادہ ہو گئے تو ۵ھ بعثت میں گیارہ مردوں اور چار خواتین نے اور ۶ھ بعثت میں تراسی (۸۳) مردوں اور اٹھارہ خواتین نے حبشہ کی جانب حکم نبی سے ہجرت کی انھیں میں جناب ام ایمن بھی تھیں ۔ انھوں نے کئی سال تک حبش میں قیام کیا اور جب آنحضرتؐ کے مدینہ منورہ ہجرت کی خبر ملی تو وہ مدینہ واپس آئیں ۔ ۳ھ میں جنگ احد میں انھوں نے اپنے کو ان خدمت گزاروں میں شامل کر لیا جو فوجیوں کی خدمت اور مریضوں کی تیمارداری کے لیے جنگ میں جاتی تھیں ۔ جنگ خیبر میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے اور جنگ حنین میں تو ماں اور بیٹے دونوں نے شرکت کی تھی ۔ جناب ایمن اسی میں شہید ہوئے، ماں نے نہایت صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور ایمن نے فرزند حجاج کی اس طرح تربیت کی کہ ان کا شمار فضلائے مدینہ میں ہونے لگا تھا ۔ آپ کے شوہر جناب زید بن حارثہ جنگ موتہ میں اسلام کی جانب سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے ۔ جناب ام ایمن نے بیوگی کا زمانہ دیکھا لیکن باکمال فرزند اسامہ اور پیغمبرؐ اسلام نے انھیں تسکین دی اور پھر انھوں نے پوری زندگی خدمت رسولؐ و آل رسولؐ میں گزار دی ۔

جناب آمنہ کی وفات کے بعد پیغمبرؐ اسلام کی پرورش جناب ام ایمن نے ہی کی تھی اور پیغمبر اسلام بھی آپ سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اور آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے ۔ جب جناب عبدالمطلب کو واقعہ کی خبر ملی تو آپ

نے ام ایمن سے فرمایا کہ تم میرے فرزند کی پرورش کرنا اور پوری طرح اس کی حفاظت کا خیال رکھنا کیونکہ تمام اہل کتاب اس کے دشمن ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہی اس امت کا نبی ہے۔ (تاریخ الانبیاء مولفہ حاج سید ہاشم رسولی محلاتی ص ۶۷)

جناب ام ایمن کو اس فضیلت و شرف کے ساتھ کہ آپ نے آنحضرتؐ کو پرورش کیا اور آنحضرتؐ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے، یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آزاد ہونے کے باوجود ہمیشہ خود کو محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ عقد جناب معصومہ کے موقع پر ان کی گرانقدر خدمات قابل ذکر ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد انھوں نے در سیدہ سے وابستگی باقی رکھی۔ فدک کے مسئلہ میں امیرالمومنینؑ کے ساتھ آپ ہی نے گواہی دی تھی کہ یہ فاطمہ زہراؑ کا مال ہے اور آنحضرتؐ نے اپنی حیات ہی میں اس پر انھیں قبضہ دے دیا تھا۔

آپ بڑی فضیلتوں کی حامل خاتون ہیں۔ شہزادئ کونین جناب فاطمہ زہراؑ کو عورتوں میں سب سے زیادہ جناب ام ایمن پر اعتماد تھا۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو ام ایمن نے عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ میں نہیں رہیں گی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی جہاں بنت رسولؐ رہا کرتی تھیں اس لیے وہ آپ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ میں رہنے لگی تھیں۔ جب آپ مکہ کو جارہی تھیں تو راستہ میں ایک مقام پر آپ کو سخت پیاس کا غلبہ ہوا چاروں طرف پانی کی تلاش میں اتنا دوڑیں کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ مگر پانی دور دور تک کہیں نظر نہیں آیا۔ انھوں نے اسی کرب و بے چینی کے عالم میں آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی، خدایا!

میں صدمۂ عطش میں مبتلا ہوں درآنحالیکہ میں تیرے رسولؐ کی لخت جگر فاطمہ زہراؑ کی خادمہ ہوں، کیا میں پیاسی مرجاؤں گی اور مجھے پانی نصیب نہ ہو سکے گا خدایا مجھے پلا دے۔ دعا ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے ایک ڈول (آب جنت) نازل ہوا جسے پینے کے بعد سات سال تک پانی اور کھانے کی احتیاج باقی نہ رہی۔

علامہ ابن بابویہ الصدوقؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دن ام ایمن کے ہمسایہ کے کچھ لوگ سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضورؐ! کل رات سے صبح تک ام ایمن برابر رو رہی ہیں اور کسی طرح ان کا رونا نہیں تھمتا۔ آنحضرتؐ نے انھیں طلب کیا اور فرمایا اے ام ایمن! خدا تمھاری آنکھوں کو نہ رلائے، تمھارے ہمسایہ کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ تم رات سے صبح تک روتی رہیں آخر اس رونے کا سبب کیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ بلاشبہ آنحضرتؐ کو سب کچھ معلوم تھا مگر خود ام ایمن کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔ جناب ام ایمن نے خواب کی تفصیل بیان کی یا رسولؐ اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کٹ کر میرے گھر میں آگیا ہے، یہ خواب دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گئی ہوں۔ خواب سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا ام ایمن! یہ خواب تو بہت ہی مبارک ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہؑ زہرا کے یہاں ایک فرزند کی ولادت ہوگی جو تمھاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ چنانچہ جب امام حسینؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساتویں روز ام ایمن بچہ کو چادر میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے مرحبا بالحامل والمحمول اس بچہ گود میں لینے والی اور خود بچہ

دونوں مبارک ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے ام ایمن ھذا تاویل رؤیاک یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔

ام ایمن کی یہ عجیب خصوصیت وفضیلت ہے کہ آپ نے خود آنحضرتؐ کی بھی تربیت کی اور آپ کے نواسہ کی بھی پرورش کی۔ اس طرح ایک ایسا عظیم شرف حاصل کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

محمدؐ وآل محمدؐ کی خدمت میں رہ کر انھوں نے اپنے آپ کو علم واخلاق سے ایسا مزین کیا تھا کہ بہت سی احادیث کو بھی آپ نے بیان فرمایا ہے بلکہ بعض روایتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح جناب خدیجہ کافی اسرار اعلام کی حامل تھیں اسی طرح ام ایمن بھی اس علم سے باخبر تھیں۔ چنانچہ آپ کی ایک روایت کے بارے میں جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے کہ یہ ہمارے علوم مخزونہ میں سے ہے۔ یہ روایت کچھ اس طرح ہے زینب کبریٰ نے کربلائے معلّیٰ میں حضرت سید الساجدین سے اس وقت بیان کیا جب امام سید الشہداء کی شہادت، غربت اور بیکسی کو دیکھ کر بے چین ہوئے تھے اور قریب تھا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے اس وقت جناب زینب نے حدیث کو بیان فرمایا جس میں پیشین گوئیاں ہیں اور ان میں کی بہت سی باتیں پوری بھی ہو چکی ہیں۔ اس میں بے مزار شہداء کے لیے قبہ جات کا بننا، شان وشوکت کے ساتھ ان کا آباد ہونا، زائرین کی کثرت، زیارت کا ثواب، مزاروں کی خدا کی جانب سے حفاظت اور قیامت تک ان کا مرجع الخلائق ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کی وفات ۲۴ھ میں ہوئی۔

ماریہ قبطیہ رضؓ

نام ونسب

آپ کا نام ماریہ اور کنیت ام ابراہیم تھی۔ آپ کے والد شمعون (استیعاب ج۲ ص ۷۶۱) اور ماں رومیہ تھیں (اصابہ ج۸ ص ۱۸۵) قبطی خاندان سے تھیں اس لیے آنحضرتؐ نے فرمایا استوصوا بالقبط خیرا فان لهم ذمة ورحما خاندان قبط کے بارے میں تم کو نیکی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ان سے سلسلہ رحم وذمہ ہے۔ یعنی والدہ ماجدہ حضرت ابراہیم (فرزند رسولؐ) اور والدہ ماجدہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ دونوں اسی خاندان سے ہیں۔ (طبقات ج۸ ص ۱۵۴)

وطن

آپ مصر کے ایک ضلع انصا یا انص کے ایک گاؤں جفن کی رہنے والی تھیں۔ (طبقات ج۸ ص ۱۵۴)

اسلام لانے سے قبل کا مذہب

آپ اور آپ کی بہن سیرین کے متعلق اگرچہ رجال وسیر کی عام کتابوں میں اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں لیکن بعض قرائن کی بنا پر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔ پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے۔ چنانچہ زرقانی نے ماریہ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نسبة الی القبط ای نصاری

مصر قبطی مصر کے عیسائی تھے۔

حالات

رسولؐ خدا نے ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد صدائے اسلام کو دور دراز رہنے والے صاحبان عقل و شعور تک پہنچانے کے لیے مختلف علاقوں میں خطوط بھیجے۔ ہر دور میں خطوط پہنچانے کا ذریعہ قاصد ہوا کرتے تھے چنانچہ آپ نے خدیو اسکندریہ کو بھی خط کے ذریعہ دعوت اسلام دی اور اس خط کو لے کر حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رسولؐ گئے۔ مقوقس نے خط پڑھا، حقانیت سے آگاہ ہوا لیکن حکومت کے جالوں نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ظاہر بظاہر روک دیا۔ دل کسی نہ کسی حد تک مائل ہوا، قاصد رسولؐ کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور انھیں عزت و شان سے واپس کیا اور بطور تحفہ ماریہ کو دیگر تحائف کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ کا ایک چچازاد بھائی مابور اور ایک بہن سیرین بھی ہمراہ تھیں۔ آنحضرتؐ نے سیرین کو حسان بن ثابت اپنے مداح شاعر کو بخش دیا تھا جس سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔ (طبقات ج ۸ ص ۱۵۳) ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ جناب ماریہ اور ان کی بہن سیرین کو حاطب ہی نے مشرف بہ اسلام کیا اور مابور آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر اسلام لائے۔ یہ ہدایا ۷ھ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ آنحضرتؐ نے پہلے ماریہ کو حارثہ بن نعمان کے مکان میں جگہ دی پھر اس کوٹھے پر جو مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے حضرت ماریہ پر پردہ فرض کیا گیا تھا اور آپ کے بھائی مابور کے علاوہ کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۵۸)

نواب زادہ الحاج سید جعفر علی خاں اثر مرحوم رامپوری نے جناب ماریہ کو

اس وقت تک جب کہ آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوئی ہیں، باکرہ ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ہدیہ یا تحفہ جو ایک طرح سے قریب قریب ہم معنی ہو جاتے ہیں، ہدیہ کئی طرح سے پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ بڑا چاہت کے ساتھ کسی چھوٹے کو ہدیہ بھیجتا ہے، اس کی سب سے اعلیٰ مثال اللہ کا اپنے رسولؐ پر درود بھیجنا ہے ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی الخ۔

۲۔ دو برابر کی شخصیتیں ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتی ہیں۔

۳۔ کوئی چھوٹا کسی بڑے کو ہدیۃً کوئی چیز پیش کرتا ہے۔

۴۔ کوئی میزبان اپنے مہمان کو ہدیۃً کوئی چیز دیتا ہے۔

ان چاروں قسموں کے لیے کچھ وجوہ بھی ہوتے ہیں۔

(الف) عزت افزائی کرنا (ب) کسی کو خوش کرنا (ج) کسی سے منفعت حاصل کرنے کے لیے وہ دینی ہو یا دنیوی (د) از راہ تملق و خوشامد۔

بہر حال شاہ مقوقس والئ مصر و اسکندریہ نے جو ہدیہ جناب ماریہ قبطیہ کو سرور کائنات کے حضور میں بھیجا وجہ اول کے علاوہ چاروں وجوہ میں سے ایک وجہ قرار پا سکتی ہے۔ ہدیہ یا تحفہ عمدہ شے ہوتی ہے۔ کوئی بدشکل یا بدخلق یا غیر باکرہ کنیز تو ہدیۃً آنحضرتؐ کے حضور میں پیش کرنا سمجھ میں نہیں آتا اور تاریخ میں ہدیہ لکھا ہے۔ لغت عرب میں ہدیہ چوپائے قربانی کے جانور کو بھی لکھا ہے۔ وہ بھیڑ ہو یا بکرا، اونٹ ہو یا دنبہ سب کے لیے شرط یہ ہے کہ اس چوپائے میں کوئی نقص نہ ہونا چاہیے اور یہاں آنحضرت کو ہدیہ میں ماریہ قبطیہ بھیجی جاتی ہیں، اگر کنواری نہ ہوں، خوبصورت نہ ہوں یا با خلق نہ ہوں تو ہدیۃً بھیجنے میں نقص ہی نقص رہ جائے گا۔ تاریخ میں مقوقس کا نام لسا ہے اور

یہ بھی ملتا ہے کہ یہی مقوقس سرکار کو ہدیے اور تحفے بھیجا کرتا تھا۔ تو جان لیجیے کہ یہ کام حضورؐ کو خوش کرنے کے لیے یا کسی منفعت حاصل کرنے کے لیے یا پھر از راہ تملق مگر زیادہ تر یہ کہ از راہ عقیدت کیا کرتا تھا۔ (ہفت روزہ سرفراز لکھنؤ جلد ۵۱، ۲۵ فروری ۱۹۷۳ء نمبر ۲)

اور مولوی شبلی نے جناب ماریہ کا آنحضرتؐ کی نکاحی ازواج میں ہونے پر استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عزیز مقوقس کو حضرت رسولؐ خدا نے ایک خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا لمحمد بن عبد اللہ من مقوقس عظیم القبط سلام علیك اما بعد فقد قرأت کتابك و فهمت ما ذکرت فیه و ما تدعوا الیه وقد علمت ان نبیا سیاتی وکنت اظن ان یخرج من الشام وقد اکرمت رسولك و بعثت الیك بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم وکسوة و اهدیت الیك والسلام علیك

ترجمہ: محمدؐ بن عبداللہ کے نام رئیس قبط کی طرف سے سلام کے بعد! میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون و مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور فرمائے گا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم) بہت عزت ہے۔

جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی۔ ارباب سیر نے ماریہ قبطیہ کو کنیز ہی کہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابتدا میں آپ کنیز رسولؐ تھیں لیکن صاحب اخلاق رسولؐ نے انھیں آزاد کیا اور ان سے عقد کر کے دوسری تمام ازواج

لہ بغلة لترکبها

جیسا مرتبہ عطا فرمایا۔ آنحضرت انھیں بے حد عزیز رکھتے تھے اور ان کے صفات وخصوصیات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی یہ کہ مصریوں میں ان کی بڑی عزت ہے، یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جا سکتے (مگر قبلاً لونڈی نہ رہی ہوں) پیغمبر کے لیے بطور کنیز پیش کی گئی ہوں اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ صاحب خلق عظیم کا کردار ہے کہ انھوں نے اس عزت کو ان کی باقی رکھا جو ان کے وطن میں تھی اور نکاح کے بعد اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

باایں ہمہ عزیز مصر ایمان نہیں لایا۔ دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم رسولؐ میں داخل ہوئیں، دوسری سیرین تھیں جو حسان کے ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جن کو آنحضرتؐ نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں بہنیں خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ دونوں خاتون لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں اس لیے آنحضرتؐ نے ماریہ قبطیہ سے نکاح کیا ہو گا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۷۲)

مولوی شبلی کی اس عبارت سے دو باتوں کا انکشاف ہوا:

(۱) ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ شاہ مقوقس کی طرف سے بھیجا ہوا بہترین ہدیہ تھا اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ تھا۔ مولوی شبلی کے مزاج وطبیعت نے ان کے لونڈی ہونے کو بھی قبول نہیں کیا ہے اس لیے کہ یہ بھی ان کے شرف میں ایک کمی کا سبب ہوتا ہے تو پھر وہ ان کے بیوہ ہونے کو کب قبول کر سکتے ہیں؟۔

ظاہر ہے مولوی شبلی ماریہ قبطیہ کو باکرہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) جناب ماریہ قبطیہ آنحضرتؐ کے حرم میں نکاح کے بعد داخل ہوئیں۔
حکیم سردار محمد خاں نشاط نے بھی جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے اور لکھا ہے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضورؐ نے ماریہ قبطیہ سے نکاح کیا ہوگا کیونکہ عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی غلام یا لونڈی حضورؐ کے قبضہ میں آتا تو آپ اسے آزاد فرما دیتے نیز شاہ مصر کے خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں ماریہ قبطیہ اور سیرین لونڈیاں نہ تھیں بلکہ ان کی قبطیوں میں خاص عزت تھی۔ (ازواج النبی مولفہ محمد سردار خاں نشاط ص ۱۱۵)

اب اس تحقیق کے بعد حضرت عائشہ کو کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ یہ فرمائیں کہ "کسی باکرہ لڑکی کو زوجیت آنحضرتؐ کا شرف سوائے میرے حاصل نہ ہوا۔ حبیب السیر ج۱ ص ۴۲۴، عائشہ ترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۲۹)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ جناب ماریہ نہایت حسین و جمیل تھیں۔ آنحضرتؐ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے ازواج نبی میں جس قدر رشک و حسد ماریہ قبطیہ سے تھا اتنا کسی سے نہ تھا۔ اس لیے کہ وہ نہایت حسین و جمیل تھیں اور آنحضرتؐ ان کو چاہتے تھے۔ (طبقات ج۸ ص ۱۵۳ و اصابہ ج ۸ ص ۱۸۵)

آپ کے بطن سے حضرت ابراہیم ذی الحجہ ۸ھ کو پیدا ہوئے۔ سلمیٰ خادمہ نبیؐ نے قابلہ کے فرائض انجام دیے اور ابو رافع شوہر سلمیٰ نے مژدۂ ولادت دیا حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور یا ابا ابراہیم کہہ کر سلام کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵)

انس سے روایت ہے کہ صبح کو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج شام کو میرے

یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے، اس کا نام میں نے اپنے جد ابراہیمؑ کے نام پر رکھا ہے پھر آپ نے ابراہیم کو ام سیف کے حوالہ کر دیا اور وہ مدینہ کے ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ حضرت ابراہیم کا عقیقہ آپ نے ان کی پیدائش کے ساتویں دن کیا تھا اور ان کا نام بھی ساتویں دن رکھا تھا۔ ان کے بالوں کے ہموزن چاندی آپ نے خیرات کی تھی اور لوگوں نے ان کے بال دفن کر دیے تھے۔ پھر ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے ام سیف کے حوالہ کر دیا تھا جو مدینہ کے ایک لوہار کی بیوی تھیں جس کا نام ابو سیف۔ اور زبیر نے کہا ہے کہ انصار میں باہم یہ جھگڑا ہوا کہ حضرت ابراہیم کو دودھ کون پلائے؟ وہ چاہتے تھے کہ جناب ماریہ کو رسولؐ کی خدمت کے لیے رہنے دیں، ان سے دودھ پلانے کی خدمت نہ لیں اس لیے کہ حضرت کو ان سے محبت تھی۔ پھر ام بردہ آئیں جن کا نام خولہ بنت منذر تھا جو برار بن اوس کی زوجہ تھیں، انھوں نے رسولؐ سے ان کے دودھ پلانے کے لیے کہا چنانچہ وہ ابراہیم کو دودھ پلایا کیں۔ رسولؐ نے ام بردہ کو کچھ درخت چھوارے کے دیے تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج۱ ص ۵۰)

آنحضرتؐ جناب ابراہیم سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک روز ابراہیم اور امام حسین دونوں حضرتؐ کے زانوئے مبارک پر تشریف فرما تھے کہ جبرئیل امین آئے اور عرض کی کہ مصلحت الٰہی یہی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تصدق فرما دیجیے۔ آنحضرت نے کہا کہ اگر حسینؑ کو ابراہیم پر فدیہ کروں تو علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور خود مجھے غم ہوگا اور اگر ابراہیم کو حسینؑ پر فدیہ کروں تو صرف مجھ کو غم ہوگا۔ چنانچہ آپ نے ابراہیم کو حسینؑ پر فدیہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرما دیا۔ چند ہی روز میں حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا۔ حضرت فضل بن عباس نے غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

واقدی کا کہنا ہے کہ وفات کے وقت ابراہیم اٹھارہ مہینے کے تھے ابراہیم کی موت پر آپ فرماتے تھے اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی پر بہت رنجیدہ ہیں، آنکھ رو رہی ہے اور دل غمگین ہے۔

رسولؐ نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ ہم ان کو عثمان بن مظعون کے پاس دفن کریں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے بقیع میں دفن کر دیا اور اسامہ بن زید قبر میں اترے اور رسولؐ قبر کے کنارے بیٹھے رہے۔ حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا گیا۔

جب جناب ابراہیم کا انتقال ہوا تو جناب ماریہ لخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ آپ کی بہن سیرین کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور جناب ماریہ کو سمجھاتی رہیں۔ جناب رسالتمآبؐ ابراہیم کی وفات پر فرما رہے تھے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم بہت رنجیدہ ہیں، آنکھ رو رہی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے پروردگار ناراض ہو۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج۱ص ۵۶)

معلوم ہوا کہ کسی مرنے والے کے غم میں رونا اور رنجیدہ ہونا بدعت، حرام اور خلاف سنت رسولؐ نہیں ہے بلکہ عین اتباع رسولؐ ہے۔

بزم ازواج میں جناب خدیجہ کے بعد یہ شرف ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ کو حاصل ہوا کہ رسولؐ کو ان سے اولاد ملی۔ یہ بات دوسری ہے کہ خود قدرت ہی کو یہ منظور تھا کہ اس کے حبیب کی اولاد صرف ایک ہی رہے اور وہ بیٹی ہو۔ پھر یہ کہ سیدہ نساء العالمین جگر گوشہ رسولؐ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی اولاد سے ہی سرور کائنات کی نسل چلے۔ سبط اکبر اور سبط اصغر ابن رسول اللہ کہلائیں۔

جناب ماریہ قبطیہ نے بہت جلد حضورؐ کے قلب مبارک میں حسن خدمت کے ذریعہ جگہ پیدا کر لی تھی۔ مشربہ ابراہیم آپ ہی کے گھر کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضورؐ کے پینے کا پانی ماریہ قبطیہ ہی کے یہاں رہا کرتا تھا۔ پانی پلانے کی خدمت ہر ایک کے سپرد نہیں کی جاتی، یہاں زندگی و موت کا سوال ہوتا ہے، اس خدمت کے لیے ایسی ہی ذات کا انتخاب کیا جاتا ہے جس پر کامل اعتقاد و یقین ہو۔ معلوم ہوا کہ جناب ماریہ پر دیگر بعض ازواج کے مقابلہ میں حضورؐ کو اتنا بھروسہ تھا کہ یہ خدمت آپ کے سپرد فرمائی تھی۔

اب تک جو حالات ناظرین نے ملاحظہ فرمائے ان سے جناب ماریہ قبطیہ کے بارے میں چھ اہم باتوں کا علم ہوا۔

(۱) باکرہ تھیں (۲) نہایت حسین و جمیل تھیں (۳) ان سے اولاد پیدا ہوئی (۴) رسولؐ کو ان پر اعتماد و بھروسہ تھا (۵) ان کا فرزند فدیۂ امام حسینؑ ہوا (۶) وہ رسولؐ سے بہت محبت فرماتی تھیں اور آنحضرتؐ کی خدمت کو اپنے حق میں بڑی سے بڑی نیکی سمجھتی تھیں۔

اتنے فضائل کے مجتمع ہونے کے باوجود حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ رسولؐ کو ان سے صرف ان کے حسن و جمال کی وجہ سے محبت تھی درست نہیں، یہ خلاف شان نبوت ہے اور رسولؐ نے خود ان کو اس بات کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے کہ میں صرف حسن و جمال ظاہری کی بنا پر کسی سے محبت نہیں کرتا جب کہ انھوں نے جناب خدیجہ کے بارے میں آنحضرتؐ سے یہ کہا تھا کہ کیا آپ اس بوڑھی عورت کو یاد کیے جاتے ہیں جب کہ خدا نے آپ کو اس سے بہتر دے دی ہے رسولؐ نے فرمایا کہ ہرگز خدیجہ سے تم بہتر نہیں ہو پھر آنحضرتؐ نے وجہ الفت و محبت کو بیان فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں ان سے ان کے حسن و جمال کی وجہ

سے محبت کرتا ہوں بلکہ ان کا کردار مجبور کرتا ہے کہ انھیں یاد کروں یہاں ام المومنین
کے حسن وجمال کا ثبوت بھی فراہم ہوگیا۔

جناب عائشہ سے مروی جتنی روایات ہیں جن میں انھوں نے بیان کیا
ہے کہ تمام ازواج نبیؐ میں آنحضرتؐ مجھ سے محبت فرماتے تھے ان میں اس
محبت کے دو ہی اسباب بیان فرمائے ہیں: (۱) میرے علاوہ کوئی باکرہ نہ تھی۔
(۲) میں خوبصورت تھی۔ عقل کبھی اس بات کو باور نہیں کرتی کہ آنحضرت اس
عورت کے مقابلہ میں جس میں یہ دونوں صفات بھی ہوں اور ان کے علاوہ
اس کی حسن خدمت، عقیدت اور اولاد بھی ہو، حضرت عائشہ کو اس پر ترجیح
دیں گے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ ماریہ قبطیہ کو جناب عائشہ اور حفصہ سے زیادہ
چاہتے تھے اور ان سے محبت فرماتے تھے اور اس محبت رسولؐ کی بنا پر ہی
یہ دونوں جناب ماریہ قبطیہ کی طرف سے آنحضرتؐ کو بددل کرنے کی کوشش کرتی
رہتی تھیں۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں تاریخ کا یہ واقعہ کافی ہے کہ جناب حفصہ
نے اپنی باری کے دن جب کہ وہ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اپنے مکان میں واپسی
پر آنحضرتؐ کے ساتھ جناب ماریہ کو دیکھا تو بہت ناراض ہوئیں۔ حضرتؐ نے
فرمایا اچھا میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ حضرت حفصہ نے (خوش اعتقادی
سے) حضرت کے اس قول پر اعتماد نہ کیا اور فرمایا لا اقبل دون ان تحلف لی
فقال واللہ لا امسها ابدا۔ جب تک آپ قسم نہ کھائیں میں قبول نہیں کرتی
آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں ماریہ کو اب مس نہ کروں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل
ہوئی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ..... الخ اے رسولؐ! جو چیز خدا نے
تمھارے لیے حلال کی ہے تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیوں حرام کرتے
ہو۔ (سورۂ تحریم) (طبقات ج ۸ ص ۱۵۴)

آنحضرتؐ نے رفع شر کے لیے ایسا کہہ دیا تھا کہ میں ماریہ کو مس نہیں
کروں گا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہی نے جناب ماریہ کو بدنام کرنے
کی بھی کوشش کی۔ کسی شخص کے ذریعہ معاذاللہ آپ کو مابور کے ساتھ ناجائز
تعلق رکھنے کی تہمت لگادی۔ آنحضرتؐ نے امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب کو
حکم دیا کہ مابور کو قتل کریں۔ اس وقت مابور ایک چادر سر سے پاؤں تک اوڑھے
ہوئے تھا۔ امیرالمومنینؑ جو روانہ ہوئے تو ایک نخلستان میں ملاقات ہوئی۔ وہ
امیرالمومنینؑ کو شمشیر کشیدہ دیکھ کر لرز گیا۔ وہ چادر گر گئی اور آپ نے معلوم کیا
کہ وہ شخص خواجہ سرا ہے۔ اس طرح اس تہمت سے جناب ماریہ کو نجات
ملی۔ (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴)

ام المومنین جناب ماریہ کی شان بہت بلند ہے۔ اس کا اندازہ اس سے
ہوتا ہے کہ اس تحقیق اور ثبوت کے باوجود قرآن نے بھی جناب ماریہ قبطیہ کی
عصمت پر گواہی پیش کی اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا
تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ
الْاِثْمِ ... (پ ۱۸ نور ۷) بے شک جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تمھیں میں
سے ایک گروہ ہے، تم اپنے حق میں اس تہمت کو برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق
میں بہتر ہے، ان میں سے جس شخص نے جتنا گناہ سمیٹا وہ اس کی سزا خود
بھگتے گا۔

جناب ماریہ کے بارے میں طبقات ابن سعد میں جو واقعہ نقل کیا گیا
ہے اس کو آیت افک کے ذیل میں لائیے تو آیت کا صحیح مصداق جناب ماریہ
قبطیہ ہی قرار پاتی ہیں لیکن حکومت وسیاست کے زور پر جناب ماریہ قبطیہ
کا نام بھی اس آیت کے ساتھ نہیں لیا جاتا صرف اس بنا پر کہ اس سے دیگر

چند ازواج پر آپ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

بہر حال آپ بڑی کامل الایمان اور مقرب بارگاہ نبوی خاتون ہیں۔ حرم آنحضرتؐ میں دو ہی وہ خوش نصیب بیبیاں ہیں جن کو مالک کائنات نے واقعی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔ یوں تو ام المومنین تمام ازواج پیغمبرؐ اسلام ہیں لیکن خداوند عالم نے جن کی گود میں آنحضرتؐ کے صلب سے اولاد کی نعمت کو عطا کیا وہ جناب خدیجہ اور ماریہ قبطیہ ہیں۔ خلوص، پاکیزگی عمل اور جذبۂ نصرت حق کی جزا خداوند کریم ضرور دیتا ہے۔ چنانچہ جناب خدیجہ کے خدمات دینی اور نصرتِ پیغمبر اسلام کا ذکر قرآن مجید نے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کے ذریعہ کرکے ہمیشہ کے لیے انھیں حیات دی اور جناب ماریہ قبطیہ کا تذکرہ بھی قرآن کی آیت میں اشارہ وکنایہ میں کیا گیا ہے۔ رسول اکرمؐ کو خالق عالم نے قاسم، طیب وطاہر جیسے فرزند اور جناب فاطمہ زہراؑ جیسی بے مثل معصوم بیٹی جناب خدیجہ کے بطن سے عطا فرمایا اور جناب ابراہیم جیسا فرزند جناب ماریہ قبطیہ کے بطن سے دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب عائشہ کو یا تو جناب خدیجہ مادر گرامی جناب معصومؑ سے رشک تھا یا جناب ماریہ قبطیہ سے جب کہ ان دونوں ہی ازواج کے خصوصیات کا تذکرہ نبی کی زبان پر آتا رہتا تھا۔ سچ ہے کہ ع

جو ظرف کے خالی ہے صدا دیتا ہے

قرآن مجید کی آیت میں ان کا تذکرہ دیکھ کر نعمت پر حسد کرنا جناب عائشہ کی فطرت اور حالات زندگی سے بعید نہیں تھا۔ رسول اکرمؐ سے عقد کی بہت سی تمناؤں میں ایک تمنا یہ بھی تھی کہ گود آباد ہو جائے تو رشتہ میں استحکام اور مستقبل کے محلوں کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے حسین ترین مواقع فراہم ہو جائیں گے

اور جب مصلحت خداوندی نے "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کا مژدہ سنا دیا تو حسد کی آگ میں جلنا یقینی تھا اور یہی دنیا و آخرت میں ان کا مقدر بن گیا۔

جناب ماریہ قبطیہ نے حضورؐ کے وصال کے بعد محرم سنہ ۱۶ھ میں وفات پائی۔ تمام اہل مدینہ نے جنازہ میں شرکت کی اور جنت البقیع میں انھیں دفن کیا گیا۔

سُمَیّہ بنت خباط

(اسلام کی پہلی شہید خاتون)

جناب سمیہ کے ابتدائی حالات کیا تھے، ان کا تعلق کس خاندان سے تھا، ان کا وطن کہاں تھا اور وہ کس طرح مکہ تشریف لائیں اس کی تفصیلات تاریخ میں نہیں ملتی البتہ اتنا ضرور ملتا ہے کہ وہ دور جاہلیت میں ابوحذیفہ مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ اسی زمانے میں یمن سے قحطانی قبیلہ کا ایک شخص یاسر بن عامر اپنے اس بھائی کی تلاش میں مکہ آیا تھا جو غائب ہو چکا تھا اور مکہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے قیام کر لیا۔ وہ ابوحذیفہ بن مغیرہ کا حلیف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد ابوحذیفہ نے سمیہ کی شادی یاسر سے کر دی۔ قدرت نے انھیں دو بیٹوں سے نوازا جن کے نام عبداللہ و عمار تھے۔ پیغمبرؐ اسلام نے جب اعلان رسالت فرمایا تو سمیہؓ یاسر نے آنحضرتؐ کی بلند سیرت اور اعلیٰ کردار اور پیغام حقانیت کو دیکھتے ہوئے اپنے بچوں سمیت دعوت نبوی پر لبیک کہی۔

ابوحذیفہ کا انتقال ہو چکا تھا لیکن عرب کے دستور کے اعتبار سے سُمیہ ابوحذیفہ کے وارثوں کی کنیز ہی میں تھیں اور عربوں میں غلاموں اور کنیزوں کی حیثیت

جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ اعلان رسالت کے ساتھ ہی مشرکین قریش نے اسلام کے ماننے والوں کے لیے نہ صرف حسن سلوک و حسن اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا تھا بلکہ لرزہ خیز جور و تشدد کو لازم و ضروری قرار دے دیا۔ یاسر اور ان کے بچے تو غریب الوطن تھے ہی سمیہ بھی کنیزی کی وجہ سے نہایت ذلت و بے قدری کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اس لیے مظالم کا سیلاب اس پورے خاندان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہمہ تن تیار تھا۔ عبداللہ و عمار کو لوہے کی زرہ پہنا کر مکہ کی جلتی ریت پر لٹا دیا جاتا تھا اور ان کی پشت کو آگ کے انگاروں سے داغ دیا جانا اور پانی میں مسلسل غوطہ دیا جانا قریش کا یہ معمول ہو چکا تھا۔ ایک بار رسول اکرم اسی مقام سے گزرے جہاں انھیں سزا دی جا رہی تھی، نبیؐ کو نہایت شاق ہوا۔ دکھ بھرے لہجے میں فرمایا اے آل یاسر! صبر کرو، تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ اور ایک بار ہادی عالم نے پورے خاندان کو انسانیت سوز سزا کی کیفیت میں دیکھ کر فرمایا' صبر کرو، خدایا آل یاسر کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی ہے۔

آل یاسر ظلم کی چکیوں میں پستے رہے آخر ایک روز جناب یاسر اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ خیال تھا کہ شاید اب سزا کا سلسلہ رک جائے گا مگر حاشا و کلا! سمیہ اور ان کے بیٹوں کو مصائب و آلام کی یورش میں زندگی گزارنا تھا تو گزاری لیکن ان کے ایمان و استحکام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جناب سمیہ دن بھر تو تکلیف میں رہتی ہی تھیں رات میں بھی چین و سکون کی سانس لینا ممکن نہ تھا۔ ظلم کے سہنے والے اور سزا کے برداشت کرنے والے چند نفر اور ظلم کرنے والے بے شمار۔ جب ایک ظلم کرنے والا شیطانی شوق ظلم کو پورا کر لیتا تھا تو دوسرا آگے بڑھتا تھا اور وہ جب اپنے حوصلے نکال لیتا تھا تو تیسرا اور چوتھا۔ اس

طرح سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔

اسی زمانہ میں ایک روز رسول اکرم محلہ بنی مخزوم سے گزر رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ کفار قریش ایک بوڑھی خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی زمین پر لٹائے ہوئے ہیں اور قریب میں کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں " محمدؐ کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھو۔" یہ جناب سمیہ تھیں جنھیں دیکھتے ہی رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ نے فرمایا صبر کرو، جنت تمھارے لیے مقدر ہے۔ نہ جانے پیغمبرؐ کی تلقین صبر اور مستقبل میں آخرت کی کامیابی کے مژدہ میں کتنا اثر تھا کہ سمیہ کی زندگی میں مصائب سے عاجزی اور مظالم کے ناقابل عمل قرار دینے کا کوئی تصور ہی نظر نہیں آتا بلکہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ... کی طرح بے خوف و خطر زندگی گزارتی ہیں اور ہر زحمت کو آخرت کے لیے رحمت سمجھتی ہوئی برداشت کر لیتی ہیں۔ ایک روز ابوجہل نے جناب سمیہ کو گالیاں دینا شروع کیں اور رفتہ رفتہ شیطنت کے جنون نے اس منزل تک پہنچا دیا کہ اس نے اپنا نیزہ سمیہ کو مارا جو ٹھیک سینے پر لگا، اسی وقت تڑپ کر گر گئیں اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں۔ اور ابھی جذبۂ بربریت کو تسکین نہ ملی تھی کہ اتنے میں تیر چلا کر ان کے فرزند جناب عبداللہ کو بھی شہید کر دیا۔ اب پورے خاندان میں صرف عمار یاسر بچ گئے تھے جو اپنے ماں باپ اور بھائی کا غم لیے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ سنایا، آنحضرتؐ نے انھیں تلقین صبر کیا اور دعا کی اللہ! آل یاسر کو دوزخ سے بچا لے۔ اور جب جنگ بدر میں ابوجہل مارا گیا تو عمار یاسر کو بلا کر فرمایا، اللہ نے تمھاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔

(مضمون مولانا ناظم علی خیرآبادی تنظیم المکاتب ۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

جناب فضہ رضوان اللہ علیہا

آپ کا نام و نسب

آپ کا نام میمونہ تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان کا نام فضہ رکھا۔ فضہ کے معنی چاندی کے ہیں گویا رسولؐ خدا نے ان کے سیاہ فام ہونے کے باوجود انھیں چاندی بنا دیا اور روشن ضمیر کر دیا۔ علامہ شیخ جعفر بن محمد جعفر نزاری لکھتے ہیں: ھی کانت بنت ملك من ملوك الحبشة وہ حبشہ کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کی لڑکی تھیں۔ (انوار العلویہ ص ۱۰۶ طبع نجف اشرف)

علامہ رجب علی برسی نے کتاب مشارق الانوار میں انھیں ہندوستان کے ایک بادشاہ کی لڑکی لکھا ہے (رسالہ فضہ ص ۷ طبع لاہور) لیکن یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ (ماخوذ از چودہ ستارے نجم الحسن کراروی) بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ قبیلہ نوبہ سے تھیں اس لیے حبشی نوبیہ مشہور ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کی ولادت کے حالات نہ مل سکے۔

آپ کا وطن

جناب فضہ کے وطن کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کا وطن ہندوستان تھا مگر قول مشہور یہ ہے کہ آپ حبشہ جو براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے، کی رہنے والی تھیں۔ براعظم افریقہ کا انبیاء و ائمہ اور اسلام سے

بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ جیسے بڑے پیغمبروں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ افریقہ ہی میں بسر کیا ہے۔ ہمارے نبیؐ کی جدۂ عالیہ حضرت ہاجرہ افریقہ کے ملک مصر کی شہزادی تھیں۔

جب ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کافروں نے آپ کو اور آپ کے ماننے والے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا، آپ نے یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں کو جناب جعفر طیار کے ساتھ حبش (افریقہ) بھیج دیا۔ وہاں کے بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی اور دشمن کی ریشہ دوانیوں کو مسترد کیا جو مکہ سے جا کر شاہ حبش کو مسلمانوں سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ رسولؐ کی ایک زوجہ ماریہ قبطیہ افریقہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ افریقہ کے مشہور قبیلہ نوبہ سے تھیں اور رسولؐ خدا کو گود میں کھلانے والی ام ایمن (برکہ) افریقہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ ان کے ایک بیٹے ایمن جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔ ان کے دوسرے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کو رسولؐ نے اپنی زندگی میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنا دیا تھا جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے۔ اور آپ کے ایک خاص صحابی اور موذن حضرت بلال بھی افریقہ کے باشندے تھے۔ بلال اسلام کے پہلے موذن تھے۔ اور جون حبشی جن کو نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کی معیت میں شہادت کا شرف حاصل ہوا، ان کا وطن بھی افریقہ ہی تھا۔ (ان سب کا تذکرہ کتاب ہذا کے پچھلے صفحات میں مفصل ہو چکا ہے مولف)

آج بھی افریقہ میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراقش خاص اسلامی ملک ہیں۔ مغربی افریقہ میں گنی اور نائجیریا میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ مشرقی افریقہ میں صمالیہ اور زنجبار

میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ مشرقی افریقہ کے ممالک ٹانزانیہ، کینیا اور یوگنڈا
میں کافی شیعہ اثنا عشری آباد ہیں۔ شمالی افریقہ کا سب سے اہم ملک مصر ہے۔
آج سے ہزاروں سال پہلے مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ
نے ایک فرعون ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ مصر کی راجدھانی قاہرہ ہے۔ یہ
اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کی سب سے پرانی یونیورسٹی الازہر موجود
ہے جو ایک ہزار سال سے علم کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ قاہرہ میں راس الحسینؑ
نام کی ایک عمارت ہے جہاں ہزاروں مصری جمع ہوکر امام حسینؑ سے اپنی محبت
وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ مصر کے جنوب میں سوڈان ہے۔ یہ بھی ایک آزاد
اسلامی ملک ہے۔ مصر اور سوڈان میں دریائے نیل بہتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس
پر حضرت موسیٰؑ نے عصا مارا تھا تو دریا کا پانی پھٹ گیا تھا اور حضرت موسیٰ بنی
اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل گئے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا
ہے۔

مصر کے مغرب میں لیبیا ہے جہاں سنوسی عربوں کی حکومت ہے۔ لیبیا سے
مغرب سمت میں تیونس ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور اب وہاں بھی ایک آزاد
اسلامی حکومت قائم ہے۔ تیونس کے مغرب میں الجزائر ہے جو اپنی پیداوار اور
معدنیات کے لیے مشہور ہے۔ الجزائر کے مغرب میں مراقش ہے جہاں ایک
آزاد مسلمان سلطان کی حکومت ہے۔ مراقش سے ہی مسلمانوں نے پہلی بار
یورپ پر حملہ کیا تھا اور اسپین پر قبضہ کر لیا تھا جہاں صدیوں تک مسلمان حکومت
کرتے رہے۔ شمالی افریقہ کی طرح مغربی اور وسطی افریقہ کے علاقوں میں بھی
مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مغربی افریقہ میں نائجیریا اور گنی کی آزاد حکومتیں
قائم ہیں۔ صحارا، مالی اور کانگو کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

مشرقی افریقہ میں زنجبار کی مسلم ریاست قدیم تھی۔ اب ٹانگانیکا اور زنجبار
ملا کر ٹانزانیہ ایک ملک ہوگیا ہے۔ یہاں شیعہ آبادی کافی تھی۔ دو مساجد اور کئی
امام باڑے تھے۔ اب شیعہ اکثریت ہجرت کر کے دارالسلام اور ممباسہ میں آگئی
ہے۔ ٹانزانیہ میں بھی مسلم اکثریت ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ شیعہ اثنا عشری
بھی موجود ہیں۔ ٹانزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام میں بھی بہت بڑی شیعہ
مسجد اور امام باڑہ ہے اور آٹھ دس ہزار شیعہ آباد ہیں۔ ٹانزانیہ کے دوسرے
تمام بڑے شہروں عروشہ موشی، ٹانگا، موانزہ اور سونگیا، لینڈی، بکوبا وغیرہ
میں بھی شیعہ مساجد اور امام باڑے موجود ہیں اور ان میں جماعت اور مجالس
و محافل کے پروگرام بڑے زور و شور سے ہوتے ہیں۔ کینیا میں نیروبی اور ممباسہ
شہروں میں شیعہ اچھی خاصی تعداد میں ہیں اور یہاں تبلیغ کا کام اطمینان بخش
ہے۔ یوگنڈا میں اب شیعہ اقلیت میں رہ گئے ہیں۔ افریقہ میں اسلامی اثرات
کی نمایاں نشانی عربی زبان ہے۔ شمالی افریقہ کی عام زبان عربی ہے اور مشرقی
افریقہ کی سواحلی زبان میں بے شمار عربی الفاظ موجود ہیں۔ مشرقی افریقہ میں
شیعہ آبادی صمالیہ، ٹانزانیہ، کینیا، یوگنڈا، کانگو، مڈگاسکر میں پائی جاتی ہے۔

آپ کی شادی

جناب فضہ جب حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں آئی تھیں تو غیر شادی شدہ
تھیں۔ انھوں نے شاہی ٹھاٹھ باٹ کو خیرباد کہہ کر حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت
کو اپنا فریضہ بنا لیا تھا۔ وہ پاکیزہ دل خاتون تھیں اور پاک گھرانے کی خدمت کو
دنیا و آخرت کی عزت سمجھتی تھیں۔ حضرت فاطمہؑ جب تک زندہ رہیں انھوں
نے اپنی شادی نہیں کی البتہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے

اصرار پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کی تزویج کر دی گئی۔ حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کانت لفاطمۃ الزہراء جاریۃ یقال لھا فضہ
فصارت بعدھا لعلی فزوجھا من ابی ثعلبہ فتزوجھا من بعدہ
ابوسلیک الغطفانی حضرت فاطمہ زہراؑ کی ایک کنیز تھیں جن کو فضہ کہتے تھے
جب بی بی فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ کی خدمت گزاری کرنے لگیں
حضرت علیؑ نے ان کی شادی ابو ثعلبہ حبشی سے کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا
ہوا پھر ابو ثعلبہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان کا عقد
ابوسلیک غطفانی سے کر دیا تھا۔ (انوار علویہ ص ۵۹)

آپ کا خدمت پیغمبرؐ میں آنا

افسوس ہے کہ آپ کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے اور آپ کے
بارے میں صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کب اور کیسے خدمت پیغمبرؐ میں
آئیں۔ مختلف روایات ہیں۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ شاہ حبش نے آنحضرتؐ
کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ زرخرید تھیں اور بعض لوگوں
کا کہنا ہے کہ آپ قید ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچیں مگر یہ قول قابل قبول
اس لیے نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں عرب کے باہر کوئی جنگ نہیں ہوئی
جہاں سے اسیر لائے جاتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ یہودانِ عرب میں سے کسی
کی کنیز ہوں اور وہاں سے اسیر ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائی گئی ہوں۔ زیادہ
قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ کے
لیے خریدا ہو ورنہ کہیں نہ کہیں آنحضرتؐ کا فضہ کو اپنے حصہ میں لے کر فاطمہ زہراؑ
کو دینے کا تذکرہ موجود ہوتا۔ بہر حال کوئی صورت بھی ہو جنگ خیبر کے بعد آپ

رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

خدمت جناب فاطمہ زہراؑ

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو عطا فرما دیا مگر اس کے ساتھ
ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا اور دکھ
درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس
نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔
ایک دفعہ سرور کائنات خانۂ سیدہ میں تشریف لے آئے، دیکھا سیدہؑ گود میں بچے
کو لیے ہوئے چکی پیس رہی ہیں۔ فرمایا بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض
کی بابا جان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔

دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اپنے گھر کے تمام کام خود
انجام دیتی تھیں۔ سینے پر پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے گٹھل بن گیا تھا اور
ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ خود ہی چولھے میں آگ روشن
فرماتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے۔ خود
ہی اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے
تھے۔ یہ دیکھ کر ان کے شوہر نامدار حضرت علی علیہ السلام نے آپ سے فرمایا، کیا
اچھا ہوتا کہ آپ اپنے والد ماجد سے ایک خادمہ طلب فرما لیتیں اس لیے کہ میں
دیکھتا ہوں کہ آپ بڑی مشقت اٹھا رہی ہیں۔ آپ آنحضرتؐ کی خدمت میں
تشریف لائیں، وہاں بہت مجمع تھا، حیا کے مارے بغیر کچھ کہے واپس چلی آئیں۔
ان کے واپس چلے آنے کے بعد آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ فاطمہؑ کسی حاجت کے
لیے میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علیؑ نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے

فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایسی چیز بتادوں جو خادمہ سے بہت بہتر ہے ۔ جب تم دونوں سونے لگو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ جناب فاطمہؑ نے تین بار فرمایا میں راضی ہوئی خدا اور اس کے رسولؐ سے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں ہم نے جب سے اس تسبیح کو پایا کبھی ترک نہیں کیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۵۹) یہ وہی تسبیح ہے جو آج تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے مشہور ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ کے پاس سے تسبیح تعلیم فرما کر واپس آئے تو یہ آیت نازل ہوئی ولما تعرضن منھم ابتغاء رحمة من ترجوھا فقل لھم قولا میسورا (قرآن کریم) ترجمہ: جب تو ان سے منہ پھیر لے اس امید پر کہ تجھے خدا کی طرف سے رحمت نازل ہو تو ان سے آسانی سے بات کر۔ تو جناب رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ کو خدمت کے لیے ایک لونڈی عطا فرمائی اور اس کا نام فضہ رکھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب حالات فاطمہ زہراؑ ص ۱۲۶)

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرة الخدمة جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں۔ پھر بھی خاتون جنت نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا تھا بلکہ باری مقرر کر دی تھی۔ ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظمؐ کی بیٹی کام کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکالوں یا میں آٹا گوندھ لوں اور تم روٹی پکالو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولھا بھی سلگا دوں گی آپ روٹی پکا لیجیے۔ یہ کہہ کر فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ

سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی یا واحد لیس کمثلہ احد تمیت کل احد وتفنیٰ وانت علیٰ عرشک واحدہ لا تاخذہ سنة ولا نوم۔ تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازد کا معلوم ہوتا تھا وہ باب فاطمہؑ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷، معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

آپ کا زہد و ورع

جناب فضہ بڑی کامل الایمان عورت تھیں۔ وہ خانوادۂ رسالت میں بحیثیت ایک خادمہ کے آئی تھیں لیکن انھوں نے اپنی نیک نفسی، حسن کردار اور محبت والفت کی بنا پر ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے خاندان کے ایک فرد کے مانند محبت کرتا تھا۔ ان کی عزت کسی طرح گھر کی بڑی بوڑھیوں سے کم نہ تھی۔ ہر شخص کی زبان پر فضہ ہی فضہ تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام اور فاطمہ زہراؑ کے گھر میں آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ کوئی اور کنیز ہوتی تو بھاگ کھڑی ہوتی مگر فضہ نے فاقوں میں اپنی زندگی اس خندہ پیشانی سے گزار دی کہ کیا کوئی عیش کی حالت میں گزارے گا۔ یہ انھیں کا کام تھا کہ دو دو دن کے فاقے میں چکیاں پیستی تھیں مگر تیوریوں پر بل نہ آتا تھا۔ اہل بیتؑ کی صحبت کی وجہ سے ان کا دل خدا سے لگ گیا تھا، دنیا کی زیب و زینت کی ان کی نظر میں کوئی قدر نہ تھی۔ جسمانی لذتوں سے منہ موڑ کر روحانی لذتوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ آخرت کا خیال ہر وقت ان کے پیش نظر رہتا تھا، شب و روز ان کو یاد خدا سے کام تھا۔ دن میں روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر عبادت خدا میں مشغول رہتی تھیں۔

سورہ ہل اتیٰ میں آپ کی شمولیت

ایک مرتبہ فرزندان رسولؐ حسنین علیہما السلام ایسے بیمار ہوئے کہ روز بروز ناتوانی بڑھنے لگی۔ آنحضرتؐ خانۂ جناب سیدہؑ میں تشریف لائے اور تین روزے رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ علیؑ و فاطمہؑ اور بچوں نے تین روز کے روزے مان لیے تو جناب فضہ جن کو شاہزادوں سے وہی محبت تھی جو ایک شفیق ماں کو ہوتی ہے، انھوں نے بھی اس نذر میں شرکت فرمائی۔ جب ایفائے نذر کا وقت آیا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب تین صاع جو ایک یہودی سے اجرت پر لے کر آئے اور کتائی کے لیے اون بھی۔ جناب سیدہؑ نے اون کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ اون کا کات لیا تب اس کی اجرت کے ایک تہائی جو چکی میں اپنے ہاتھ سے پیسے، آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں اور افطار کا وقت آیا تو پانچوں حضرات اپنی اپنی روٹیاں کھانے کے لیے بیٹھے تھے کہ ایک سائل نے دروازے سے پکارا اے اہل بیتؑ رسالت! میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ، خدا تمھیں جنت کے خوان عطا فرمائے گا۔ یہ سن کر سب نے اپنے اپنے آگے سے روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ جناب فضہ نے بھی جو اہل بیتؑ کی محبت کی برکت سے معرفت الٰہی کے بہترین مدارج پر فائز تھیں، اپنی روٹی سائل کو دینے کے لیے امیر المومنینؑ کے سپرد کر دی اور سب نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے دن بغیر کچھ کھائے ہوئے روزہ رکھا گیا اور روٹیاں تیار کی گئیں اور جب کھانے کا وقت آیا تو سائل نے آکر دروازے سے آواز دی میں بھوکا ہوں اور پھر پانچوں افراد نے اپنی اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اسی طرح تیسرا روزہ بھی صرف پانی سے رکھا گیا اور جب افطار کا

وقت آیا تو پھر سائل آگیا۔ اس طرح متواتر اہل بیتؑ رسالت نے بغیر کچھ کھائے ہوئے صرف پانی سے روزے رکھے اور اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اور تینوں دن جناب فضہ بھی اہل بیتؑ کی اس عبادت و سخاوت میں شریک رہیں۔ اسی لیے اللہ نے جب حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان دونوں فرزندوں کی شان میں اس عبادت و سخاوت پر سورہ ہل اتیٰ نازل فرمایا تو اس میں کنیزی کا لحاظ اٹھا کر خدا نے جناب فضہ کو بھی برابر کی جزا دی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷)

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ تینوں دن جناب فاطمہ زہراؑ نے آٹا پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جس فضہ نے ان کے فرزندوں کی صحتیابی پر روزہ رکھا ہے ان سے اس حالت میں کام لیا جائے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۳۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یعنی علیا و فاطمۃ والحسن والحسین وجاریتھم فضۃ اس آیت یوفون بالنذر میں جناب امیر، جناب فاطمہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور ان کی کنیز فضہ مراد لیا ہے۔ (تفسیر برہان ج ۴ ص ۱۱۶۴)

آپ کا علم و ہنر

مورخین کا بیان ہے کہ جناب فضہ فن کیمیاگری میں ماہر تھیں۔ علامہ رجب علی برسی کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ آپ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے خانۂ اقدس میں آئیں اور ان کی ظاہری غربت اور افلاس کو دیکھا تو اکسیر کا ذخیرہ نکالا اور تانبے کے ٹکڑے پر اس اکسیر کو استعمال کیا جس سے تانبا بہترین سونا بن گیا اور جناب فضہ اس کو لے کر حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اے

فضہ! تم نے بہترین سونا بنایا ہے لیکن اگر تم تانبے کو بھی پگھلا دیتیں تو اس سے
زیادہ بہتر سونا بن جاتا۔ فضہ نے از روئے تعجب کہا کہ مولا! آپ اس فن سے
بھی واقف ہیں؟ آپ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ
علم تو ہمارا یہ بچہ بھی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے فضہ! ہم تمام علوم سے واقف
ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور زمین کا ٹکڑا بہترین سونے اور جواہر
میں تبدیل ہوگیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا یا فضہ ما لھذا خلقنا اے فضہ ہم
اس کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ (انوار علویہ و دمعہ ساکبہ ص ۱۳۰)

مطلب یہ تھا کہ ہم زر و جواہر اور مال و دولت کے لیے نہیں پیدا کیے
گئے۔ ہماری غرض خلقت تبلیغ دین اور فروغ انسانیت ہے۔ علامہ شیخ جعفر
نزاری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فضہ کا حضرت عمر بن خطاب سے
کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہوگیا اور فضہ نے اپنی علمی قوت سے انھیں شکست
دے دی تو انھوں نے از روئے تعجب کہا شعرۃ من آل ابی طالب افقہ
من جمیع آل خطاب آل ابی طالب کا ایک معمولی بال بھی تمام آل خطاب
سے فقہ جاننے والا ہے۔ (انوار علویہ ص۵۸)

آپ کا علم قرآن

چونکہ قرآن اہل بیتؑ کے ساتھ تھا اور اہل بیت قرآن کے ساتھ اس
لیے اس گھر میں ہر وقت یہی چرچا اور تذکرہ رہتا تھا۔ فضہ ہر وقت خدمت
میں رہتی تھیں۔ صحبت محمدؐ و آل محمدؐ کی برکت نے ان کو علم قرآن و حدیث کی
بڑی عالمہ بنا دیا تھا بلکہ قرآن تو ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انھوں
نے اس خوف سے کہ کوئی جھوٹی بات زبان سے نہ نکل جائے بولنا بہت کم کردیا

تھا اور جو کچھ بولتی تھیں وہ قرآن کی آیات ہوتی تھیں۔ جو مطلب کسی پر ظاہر
کرنا ہوتا تھا اسی مضمون یا اس سے ملتی جلتی کوئی آیت قرآن پڑھ دیتی تھیں
اور لوگ آپ کا مطلب سمجھ لیتے تھے۔ بیس سال اسی طرح بولتی رہیں اس بنا
پر ان کا نام متکلمہ بالقرآن ہوگیا تھا (یعنی قرآن سے کلام کرنے والی)۔

ابوالقاسم قشیری نے اپنی کتاب میں ایک شخص کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے
اس کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ صحرا میں اپنے قافلے سے بچھڑ گیا۔ وہاں میں نے
ایک بہت ہی سن رسیدہ خاتون کو پایا تو میں نے ان سے دریافت کیا آپ کون
ہیں؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی قُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ہ سلام
کہہ پس انھیں معلوم ہو جائے گا۔ (سورہ الزخرف آیت ۸۹) میں اپنی اس بے ادبی
اور کوتاہی پر نادم ہوا اور فوراً اسلام کیا اور دریافت کیا آپ یہاں کیسے آگئیں؟
انھوں نے جواب میں پھر قرآن کی آیت پڑھی مَنْ يَّهْدِ اللهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ط
(سورہ زمر آیت ۲۷) جس کی ہدایت اللہ کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔
میں سمجھ گیا کہ راستہ بھول گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ جنوں میں سے ہیں
یا انسانوں میں سے؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا
زِيْنَتَكُمْ اے بنی آدم اپنے آپ کو سجائے رکھا کرو۔ (سورۃ الاعراف ۳۱)
میں سمجھ گیا کہ انسان ہیں جن نہیں ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف
لا رہی ہیں؟ انھوں نے یہ آیت پڑھی يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (حٰم سجدہ آیت ۴۴)
وہ دور دراز مقام سے پکارے جاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ دور دراز مقام سے
آ رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا معظمہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب میں
یہ آیت پڑھی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (سورہ آل عمران آیت ۹۱) میں سمجھ گیا
کہ آپ حج کے لیے تشریف لے جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کتنے دن سے

سفر میں ہیں؟ انھوں نے یہ آیت پڑھی وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (سورہ ق آیت ۳۸) اور بہ تحقیق ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کو چھ دن میں پیدا کیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ چھ دن سے سفر میں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کیا آپ کچھ کھائیں گی؟ انھوں نے فوراً ہی یہ آیت پڑھی وماجَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (سورۃ الانبیاء آیت ۸) اور ہم نے ان کے اجسام ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھا سکیں۔ میں نے انھیں کھانا کھلایا پھر اونٹ پر بیٹھ کر چلنے لگا، وہ پاپیادہ تھیں، میں نے کہا اب آپ ذرا تیز قدموں سے چلیں۔ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ آیت ۲۸۶) اللہ نے ہر نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ تیز نہیں چل سکتیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ میرے ساتھ اونٹ پر بیٹھ کر سفر کریں گی؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (سورہ الانبیاء) اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں دو خدا ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہو جاتے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کو میرے ساتھ بیٹھنے میں عذر ہے لہٰذا میں سواری سے اتر گیا اور انھیں سواری پہ بٹھا دیا۔ جب وہ سواری پر بیٹھ گئیں تو یہ آیت پڑھی سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا (سورہ زخرف آیت ۱۲) پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لیے مسخر کی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اب وہ مطمئن ہیں۔ جب ہم قافلے کے قریب پہنچے تو میں نے پوچھا کیا اس قافلے میں آپ کا کوئی واقف کار ہے؟ جواب میں انھوں نے یہ آیت پڑھی يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ۔ يَا مُوْسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ۔ (سورہ ص آیت ۲۵، سورہ

آل عمران آیت ۱۳۸، سورہ مریم آیت ۱۳، سورہ طٰہٰ آیت ۱۲-۱۱)

راوی کا بیان ہے، میں نے قافلے میں پہنچ کر آواز دی اے داؤد، اے محمدؐ، اے یحییٰ، اے موسیٰ! میری آواز سن کر چار نوجوان سامنے آگئے۔ میں نے ان معظمہ سے پوچھا یہ چاروں جوان آپ کے کون ہیں؟ انھوں نے یہ آیت پڑھی اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورہ کہف آیت ۴۶) مال و اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب ان کے لڑکے ہیں۔ اس کے بعد ان معظمہ نے یہ آیت پڑھی يَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ٥ (سورہ القصص آیت ۲۶) اے بابا ان کو اجرت پر رکھ لیجیے اس لیے کہ آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے وہ طاقت و امانت میں بہتر ہوگا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ میری سواری کا کرایہ اور اجرت دلانا چاہتی ہیں۔ یہ سن کر ان لڑکوں نے مجھے کچھ مال دیا۔ اس کے بعد انھوں نے یہ آیت پڑھی وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ (البقرہ آیت ۲۶۱)

یہ سن کر ان کے لڑکوں نے مجھے کچھ اور مال دیا۔ میں نے ان جوان لڑکوں سے پوچھا یہ معظمہ آپ کی کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا یہ ہماری والدہ فضہ ہیں. جو جناب فاطمہ زہراؑ کی کنیز ہیں۔ انھوں نے بیس سال سے سوائے آیات قرآنی کے ایک لفظ اپنے منھ سے ادا نہیں کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ترجمہ بحار الانوار جلد ۳ ص ۱۱۳)

آپ کے کرامات

جناب فضہ بظاہر کنیز تھیں لیکن وہ محمدؐ و آل محمدؐ کی نگاہ میں بڑی ممتاز خاتون تھیں اور ان کی نگاہ کرم کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام تھا.

وہ مستجاب الدعوات تھیں اور صاحب کرامات۔

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ماہ رمضان کی ایک شب جناب امیر المومنینؑ نے رسولؐ خدا کو مدعو کیا۔ آنحضرتؐ نے دعوت قبول کر لی اور خانۂ امیر المومنینؑ میں روزہ افطار کیا۔ اگلے دن حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعوت دی اور آپ نے قبول فرما کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر امام حسنؑ نے دعوت دی اس کے بعد امام حسینؑ نے درخواست کی آپ نے ان شہزادوں کی دعوت قبول فرما کر روزہ ان کے گھر افطار کیا۔ یہ دیکھ کر جناب فضہ نے بھی آنحضرتؐ کو اگلے روز روزہ افطار کرنے کی دعوت دے دی۔ جب نماز مغربین کے بعد آنحضرتؐ اپنے گھر ہو کر جناب فضہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا تو جبرئیل نے آ کر کہا یا رسول اللہ! آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لے جائیں، یہ رب جلیل کا حکم ہے کیونکہ فضہ دروازۂ سیدہ پر آپ کی منتظر ہے۔ چنانچہ آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لائے۔ اہل بیت طاہرینؑ نے تعظیم کی اور آداب و سلام بجا لائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آج فضہ کا مہمان ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فضہ سے فرمایا کہ تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ حضورؐ کو دعوت دی ہے۔ ہمیں بتا دیا ہوتا تو ہم کھانے کا انتظام کرتے اور تمہاری مدد کرتے۔ فضہ نے عرض کی مولا! میں آپ کی کنیز ہوں، آپ اطمینان رکھیں، سب انتظام ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ اندر گئیں مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی، مالک! اپنے حبیب کی دعوت کا انتظام فرما۔ دعا قبول ہوئی اور مائدۂ آسمانی نازل ہوا۔ وہ اسے لے کر باہر آئیں اور سب نے طعام جنت تناول فرمایا۔ حضرت نے کھانے کے بعد ارشاد فرمایا الحمد للہ! کہ خدا نے مریم بنت عمران کی طرح میری بیٹی کی کنیز کو بھی جنت سے طعام منگانے کا شرف

بخشا ہے۔ (مصابیح القلوب و ریاض القدس ج ۲ ص ۲۶۱ طبع ایران)

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب فضہ اپنی باری کے دن کاروبار کے سلسلہ میں کچھ لکڑیاں اٹھا کر لانا چاہتی تھیں۔ زیادہ وزنی ہونے کے باعث آپ سے اُٹھ نہیں رہی تھیں۔ انھوں نے فوراً وہ دعا پڑھی جو رسولؐ خدا نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی جس کی ابتدا یہ ہے یا احد لیس کمثلہ شیئ الخ اس دعا کا پڑھنا تھا کہ ایک اعرابی ظاہر ہوا اور اس نے ایندھن اٹھا کر سیدہ کے دروازے پر لا کر رکھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ملک تھا۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

(۳) کتب مقاتل میں ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد جب ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑائے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جناب زینبؑ کے مطابق فضہ نے (ابو الحارث) نامی شیر کو آواز دی تھی اور اس نے برآمد ہو کر نعش مبارک کی حفاظت کی تھی۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

(۴) ریاض القدس میں ہے کہ جب شام غریباں آئی تو جناب فضہ نے بچوں کو پیاس سے تڑپتا دیکھا تو خیال ہوا کہ کہیں اولاد رسولؐ پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے، آپ ایک مقام پر گئیں خدمت رسولؐ کا واسطہ دے کر بارگاہ اقدس میں مناجات کی۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور ایک پانی کا ڈول آسمان سے نازل ہوا۔ آپ اسے لے کر بیمار امام کی خدمت میں آئیں۔ پانی دیکھ سید سجاد کو غش آ گیا پھر جناب زینبؑ کی خدمت میں وہ پانی لے کر آئیں اور بچوں کو پلانے کی درخواست کی۔

مصائب جناب سیدہؑ پر آپ کا کردار

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہؑ کے گھر میں بعد پیغمبرؐ آگ لگانے کی دھمکی دی اور دروازہ گرا دیا جس سے ان کے بطن مبارک میں جناب محسن

شہید ہو گئے تھے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب بی بی سیدہ کے پہلو پر دروازہ
گرا اور بنت رسولؐ زخمی ہو کر زمین پر گریں تو بے اختیار زبان سے یہ جملے نکلے
تھے یا رسول اللہ هکذا یفعل بحبتك و ابنتك، یا فضة خذینی و
علی ظهرك مسندینی فقل واللہ قتل ما فی احشائی اے رسولؐ خدا!
آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے، اے فضہ! ذرا مجھ کو سنبھالو اور
میری پشت کی طرف سے مجھے سہارا دو، خدا کی قسم میرے بطن میں میرا بچہ
(محسن) شہید ہو گیا ہے۔ (بحار الانوار ج ۸ طبع ایران)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب کی ضرب سے
زخمی ہو کر فاطمہؑ بنت رسولؐ علیل ہو گئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ میں اب نہ بچوں گی
تو مجھے چند وصیتیں کیں ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ میرے غسل و کفن
میں تمھارے اور حسنؑ و حسینؑ اور زینب و ام کلثوم اور فضہ و اسماء بنت عمیس
کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ
جناب سیدہ نے جہاں مجھ سے اور بہت سے عہد لیے ان میں سے ایک یہ تھا
کہ میری وفات کے بعد مردوں میں عبداللہ بن عباس، سلمان فارسی، عمار
یاسر، مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، حذیفہ یمانی اور عورتوں میں ام سلمہ،
ام ایمن اور فضہ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ایک روایت میں فضل،
اور ابن مسعود کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ (سفینۃ البحار ج ۲)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب فاطمہؑ بنت رسولؐ کا انتقال ہو گیا اور انھیں
کفن پہنایا جا چکا تو میں نے چہرۂ سیدہ کو بند کرتے ہوئے جہاں زینب و ام کلثوم
اور حسنؑ و حسینؑ کو آواز دی تھی وہاں فضہ کو بھی پکارا تھا کہ ھلموا تزودوا امکم

آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

وفات جناب سیدہ کے بعد آپ کی زندگی

شہادت جناب فاطمہؑ زہرا کے بعد فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد
حضرت زینب و ام کلثوم کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے لیا تھا۔ علامہ مہدی
حائری لکھتے ہیں لما ماتت فاطمة انضمت الی زینب و کانت تخدمها فی
بیتها و تارة فی بیت الحسنؑ و تارة فی بیت الحسینؑ فلما خرجت عقیلة
القریش مع اخیها الحسین من المدینه الی العراق خرجت فضة معها
حتی اتت کربلا حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کے بعد جناب فضہ حضرت
زینب کی کنیزی میں آگئیں اور ان کے خانۂ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام
دینے لگیں اور بعض اوقات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے گھر میں بھی خدمت کے
فرائض انجام دیتی تھیں۔ پھر عقیلۃ القریش حضرت زینبؑ اپنے بھائی امام
حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جناب فضہ ان کے
ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔ (چودہ ستارے)

وفات جناب سیدہ کے بعد ورقہ بن عبداللہ ازدی نے حج کے موقع پر محمدؐ و
آل محمدؐ کی مدح سرائی کرتے سنا، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ فضہ ہیں تو
بعد آنحضرت معصومۂ عالمیان کے رنج و غم کا حال ان سے دریافت کیا۔ اس
سوال پر فضہ تڑپ گئیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا اے ورقہ! تو نے
میرے دل کی دبی ہوئی آگ کو پھر روشن کر دیا۔ پھر اس طرح بیان کرنے لگیں
اے ورقہ! وفات پیغمبرؐ قیامت کا نمونہ تھی۔ صبر قلیل رہ گیا تھا مصائب کثیر تھے
ہر آنکھ رو رہی تھی، ہر دل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ زن و مرد صغیر و کبیر جزع و

فزع کر رہے تھے مگر ان سب سے زیادہ بے تاب میری بی بی فاطمہؑ تھیں۔ ہر لمحہ رنج و غم بڑھ رہا تھا اور ہر لحظہ حالت متغیر تھی۔ سات روز جب اسی طرح بسر ہوئے تو آٹھویں دن آپ باپ کی قبر پر آئیں۔ مرد راستہ چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے آپ کو حلقہ میں لے لیا۔ قلب مدینہ سے ایک دردناک آواز پیدا ہوئی جو آسمان تک گئی۔ چراغ دانوں پر چراغ گل ہو گئے۔ آپ اس شان سے چلیں کہ دیکھنے والی عورتوں کو گمان ہوا کہ آنحضرتؐ قبر سے باہر آگئے۔ ایک دہشت عظیم پھیل گئی۔ آپ نے فریاد کی واابتاہ وا اسفاہ وا محمداہ واابا القاسماہ یا ربیع الارامل والیتامیٰ امن القبلة والمصلی ومن لا بنتك الوالهة الثكلى۔ آپ کے پائے مبارک لغزش میں تھے اور قبر جس قدر قریب ہوتی جاتی تھی رفتار میں سستی آتی جاتی تھی۔ قبر مطہر پر پہنچ کر آپ ایسا بے قراری سے روئیں کہ غش کھا کر گر پڑیں۔ پانی چھڑک کر ہوش میں لایا گیا آپ نے فرمایا دفعت قوتی وخانتی جلدی و شمت بی عدوی والکبد۔ میری طاقت سلب ہو گئی اور صبر نے ساتھ چھوڑ دیا، میرا دشمن خوش ہوا اور شماتت کرنے لگا۔ بابا! آپ کے بعد میرا کوئی مونس نہ رہا جس سے دل بہلے یا کوئی میرے آنسو پونچھے۔ آپ کے اٹھ جانے سے سلسلہ وحی منقطع اور ملائکہ کی آمد و رفت مسدود ہو گئی۔ دنیا کا رنگ بدل گیا، کھلے ہوئے دروازے بند ہو گئے۔ اب میں دنیا سے بیزار اور آپ پر رونے کے لیے تیار ہوں۔ آپ سے ملنے کا شوق زیادہ اور رنج و غم افزوں ہے۔ پھر فاطمہؑ نے ایک آہ کی۔ قریب تھا کہ روح جسم سے مفارقت کر جائے۔ اے ورقہ! سیدہ عالم کی ان کے باپ کے غم میں یہ حالت تھی۔

(ناسخ التواریخ جلد ۴ ص ۱۶۰)

واقعہ کربلا میں آپ کی شرکت

جناب فضہ وہ مقدس خاتون ہیں جنھوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کی کنیزی کو اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی سمجھ لیا تھا۔ انھوں نے اس کنیزی میں وہ رنگ بھرا کہ قیامت تک ان کا نام محمدؐ و آل محمدؐ کے تذکروں میں مہتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔ جب وفات پیغمبرؐ کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا اے فضہ! میں تم سے بہت خوش جا رہا ہوں، اگر کوئی تمنا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ جناب فضہ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں کنیزیِ بتول سے بہتر کوئی چیز نہیں سمجھتی، اب کس نعمت کا سوال کروں۔ حضورؐ پر نور نے فرمایا فضہ! تیری تین دعائیں قبول ہیں جو دل چاہے مانگ لے، اللہ تیری تین دعائیں قبول فرمائے گا۔ فضہ نے دست بستہ عرض کی یا رسولؐ اللہ! اگر میری تین دعائیں قبول ہیں تو ایک دعا تو میں یہ مانگتی ہوں کہ میں امام حسینؑ اور بی بی زینب کو اکثر دیکھتی ہوں کہ دونوں بھائی بہن بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں کہ ہم کربلا جائیں گے اور بچوں کا خون دے کر اسلام کی نصرت کریں گے۔ زینبؑ تم چادر دینا اور میں سر دوں گا۔ یا رسولؐ اللہ! جب یہ دونوں بھائی بہن کربلا جائیں تو میں بھی اس وقت تک زندہ رہوں۔ دوسری دعا یہ ہے کہ امام حسینؑ مجھے ساتھ بھی لے جائیں۔ تیسری دعا یہ ہے کہ اس وقت تک خدا میرے جسم میں اتنی طاقت و قوت باقی رکھے کہ میں امام حسینؑ اور جناب زینبؑ کی خدمت کر سکوں۔ پیغمبرؐ اسلام یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا فضہ! تیری یہ تینوں دعائیں بارگاہ خداوندی میں قبول ہیں۔

کسی شخص نے جناب فضہ پر اعتراض کیا کہ اے فضہ! تجھے مانگنے کا

طریقہ نہیں آتا۔ اگر حضورؐ مجھ سے فرماتے کہ تین دعائیں مانگ لو تو میں وہ سب
کچھ مانگتا کہ دنیا قیامت تک میری تعریف کرتی۔ فضہ نے پوچھا آپ کیا مانگتے
جواب دیا کہ میں ایک تو قیامت تک کی زندگی مانگتا، دوسرے قیامت تک
بادشاہی مانگتا اور تیسرے مرنے کے بعد جنت مانگتا۔ گویا دنیا بھی اور آخرت
بھی۔ فضہ نے جو جواب دیا اس کو کسی شاعر نے ان الفاظ میں کیا خوب
بیان کیا ہے ؎

بلبل کو گل پسند گلوں کو ہوا پسند — ہم بوترابیوں کو ہے خاکِ شفا پسند
یہ اپنی اپنی طبع ہے اے ساکنانِ خلد — تم کو ارم پسند ہمیں کربلا پسند

جناب فضہ نے محبت اہل بیتؑ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں لیکن زندگی
کے آخری لمحات تک ان کا دامن نہ چھوڑا۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھیں۔
مدینہ سے کربلا تک سفر کی صعوبتوں اور کربلا کے مصائب و آلام میں شریک
رہیں اور خاندان نبوت کی خدمت کرتی رہیں۔ جناب زینبؑ کو ہر حیثیت سے
اپنی شاہزادی کا قائم مقام سمجھتی تھیں اور ان کا اسی طرح احترام کرتی تھیں۔
امام حسینؑ اور جناب زینبؑ بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ جب امام
مظلوم روز عاشور آخری رخصت کے لیے در خیمہ پر آئے ہیں تو اپنی بہن
زینب و ام کلثوم اور صاحبزادی فاطمہ اور سکینہ کے ساتھ جناب فضہ کو بھی
سلام کیا ہے۔

۱۱ر محرم الحرام کو جب اہل بیتؑ کی روانگی کا وقت آیا تو جناب زینبؑ
نے تمام عورتوں اور بچوں کو سوار کرادیا لیکن جناب زینبؑ کو سوار کرانے
والا کوئی نہیں تھا، راوی کہتا ہے کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ
رنگ کی سن رسیدہ کنیز آگے بڑھی اور اس نے سوار کرایا۔ میں نے لوگوں

سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ فضہ ہیں جو فاطمہ زہراؑ کی
کنیز ہیں۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۵۴ ماخوذ از چودہ ستارے)

کربلا کے بعد بھی وہ تمام مرحلوں میں جناب زینب و ام کلثوم کے ساتھ
تھیں۔ جب یزید نے اہل حرم کو اپنے دربار میں بلایا تو مخدرات عصمت اس
طرح بھرے دربار میں داخل ہوئیں کہ ان کے بازوؤں میں رسی بندھی ہوئی
تھی اور سب برہنہ سر تھیں۔ جناب زینب کے سامنے جناب فضہ کھڑی
تھیں۔ یزید نے چاہا کہ ان کو ہٹا کر آپ سے باتیں کرے۔ جناب فضہ کسی
صورت سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ یزید نے حکم دیا کہ اس حبشی کنیز کو
تازیانے مار کر ہٹا دو۔ اس وقت یزید کی پشت پر کچھ حبشی ننگی تلواریں لیے
کھڑے تھے۔ یہ سن کر جناب فضہ نے ان سے فرمایا کہ تمھاری غیرت کو کیا ہو
گیا ہے کہ یزید تمھارے قوم و قبیلہ کی عورت پر ظلم کر رہا ہے اور تم کھڑے
دیکھ رہے ہو۔ یہ سنتے ہی وہ غلام یزید کے سامنے آگئے اور کہنے لگے
اے یزید! یہ عورت ہمارے قوم و قبیلہ کی ہے، اگر اس کے ساتھ کوئی
زیادتی ہوئی تو ہم سے برداشت نہ ہوگا اور یہیں خون کے دریا بہہ جائیں گے۔
جب حبشیوں کی یہ باتیں جناب فضہ نے سنیں تو رو کر کہنے لگیں اے بدبختو!
میں تمھاری حمایت سے ذرا خوش نہیں، تم ایک کنیز کا تو اتنا خیال کر رہے
ہو اور میری شہزادی جناب زینب کی بے پردگی کا ذرا خیال نہیں۔ کیا تم
نہیں جانتے کہ یہ کون زینب ہیں؟ ارے یہ تمھارے نبیؐ کی نواسی ہیں۔

زندان شام میں وہ اہل حرم کے ساتھ تھیں۔ جتنی مصیبتیں خاندان
رسولؐ پر نازل ہوئیں فضہ پہلو سے پہلو ملائے رہیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد وہ
پوری زندگی سایہ کی طرح جناب زینبؑ کے ساتھ رہیں اور اپنے مولا امام حسینؑ

کی وصیت پر عمل فرماتی رہیں جو رخصت آخر کے وقت آپ نے فضہ سے
فرمائی تھی کہ اے فضہ! میری بہن زینبؑ کا خیال رکھنا وہ ہر محل پر اس ارشادِ
امام کی طرف متوجہ رہیں۔ جب آپ قید یزید سے چھوٹ کر مدینہ واپس آئیں
تو گوشہ نشین ہوگئیں اور ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ کیا کہنا آپ کی محبت اہل بیتؑ سے
محبت کا اور کیا کہنا آپ کے ایمانی مراتب کا۔

وفات

بروایت خلاصۃ المصائب مدینہ سے دوبارہ شام کی جانب جناب
زینب کو سفر کرنا پڑا تب بھی آپ شہزادی زینب کے ساتھ تھیں اور جب
قریب دمشق جناب زینب کی شہادت واقع ہوئی تو آخری خدمات کا شرف
حاصل کر کے قبر کی مجاوری اختیار کی اور اپنی شہزادی کے قدموں میں جان دے
دی۔ آپ کی قبر بھی آج زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ آپ کی صحیح تاریخ وفات
معلوم نہ ہو سکی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی قبر بائیں پائے حضرت
زینب اسی روضہ میں ہے جس کو آج زینب بنت فاطمہؑ زہرا کا روضہ کہا
جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود جناب زینب کا دوبارہ شام کی طرف
جانا ہی ثابت نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ روضہ بنات طاہرات جناب
امیر المومنینؑ میں سے کسی اور صاحبزادی کا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

خدا ہر ایک اس مرد و عورت کو جو غلامی اہل بیتؑ کا دم بھرتا ہے اس
کنیز فاطمہ زہراؑ کے مزار کی زیارت کا شرف بخشے اور ان کے نقش قدم پر چلنے
کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عمر: آپ کی عمر ایک سو بیس سال بتائی جاتی ہے۔

اولاد

ابو القاسم قشیری والے واقعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کے چار فرزند
تھے جن کے نام داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ تھے۔

علامہ نجم الحسن کراروی مرحوم نے آپ کی اولاد کے سلسلہ میں ایک لڑکی
بھی لکھی ہے جس کا نام مسکہ تھا۔ اس لڑکی کی ایک لڑکی تھی جس کا نام شہرت
تھا۔ شہرت ایک دن حج کو جا رہی تھی، راستہ میں اس کی سواری تھک کر بیٹھ
گئی۔ اس نے آسمان کی طرف منھ کر کے کہا خدایا تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا
اب نہ گھر جا سکتی ہوں نہ مکہ پہنچ سکتی ہوں۔ راوی مالک بن دینار کہتا ہے کہ
اس کہنے کے فوراً بعد جنگل کے درختوں سے ایک شخص اونٹنی کی مہار پکڑے
ہوئے برآمد ہوا اور اسے بٹھا کر مکہ لے گیا۔ (بحار الانوار، سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۲۵،
مناقب ج ۲ ص ۳۰، چودہ ستارے)

جناب شہر بانو

اسلام سے قبل دنیا کی ہر قوم میں یہ رواج عام تھا کہ حملہ آور قوم اپنی مفتوح قوم کے بقیۃ السیف کے لیے آزادی کی راہیں بند کر کے انھیں غلام بنا لیتے تھے اور پھر ان کی اولاد موروثی غلام قرار دے لی جاتی تھیں، ان میں زیادہ تر عورتیں ہوتیں جو کنیز بنا لی جاتی تھیں۔ ان کنیزوں میں شاہی خاندان کی عورتیں بھی ہوا کرتی تھیں لیکن اسلام نے شاہی خاندانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کا ہمیشہ احترام کیا اور فرمایا "بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔" رسولؐ خدا کا ارشاد ہے "تمھارے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو اگرچہ وہ تمھارا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔" چنانچہ جب معزز خاندانوں کی عورتیں اسیر ہو کر آتی تھیں تو انھیں کنیز نہیں بنایا جاتا تھا بلکہ انھیں شوہر کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا جاتا تھا اور ان کا مہر بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا۔ انھیں معززہ و محترم خواتین میں جناب شہر بانو بھی ہیں جن کے اعزاز کو باقی رکھا گیا اور امام حسینؑ سے منسوب کیا گیا اور ان کے بطن سے جناب علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔

آپ کا خاندان

شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہر بانو بادشاہ ایران یزدجرد بن

شہریار بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل "کسرای" کی بیٹی تھیں۔ (ارشاد ص ۳۹۱) آپ معروفۃ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں۔ نوشیرواں عادل وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے پر سرورِ کائنات نے اظہار مسرت فرمایا ہے۔ شیخ سلیمان قندوزی اور دیگر علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کے عدل کی برکت تو دیکھو کہ اسی کی نسل کو آل محمدؐ کے نور کی حامل قرار دیا اور ائمہ طاہرین کی ایک عظیم فرد کو اس کی لڑکی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہر بانو کو نصیب ہوا جو حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۱۵)

زمخشری نے اپنی کتاب ربیع الابرار میں نبی کریمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے صرف دو قبیلوں کو منتخب فرمایا، عرب میں سے قبیلہ قریش کو اور عجم میں سے ابن فارس کو۔ اور امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ انا ابن الخیرتین یعنی میں دو منتخب شدہ خاندانوں کا فرزند ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ کے جدِ نامدار حضرت رسولِ خدا قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کی والدہ گرامی بادشاہ یزدجرد (شاہ فارس عجم) کی دختر نیک اختر تھیں۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہر بانو کو "سیدۃ النساء" کہا جاتا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۱۳۱)

آپ کا نام

آپ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کشف الغمہ میں مرقوم ہے کہ آپ ام ولد تھیں اور آپ کا نام غزالہ تھا بلکہ ایک قول کے مطابق آپ کا نام

شاہ زنان دختر یزدجرد تھا اور اس کے علاوہ دوسرا نام بھی بتایا گیا ہے۔ (کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۶۰، ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۳)

حافظ عبدالعزیز کا قول ہے کہ آپ کو سلافہ کہتے تھے اور ابراہیم بن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کا اسم گرامی غزالہ تھا اور آپ ام ولد تھیں۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۴) ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کا نام خولہ تھا۔

آپ کے حالات

الخرائج والجرائح میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ جب یزدجرد بن شہریار کی بیٹی جو شاہان فارس میں آخری بادشاہ تھا اور حضرت عمر کے زمانہ میں جس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، مدینہ میں داخل ہوئیں تو مدینہ کی لڑکیوں نے انھیں غور سے دیکھا اور ان کے چہرے کی روشنی سے پوری مجلس جگمگا اٹھی۔ جب حضرت عمر پر ان کی نظر پڑی تو کہنے لگیں "آہ بیروز باد ہرمز"۔ یہ سن کر حضرت کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ اس عجمی کافرہ نے مجھے گالی دی ہے اور انھوں نے اس کو سزا دینی چاہی لیکن امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب نے فرمایا کہ جو چیز آپ کو معلوم نہ ہو اس سے آپ کو انکار کا حق نہیں۔ پھر حضرت عمر نے ان کو فروخت کے لیے اعلان کرایا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافرہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ انھیں حکم دیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کو منتخب کرلیں تاکہ اس سے شادی ہو جائے اور اس شخص کو بیت المال سے جو ملے اس میں اس کا مہر اور اس مہر کو اس کی قیمت میں محسوب کرلیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں یہی کرتا ہوں۔

چنانچہ دختر یزدجرد کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ کسی کا انتخاب کرلیں۔ یہ سن کر وہ چلیں اور انھوں نے امام حسینؑ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے دختر یزدجرد سے دریافت فرمایا کہ اے کنیز! چہ نام داری (اے کنیز! تیرا کیا نام ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ میرا نام جہاں شاہ ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ تمھارا نام شہربانو ہے جس پر وہ کہنے لگیں کہ یہ تو میری بہن کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک تم ٹھیک کہتی ہو۔ پھر آپ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کا بہت خیال رکھنا اور اس کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔ اس کے بطن سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو تمھارے بعد اپنے وقت کا اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا اور یہ ذریت طیبہ کے اوصیاء کی ماں ہوگی۔ چنانچہ انھیں کے بطن سے امام علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے۔ (الکافی ج ۱ ص ۴۶۶، زمر الخرائج ورمز البصائر باب ۱۱ ج ۷ الذریعہ ج ۷ ص ۱۴۶)

مروی ہے کہ جناب شہربانو نے امام حسین علیہ السلام کو اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ انھوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا تھا اور اپنی گرفتاری سے قبل ہی آپ اسلام لا چکی تھیں۔

اصل واقعہ یہ ہے جیسے آپ نے خود بیان کیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی آمد سے قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ امام حسینؑ بھی ہیں اور آپ نے ان سے میرا نکاح پڑھا۔ جب صبح ہوئی تو میرے دل میں سوائے اس خواب کے اور کوئی بات نہ تھی۔ جب دوسری شب آئی تو میں نے دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور مجھے اسلام لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں اسلام لے آئی پھر مجھ سے

فرمایا کہ مسلمان فتح پائیں گے اور تم عنقریب میرے فرزند حسینؑ کے پاس صحیح و سالم اس طرح پہنچو گی کہ تمھیں کسی برائی نے نہ چھوا ہو گا اور ایسا ہی ہوا کہ میں مدینہ میں اس حالت میں آئی کہ کسی نے مجھے چھوا تک نہیں۔

ارشاد مفید میں منقول ہے کہ جب شاہ زناں بنت کسریٰ اسیر ہو کر آئیں تو حضرت امیر المومنینؑ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے واقعۂ فیل کے سلسلہ میں اپنے باپ سے کیا سنا ہے تو عرض کرنے لگیں کہ مجھے یاد ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جب خداوند عالم کسی کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو اس کے سامنے بڑی بڑی خواہشیں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں اور جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو پھر موت کا کوئی بہانہ ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تمھارے باپ نے کیا عمدہ بات کہی ہے کہ تقدیر کے سامنے تمام امور عاجز ہو جاتے ہیں اور انسان کی موت خود اسی کی تدبیر سے آجاتی ہے۔
(ارشاد المفید ص ۱۶۰)

کتاب دلائل الامامۃ میں ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم طبری بیان کرتے ہیں کہ جب فارس کے قیدی مدینہ میں آئے تو حضرت عمر نے چاہا کہ قیدی عورتوں کو فروخت کر دیا جائے اور مردوں کو غلام بنا لیا جائے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کے معزز لوگوں کا احترام کرنا چاہیے۔

حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں نے بھی آنحضرتؐ کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمھارے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو اگرچہ وہ تمھارا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے تم سے دوستی کی خواہش کی ہے

اور اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں اور بالخصوص یہ کہ انھیں میں سے میری اولاد اور ذریت پیدا ہو گی، میں تمھیں اور خدائے تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں میں سے ملنے والے اپنے حصۂ مال غنیمت سے رضائے خداوندی کی خاطر ہاتھ اٹھا لیا۔ یہ سن کر تمام بنی ہاشم کہنے لگے ہم نے بھی اپنا حق آپ کو بخش دیا۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ پالنے والے تو گواہ رہنا کہ ان لوگوں نے جو اپنے حصے مجھے بخشے ہیں میں نے بھی تیری خوشنودی کے لیے انھیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مہاجرین وانصار کے گروہ نے کہا کہ اے رسولؐ کے برادر! ہم بھی اپنا حق آپ کو بخشتے ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ پروردگارا تو گواہ رہنا کہ ان لوگوں نے بھی اپنا حق مجھے بخش دیا اور میں نے اسے قبول کیا نیز گواہ رہنا کہ میں نے انھیں تیری راہ میں آزاد کیا۔ حضرت عمر کہنے لگے کہ ان عجمیوں کے بارے میں کس لیے آپ نے میری مخالفت کی اور ان لوگوں کے بارے میں میری جو رائے تھی آپ اس سے کیوں کنارہ کش ہو گئے۔ جناب امیر المومنینؑ نے شرفائے قوم کے احترام کے بارے میں ارشاد نبوی کو دہرایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اے ابو الحسنؑ! میں نے بھی اس حصہ کو جو میرے لیے مخصوص ہے اور وہ باقی حصے جو آپ کو ہبہ نہیں کیے گئے خدا کو اور آپ کو بخش دیے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالٰہا! تو گواہ رہنا اس پر جو انھوں نے کہا اور میرے ان کے آزاد کرنے پر بھی گواہ رہنا۔

اس کے بعد قریش کے ایک گروہ نے ان عورتوں سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ یہ عورتیں اس سے انکار

تو نہیں کریں گی لیکن انھیں اپنے لیے انتخاب کا اختیار ہے۔ چنانچہ لوگوں کی ایک جماعت نے جناب شہر بانو دختر کسریٰ کی طرف اشارہ کیا اور انھیں اس انتخاب کا اختیار دیا گیا اور پردے کے پیچھے سے ان سے اس بارے میں کہا گیا کہ آپ ان میں سے کس شخص کا اپنے لیے انتخاب کرتی ہیں؟ یہ سن کر محترمہ خاموش رہیں اور جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ان کی اس خاموشی سے پتہ چلتا ہے کہ راضی ہیں لیکن ابھی انتخاب کا مرحلہ باقی رہ گیا ہے۔

حضرت عمر نے کہا کہ ان کی رضا بر غبت کا کیسے علم ہو گیا کہ وہ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں؟ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کے پاس جب کسی قوم کی شریف زادیاں حاضر کی جاتی تھیں جن کا کوئی ولی نہ ہوتا اور وہ کسی شخص سے منسوب کی جاتی تھیں تو آپ ان سے فرماتے کہ کیا تم برضا و رغبت شادی کے لیے راضی ہو؟ اگر وہ شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہتیں تو ان کی خاموشی کو ان کی اجازت سمجھ لیا جاتا تھا اور آنحضرتؐ ان کے نکاح کے احکام جاری فرما دیتے بصورت دیگر جب وہ انکار کر دیتیں تو ایسی عورتوں کو شوہروں کے انتخاب کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جناب شہر بانو سے بھی کہا گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور حضرت امام حسینؑ کو منتخب کر لیا۔ ان سے اس انتخاب کے بارے میں دوبارہ کہا گیا پھر بھی انھوں نے اپنے ہاتھ سے امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ "ھذا" (وہ یہ ہیں) اور اپنا ولی امیر المومنینؑ کو بنایا اور جناب حذیفہ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ جب امیر المومنین علیہ السلام نے ان کا نام پوچھا تو انھوں نے شاہ زناں دختر کسریٰ بتایا جس پر آپ نے فرمایا کہ تم شہر بانو ہو اور تمھاری بہن مروارید دختر کسریٰ ہے۔ انھوں نے اس کا اقرار کیا۔ (دلائل الامامۃ ص ۸۱ مطبوعہ نجف اشرف)

ارشاد مفید میں منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ابو محمد علی زین العابدین علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے جن کی کنیت ابو الحسن ہے اور مادر گرامی شاہ زناں دختر یزدجرد بن شہر یار کسریٰ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام شہر بانو تھا اور جناب امیر المومنینؑ نے حریث بن جابر کو مشرقی حصے پر عامل مقرر فرمایا تو یزدجرد بن شہر یار کی دونوں بیٹیوں کو ان کے پاس روانہ کیا۔ آپ نے ان میں سے شاہ زنان کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمایا جن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے اور دوسری بیٹی کو محمد بن ابی بکر کو بخش دیا جن سے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔ (ارشاد شیخ مفید ص ۲۶۹، ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۸)

اس طرح امام زین العابدینؑ اور جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔

ہمارے نزدیک جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے۔

وفات

امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۱۵ جمادی الاولیٰ یا بقول ۵ شعبان ۳۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی لیکن افسوس آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھا نہ سکے۔ آپ کی ولادت کے فوراً ہی بعد آپ کی مادر گرامی جناب شہر بانو کی وفات ہو گئی۔ (جلاء العیون)

امام حسین علیہ السلام کی ایک کنیز نے امام زین العابدین علیہ السلام کو پرورش کیا۔ آپ اس کنیز کو ماں کہتے تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کی

شہادت ہوگئی تو امام زین العابدینؑ نے اس کنیز کی اپنے شیعوں میں سے ایک کے ساتھ اس کی شادی کردی۔ اس سبب سے یہ شہرت ہوگئی کہ امام زین العابدینؑ نے اپنی ماں کی ایک شیعہ سے شادی کردی تھی۔ (جلاء العیون ص ۴۹۶)

خدا نے نوشیروان عادل کو اس کے عدل کا یہ صلہ دیا کہ اس کی پوتی جناب شہر بانو نے نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجیت اور امام چہارم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ماں بن کر ام الائمہ ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔

جناب حمیدہ خاتون

نام و نسب

آپ کا نام حمیدہ تھا ملک بربر کی رہنے والی تھیں۔ بعضوں نے آپ کو اندلسی کہا ہے۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد صاعد بربری تھے اور آپ کی کنیت لولؤ (موتی) تھی۔ (مناقب ج ۵ ص ۷۶)

آپ صاحب جمال و کمال اور نہایت دیانت دار تھیں۔ علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ وہ ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں۔

خدمت امام جعفر صادق علیہ السلام میں آپ کی آمد

قطب راوندی اور دیگر حضرات نے ابن عکاشہ اسدی سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی اس وقت وہاں آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ بھی موجود تھے۔ آپ نے انگور طلب فرمائے۔ درمیان گفتگو ابن عکاشہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنے ان صاحبزادے کی شادی کیوں نہیں کرتے، ماشاء اللہ اب تو یہ شادی کے قابل بھی ہو گئے ہیں۔ اس وقت آپ کے سامنے سربھر (رقم کی) تھیلی رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا ہاں عنقریب ایک بردہ فروش اہل بربر سے آنے والا ہے اور وہ خانہ میمونہ میں قیام کرے گا

تو میں اس کے لیے اس رقم کی تھیلی سے ایک کنیز خریدوں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس بات کو چند دن گزرے کہ میں ایک دن پھر امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ بردہ فروش جس کا ذکر میں نے کیا تھا وہ آگیا ہے۔ تم جاؤ اور اس سے ایک کنیز خرید لاؤ۔ یہ کہہ کر رقم کی تھیلی آپ نے مجھے دے دی۔ الغرض ہم اس تھیلی کو لیے ہوئے بردہ فروش کے پاس پہنچے۔ اس نے بتایا کہ ہم ساری کنیزیں فروخت کر چکے ہیں علاوہ دو کنیزوں کے جو بیمار ہیں، وہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ہم نے دونوں کو دیکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ انھیں لایا ہم نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کی کیا قیمت لوگے؟ اس نے جواب دیا کہ میں، ستر سے ایک دینار بھی کم نہ لوں گا۔ اس پر ہم نے کہا کہ اچھا اس تھیلی میں جس قدر رقم ہے اس پوری رقم کے عوض اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے؟ بولو کیا تمھیں یہ سودا منظور ہے؟

اس وقت اس بردہ فروش کے پاس ایک بوڑھا شخص جس کی داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے، بولا: "تھیلی کھول کر دیکھو تو کتنی رقم ہے؟" بردہ فروش نے کہا نہیں، تھیلی مت کھولو۔ اگر اس میں ستر سے ایک بھی کم ہوا تو میں اسے فروخت نہ کروں گا۔ اس بزرگ نے کہا ذرا کھولنے تو دو اس کے کہنے پر ہم نے وہ تھیلی کھولی اور رقم شمار کی تو پورے ستر ہی دینار تھے۔

چنانچہ ہم اس کنیز کو لے کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے اس کی خریداری کا سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کنیز سے اس کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے کہا حمیدہ۔

آپ نے فرمایا تو دنیا میں حمیدہ ہے اور آخرت میں محمودہ ہے۔ آپ نے مزید دریافت فرمایا کہ آیا وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے جواب دیا غیر شادی شدہ۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ بردہ فروشوں کے ہاتھ تو جو چیز لگتی ہے وہ اس کو خراب ہی کر دیتے ہیں۔ حمیدہ نے کہا ہاں، یہ بردہ فروش ہمارے پاس بری نیت سے جب بھی آتا تو ایک مرد پیر سال جس کی داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے، اس کو طمانچے مار مار کر نکال دیا کرتے اور وہ بردہ فروش ہمارے پاس بھی نہ آسکتا تھا اور ایسا کئی بار ہوا اور خصوصاً میں تو اس سے بالکل ہی محفوظ رہی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا، یہ کنیز تم لے لو کیونکہ اس کے بطن سے موسیٰ بن جعفر پیدا ہوں گے جو روئے زمین پر سب سے بہتر ہوں گے۔ (جلاء العیون ص ۵۲۵-۵۲۴)

جناب حمیدہ کی عفت پر نص امام

معلیٰ بن خنیس سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حمیدہ تمام گندگیوں سے پاک ہے جس طرح کھرا سونا۔ فرشتے اس کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم تک پہنچی۔ یہ اللہ کا کرم ہے مجھ پر اور میرے بعد کے حجت خدا پر۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت

ابو بصیر سے روایت ہے کہ جس سال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ولادت ہوئی میں آپ کے ساتھ سفر میں تھا

جب ہم لوگ مقام ابوار پر ٹھہرے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے
اپنے اصحاب کے لیے قسم قسم کے لذیذ کھانوں کا دسترخوان بچھایا۔ ابھی ہم کھانے
میں مشغول ہی تھے کہ جناب حمیدہ نے کسی کی معرفت پیغام بھیجا کہ مجھے درد
زہ سے سخت تکلیف ہے اور آپ کا حکم ہے کہ اس بچے کی ولادت کے سلسلہ
میں بغیر آپ کے پوچھے کوئی تدبیر نہ کروں، آپ کا کیا حکم ہے۔ یہ سن کر حضرت
امام جعفر صادقؑ خوش وخرم اٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے تشریف
لائے۔ ہم نے عرض کیا اللہ ہمیشہ آپ کی آنکھوں کو خنک اور دندان مبارک
کو متبسم رکھے، جناب حمیدہ خاتون نے کس ہستی کو جنم دیا ہے؟ آپ نے
فرمایا، اللہ نے مجھے ایک ایسا فرزند عطا کیا ہے جو اللہ کی مخلوقات میں سب سے
بہتر ہے اور بچے کی والدہ نے مجھے اس بچے کے متعلق وہ باتیں بتائیں جو میں
اس کے متعلق اس سے زیادہ جانتا تھا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان،
انھوں نے اس بچے کے متعلق آپ سے کیا بیان کیا؟ آپ نے فرمایا کہ انھوں نے
یہ بیان کیا کہ اس بچے نے پیدا ہوتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر
آسمان کی طرف بلند کیا۔ میں نے حمیدہ سے کہا کہ رسولؐ کی ولادت کے وقت
آنحضرتؐ کی رسالت کی پہچان بھی یہی تھی اور آپ کے بعد یہی عمل ہر امام کی
امامت کی بھی پہچان ہے۔ میں نے کہا میں آپ پر قربان، امام کی علامات اور
پہچان کیا ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا سنو! جس شب کو میرے جد (امام زین العابدینؑ)
کا استقرار حمل ہوا اس شب کو میرے والد کے جد (امام حسینؑ) آرام فرما رہے
تھے کہ آپ کے پاس ایک غیبی ہستی ایک کاسہ لے کر آئی جس میں ایک قسم
کا شربت تھا جو پانی سے زیادہ رقیق، دودھ سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ

نرم، شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا وہ اس نے آپ کو
پلایا اور کہا کہ اب آپ اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے جائیں۔ آپ خوش وخرم
اٹھے اور آپ نے اپنی زوجہ سے مقاربت فرمائی اس طرح میرے جد کا استقرار
حمل ہوا اور جس شب کو میرے والد کا استقرار حمل ہوا تو اس شب کو بھی
میرے جد کے پاس ایک غیبی ہستی آئی اور اس نے میرے جد کو بھی ویسا ہی
کاسۂ آب پلایا جیسا میرے جد کے والد کو پلایا تھا اور کہا جائیے۔ آپ بھی خوش
خوش کھڑے ہوئے اور اپنی زوجہ سے مقاربت فرمائی۔ اسی شب میرے والد
کا استقرار حمل ہوا اور آپ کو بھی ویسا ہی کاسۂ آب پیش کیا اور ان سے بھی
وہی کہا۔ چنانچہ وہ بھی خوش وخرم اٹھے اور اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے
گئے۔ اس طرح میرا استقرار حمل ہوا اور جس شب کو میرے اس فرزند کا استقرار
حمل ہوا اس شب کو میرے پاس بھی وہی غیبی ہستی آئی۔ اس نے مجھے بھی
ویسا ہی کاسۂ آب پلایا اور مجھ سے بھی زوجہ سے مقاربت کے لیے کہا۔ چنانچہ
میں بھی خوش وخرم اٹھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ ہمیں کیا عطا کرنے والا ہے
میں نے اپنی زوجہ سے صحبت کی اور اس مولود کا استقرار حمل ہوا۔ اب یہ میرے
بعد تمھارا امام ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا دیکھو، امام کا نطفہ یوں قرار پاتا ہے اور جب یہ
نطفہ رحم مادر میں چار ماہ تک رہ لیتا ہے تو اس میں روح پیدا کی جاتی ہے۔
پھر اللہ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کا نام حَیوان ہے اور وہ اس
کے داہنے بازو پر یہ لکھ دیتا ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَّا
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (سورہ انعام ۱۱۵) اور جب اس کا بطن مادر سے وضع حمل ہوتا
ہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتا اور سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے

اور جب وہ مولود ایسا کرتا ہے تو منجانب رب العزت افق اعلیٰ سے ایک منادی
درمیان عرش اس کا اور اس کے باپ کا نام پکار کر کہتا ہے کہ اے فلاں بن فلاں
میں نے تیرے عظیم وجود کے لیے تین باتیں طے کر دیں۔ ایک یہ کہ تو میری مخلوقات
میں میرا منتخب بندہ ہے، میرے اسرار علمی کا خزینہ، میری وحی کا امین اور
میری زمین پر میرا خلیفہ ہے۔

دوسرے یہ کہ تیرے اور تیرے ماننے والوں کے لیے میری رحمت لازمی
ہے۔ میں نے تجھے اور تیرے ماننے والوں کو اپنی جنت بخش دی اور اپنے قرب
وجوار میں جگہ دی۔ تیسرے یہ کہ تیرے دشمنوں کو شدید عذاب میں مبتلا
کروں گا خواہ میں نے دنیا میں انھیں کتنی ہی وسعت رزق کیوں نہ دی ہو۔
آپ نے فرمایا کہ جب منادی کی یہ آواز ختم ہوتی ہے تو یہ نومولود اپنے دونوں
ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے اور سر آسمان کی طرف بلند کیے ہوئے یہ کہتا ہے
شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (سورہ آل عمران آیت ۱۸)

جب وہ مولود یہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو علم اولین و آخرین عطا فرماتا
ہے اور وہ اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ شب قدر میں اس پر روح کی زیادتی
ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کیا روح سے مراد جبرئیل نہیں ہیں؟
آپ نے فرمایا نہیں بلکہ روح ایک مخلوق ہے جو جبرئیل سے بھی بڑی ہے۔
جبرئیل ملائکہ میں سے ہے اور روح ملائکہ سے بڑی مخلوق ہے۔ کیا اللہ
تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

(سورۃ القدر آیت ۴)

اہل مدینہ کی تین دن تک دعوت

منہال قصاب کا بیان ہے کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہا تھا
تو مقام ابواء سے گزرا اس وقت حضرت امام جعفر صادق کے یہ (امام موسیٰ
کاظم) تولد ہو چکے تھے۔ میں آپ سے پہلے مدینہ پہنچ گیا اور امام علیہ السلام
ایک دن بعد پہنچے تو آپ نے تین دن تک لوگوں کی دعوت عام کی اور میں بھی
دعوت کے کھانے والوں میں سے تھا اور پہلے دن اتنا کھانا کھا لیا کہ دوسرے
دن تک پھر کھانے کی حاجت نہ ہوئی اور پھر جب دوسرے دن کھایا تو اتنا
کہ تیسرے دن تک کھانے کی خواہش نہ ہوئی اور اس طرح میں تین دن تک
اس دعوت میں شریک رہا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ (ترجمہ بحار الانوار ص ۱۳-۱۲۔
جلاء العیون ص ۵۲۶-۵۲۵)

دوسری روایت جناب حمیدہ کا خدمت امام میں پہنچنا

ہشام بن احمر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مرتبہ سخت
گرمی کے ایک دن میرے پاس ایک آدمی کو بھیج کر مجھے بلایا اور مجھ سے فرمایا
کہ فلاں افریقی کے پاس چلے جاؤ اس کے پاس ایک کنیز ہے جس کے اوصاف
یہ ہیں اور اس حلیہ کی وہ کنیز ہے۔ حسب الحکم میں اس افریقی کے پاس گیا اور
اس کے پاس جتنی کنیزیں تھیں سب کو دیکھا مگر جن اوصاف و حلیہ کی کنیز آپ
نے بتائی تھی وہ نظر نہیں آئی۔ میں نے واپس آکر عرض کیا کہ ان اوصاف کی
کوئی کنیز اس کے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا دوبارہ جاؤ، اس کے پاس
ان اوصاف کی ایک کنیز ہے۔

الغرض میں پھر اس افریقی کے پاس گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ میرے پاس جتنی کنیزیں تھیں سب دکھا دیں بس صرف ایک کنیز ہے جو بیمار ہے، اس کے سر کے بال تک کٹے ہوئے ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ دکھائی جا سکے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے دکھاؤ تو سہی۔ اس نے میری بات مان لی اور پھر وہ بیمار کنیز دو کنیزوں کا سہارا لیے ہوئے آئی۔ میں نے وہ اوصاف و علامات اس میں دیکھیں، پوچھا اس کی کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا تم اس کنیز کو ان کے پاس پہنچا دو، وہی فیصلہ کریں گے کہ اس کی کیا قیمت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ جب سے میں نے اس کو خریدا ہے ہر چند کوشش کی مگر اس پر قدرت نہ پا سکا اور جس سے میں نے اس کو خریدا وہ بھی اس پر قدرت نہ پا سکا تھا اور اس کنیز کا حلفیہ بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں ایک چاند ہے۔

الغرض میں نے یہ ساری باتیں امام جعفر صادق علیہ السلام کو جاکر بتائیں تو آپ نے دو سو دینار مجھے دیے۔ میں وہ لے کر پھر اس مرد افریقی کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اس کی کوئی قیمت بھی نہ بھیجتے تو بھی میں اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتا۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جاکر اس کی یہ بات پھر کہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن احمر! اس کنیز کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔

شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں ہشام بن احمر سے اسی کے مثل روایت تحریر کی ہے مگر اس میں یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ بن جعفرؑ نے اس کنیز کو خریدنے کا حکم دیا تھا اور وہی حضرت امام رضا علیہ السلام کی والدہ گرامی تھیں۔ (کتاب الارشاد ص ۳۲۸)

جناب حمیدہ خاتون کے ذریعہ شیعوں کو امامؑ کی جانب سے نماز کے لیے تاکید

ابوبصیر سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات پر تعزیت کے لیے جناب حمیدہ خاتون کے پاس گیا۔ وہ رونے لگیں اور ان کے رونے پر مجھے بھی رونا آگیا۔ پھر بولیں اے ابو محمد! اگر تم حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق کو وقت احتضار دیکھتے تو تمھیں تعجب ہوتا۔ انھوں نے اسی عالم احتضار میں آنکھیں کھولیں اور فرمایا ہر اس شخص کو جس کے اور میرے درمیان قرابت ہے میرے پاس بلاؤ۔ ہم نے ایک ایک کر کے سب ہی کو جمع کیا اور ان کے پاس پہنچے۔ آپ نے ایک سرسری نظر سب پر ڈالی پھر فرمایا، سنو! ہماری شفاعت اس کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کا استخفاف کرے گا۔ یعنی نماز کو خفیف اور سبک جان کر پڑھے گا اس کو ائمہ کی شفاعت نصیب نہ ہو سکے گی۔

(ثواب الاعمال ص ۲۰۵، ترجمہ بحار الانوار ج ۸۷ ص ۹)

امام نے آپ کو اپنا وصی بنایا

ابو ایوب خوزی کا بیان ہے کہ مجھے ابو جعفر منصور نے نصف شب میں طلب کیا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہے سامنے شمع اور ہاتھ میں ایک خط ہے۔ میں نے سلام کیا تو اس نے وہ خط میری طرف پھینک دیا اور بولا لو دیکھو، یہ محمد بن سلیمان کا خط ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ جعفرؑ بن محمدؑ نے وفات پائی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور بولا انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ یہ اس نے تین بار کہا، پھر بولا افسوس اب جعفرؑ بن محمدؑ کا مثل کہاں ہے۔

پھر مجھ سے مخاطب ہوا کہ اس کا جواب لکھو۔ میں نے خط کا سرنامہ لکھا تو وہ بولا لکھو! اگر جعفرؑ بن محمدؐ نے کسی کو اپنا وصی بنایا ہو تو اسے بلاؤ اور اس کی گردن مار دو۔

اس کا جواب وہاں سے یہ لکھ کر آیا کہ جعفر بن محمد نے پانچ اشخاص کو اپنا وصی بنایا ہے ان میں ایک تو خود ابوجعفر منصور ہیں، دوسرے محمد بن سلیمان، پھر عبداللہ بن جعفر اور موسیٰ بن جعفر اور حمیدہ۔ منصور نے یہ جواب پاکر کہا، پھر ان لوگوں کو تو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ (غیبۃ طوسیؒ ص ۱۲۹، الکافی ج۱ ص ۳۱۰)

جناب حمیدہ خاتون کی اولاد

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ کا اسم گرامی حمیدہ تھا اور آپ ام ولد تھیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے علاوہ (۲) اسحاق (۳) محمد اور (۴) فاطمہ بھی آپ ہی کے بطن سے تھے۔ فاطمہ جن کی شادی محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوئی اور ان ہی کے پاس ان کا انتقال ہو گیا۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۸ ص ۲۷۲)

مناقب ابن شہر آشوب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد کی تعداد دس مرقوم ہے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، محمد دیباج اور اسحاق تینوں کو حمیدہ خاتون کے بطن سے بتایا ہے جو ام ولد تھیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی صرف ایک بیوی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن الحسین بن علی علیہ السلام تھیں اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حافظ عبدالعزیز ابن الاخضر الجنابذی کہتے ہیں کہ

وہ فاطمہ بنت الحسین الاثرم بن حسین بن علیؑ بن ابی طالب تھیں۔ اثرم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے آگے کے دانت گر گئے ہوں۔ یہ بہت تند مزاج تھیں اور رشک نسوانی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے شوہر کسی اور کنیز سے بھی مقاربت کریں۔ غالباً اسی وجہ سے کوئی اور زوجہ امام جعفر صادقؑ کی نہ تھیں اور کنیزیں بھی کم ہی تھیں۔ آپ کی دس اولادیں تھیں سات لڑکے اور تین لڑکیاں جن کے نام یہ ہیں: (۱) اسماعیل (۲) عبداللہ (۳) ام فروہ۔ یہ تینوں فاطمہ بنت الحسین اثرم سے ہیں۔ (۴) موسیٰ کاظمؑ (۵) اسحاق (۶) محمد۔ ان تینوں کی والدہ حمیدہ خاتون ہیں۔ (۷) عباسؑ (۸) علی (۹) اسمار (۱۰) فاطمہ صغریٰ۔ یہ سب مختلف ماؤں سے تھے جو بقول ابن شہر آشوب سب ام ولد یعنی کنیز تھیں۔ (نور المشرقین من حیاۃ الصادقین حصہ دوم ص ۲۴۳-۲۴۲)

اگرچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک زوجہ خاندان بنی ہاشم سے تھیں مگر خدا نے حجت خدا کی ماں ہونے کا شرف ان کی موجودگی میں جناب حمیدہ مصفاةؑ کو عطا کیا گیا اس کو کہتے ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کے بیٹوں کے مختصر حالات

اسحاق بن جعفرؑ

یہ نہایت متقی، پرہیزگار، صاحب فضل و اجتہاد تھے۔ اپنے بھائی حضرت موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل تھے۔ شکل و صورت میں جناب رسولؐ خدا سے مشابہ تھے۔ ان سے لوگوں نے بہت سی احادیث و اخبار کی روایت کی ہیں۔

چنانچہ جب کوئی شخص ان سے روایت حدیث کو نقل کرتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ بیان کیا مجھ سے ثقہ و رضی اسحاق بن جعفر نے۔

ان کا نکاح نفیسہ بنت حسن الانور بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب سے ہوا تھا جس سے قاسم وام کلثوم پیدا ہوئے۔ یہ عبادت وزہد میں مشغول رہتی تھیں، دن کو روزہ رکھتی تھیں رات کو عبادت الٰہی میں کھڑی رہتی تھیں تیس حج کیے تھے۔ اکثر خوف الٰہی میں گریہ وزاری کرتی رہتی تھیں۔ بغیر اپنے خاوند کے وہ کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ صاحب کرامات تھیں۔

محمد بن جعفر

ظاہری و باطنی حسن وجمال سے آراستہ تھے۔ کمال حسن کی وجہ سے ان کو محمد دیباج کہتے تھے۔ آپ کی زوجہ خدیجہ بنت عبداللہ بن حسن مثنیٰ تھیں۔ وہ ان کی خیرات کا حال بتاتی ہیں کہ جب کبھی نیا کپڑا پہن کر باہر جاتے تھے تو اس کو خیرات کر دیتے تھے۔ ہر روز ایک بکرا اپنے مہمانوں کے واسطے ذبح کر کے انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر انھوں نے بھی عمل کر کے مامون کے عہد میں سلطنت کی مخالفت کی مگر شکست کھا کر مامون سے صلح کر لی اور خراسان میں رہنے لگے۔ نہایت سخی، عابد و زاہد تھے۔ ان کا انتقال ۲۰۳ھ میں ہوا تھا۔ (نور المشرقین من حیات الصادقین حصہ دوم ص ۴۴۲ تا ۴۴۶ مصنفہ آغا سلطان مرزا دہلوی)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

سب سے زیادہ عالی قدر، مرتبہ میں بلند ترین اور عوام الناس میں بہت مشہور تھے۔ آپ کے دور میں نہ آپ جیسا سخی نظر آتا تھا اور نہ آپ سے بڑھ کر کریم النفس، آپ سب سے زیادہ عبادت گزار، زاہد و متقی اور سب سے زیادہ جلیل القدر اور فقیہ زمانہ تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار کے سارے ماننے والے آپ کی امامت کے قائل ہیں اور آپ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی امامت کے متعلق آپ کے پدر بزرگوار کی نص اور جانشینی کے متعلق ارشادات کی روایت کرتے ہیں۔ آپ سے علوم دین حاصل کرتے ہیں اور آپ کے متعلق ایسے معجزات و علامات بیان کرتے ہیں جن سے آپ کی امامت اور اللہ کی حجت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے فضائل و محاسن احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ ان کے تذکرہ کے لیے علیحدہ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ منصور خلیفہ آپ کا بہت دشمن تھا، مدینہ میں جاسوس چھوڑے ہوئے تھے کہ معلوم کریں کہ شیعوں کا امام کون ہے اور کس پر وہ مجتمع ہوئے ہیں تاکہ انھیں پکڑ کر قتل کرے۔ لہٰذا اکثر آپ کو بحالت تقیہ رہنا پڑتا تھا۔ (ترجمہ بحار الانوار، نور المشرقین حصہ دوم)

دختر

علامہ مجلسی نے ایک بیٹی کا تذکرہ کیا ہے جن کا نام فاطمہ تھا۔ ان کی شادی محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوئی اور ان ہی کے پاس ان کا انتقال ہو گیا۔

عمر، وفات اور مدفن

آپ کی عمر، وفات اور آپ کہاں دفن ہوئیں، ان تینوں باتوں کی تفصیلات سے تاریخ خاموش ہے۔

جناب نجمہ خاتون

اسم گرامی

آپ کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ آپ ام البنین، خیزران، مرسیہ، شقرا نوبیہ تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا نام اردی اور لقب شقرار تھا۔ کوئی سکن نوبیہ اور کوئی تکتم کہتا تھا اور نجمہ بھی آپ کا اسم گرامی تھا۔ آپ کو طاہرہ بھی کہا جاتا ہے اور صفرار بھی۔

آپ کے حالات

عون بن محمد کندی کا بیان ہے کہ میں نے ابوالحسن علی بن میثم کو یہ کہتے ہوئے سنا، ائمہ طاہرین اور ان کے مناکحات کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر (علیہما السلام) کی والدہ گرامی حمیدۂ مصفّاۃ نے جو خود اشرف عجم سے ایک معزز خاتون تھیں، ایک ایسی کنیز خریدی جو عرب ہی میں پیدا ہوئی تھی اور انھیں کے بچوں میں پلی بڑھی تھی، ان ہی کے آداب و اطوار سیکھے تھے اس کا نام تکتم تھا۔ وہ عقل وفہم، دین و دیانت کے لحاظ سے بہترین عورت تھی نیز اپنی مالکہ حمیدہ مصفاۃ کی اتنی تعظیم وعزت کرتی کہ جب سے انھوں نے اس کو خریدا ان کے سامنے کبھی نہیں بیٹھی۔ ایک دن حمیدہ مصفاۃ نے اپنے فرزند حضرت

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے کہا اے فرزند! میں نے اس کنیز سے بہتر کوئی کنیز نہیں پائی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس سے نسل کا سلسلہ قائم ہو تو اللہ اس کی نسل کو پاک وطاہر بنائے گا، لو یہ کنیز میں تمھیں ہبہ کرتی ہوں اور تم سے وصیت کرتی ہوں کہ اس کا بہت خیال رکھنا۔ جب تکتم کے بطن سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو تکتم کا نام طاہرہ ہو گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام ایام رضاعت میں اپنی والدہ کا دودھ بہت پیا کرتے تھے اور ہر حیثیت سے تنومند اور صحت مند تھے تو ان کی والدہ تکتم طاہرہ نے کہا کہ میری مدد کے لیے ایک دودھ پلانے والی چاہیے۔ پوچھا گیا کہ کیوں؟ کیا تمھارے دودھ میں کمی ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، خدا کی قسم میں جھوٹ نہ بولوں گی۔ میرے دودھ میں کمی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں چند اوراد و وظائف اور نماز و تسبیحات کے پڑھنے کی عادی تھی لیکن جب سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس میں کمی آگئی ہے۔ (عیون اخبار الرضا)

علی بن میثم نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی والدہ حضرت حمیدہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی والدہ نجمہ کو خریدا تو حمیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حمیدہ! یہ تیری کنیز نجمہ تیرے فرزند موسیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا تو حسب ہدایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے نجمہ کو اپنے فرزند موسیٰؑ کو ہبہ کر دیا اور جب اس کے بطن سے امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو نجمہ کا

نام طاہرہ رکھ دیا گیا۔ الغرض ان کے بہت سے نام ہیں جن میں نجمہ، اروی، سکن، سمان اور تکتم بھی ہیں اور تکتم ان کا آخری نام ہے۔

علی بن میثم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب جناب حمیدہ نے جناب نجمہ کو خریدا تو نجمہ باکرہ تھیں۔ (عیون اخبار الرضاؑ ص۱۶-۱۷)

صولی کا بیان ہے کہ حضرت ابوالحسن الرضا کا اصل نام علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہے۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام تکتم تھا اور جب یہ حضرت ابوالحسن موسیٰؑ بن جعفرؑ کی ملکیت میں آئیں آپ کا یہی نام قائم رہ گیا۔ (عیون اخبار الرضا ج۱ ص ۱۴)

ہشام بن احمد کا بیان ہے کہ حضرت ابوالحسن دوم (یعنی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام) نے مجھ سے پوچھا کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہاں اہل مغرب کا تاجر آیا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں، مجھے تو نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تاجر آیا ہے تم میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ یہ فرما کر آپ اپنی سواری پہ بیٹھے اور میں بھی سواری پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چلا۔

جب ہم اس تاجر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ واقعاً وہ مغرب کا رہنے والا ایک تاجر ہے اور اس کے پاس فروخت کے لیے چند کنیزیں ہیں۔ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اس تاجر سے فرمایا اپنی کنیزیں ہمیں بھی دکھاؤ تو اس نے ہمارے سامنے یکے بعد دیگرے نو کنیزیں پیش کیں مگر آپ ہر ایک کو دیکھ کر یہی فرماتے رہے "یہ مجھے نہیں چاہیے"۔ پھر اس تاجر سے فرمایا کوئی اور دکھاؤ۔ اس نے کہا اب تو میرے پاس کوئی کنیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ابھی اور کنیز بھی ہے وہ بھی مجھے دکھاؤ۔ اس نے کہا اب خدا کی قسم صرف ایک کنیز ہے مگر وہ بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا تمھارا اس کے

دکھانے میں کیا حرج ہے۔ آپ نے بہت اصرار فرمایا مگر وہ انکار ہی کرتا رہا، بالآخر آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

پھر آپ نے دوسرے دن مجھے روانہ کیا اور فرمایا کہ اس تاجر سے جا کر پوچھو کہ آخر وہ اس کنیز کی کیا قیمت چاہتا ہے اور جب وہ قیمت بتادے تو اس سے کہنا کہ میں نے تمھاری منھ مانگی قیمت پر اس کو خریدا۔ امام علیہ السلام کی اس ہدایت پر میں اس تاجر کے پاس گیا اور اس سے قیمت معلوم کی۔ اس نے جو قیمت مجھے بتائی اسی قیمت پر میں نے اس کنیز کو خرید لیا۔ تاجر نے کنیز کو میرے حوالہ کیا اور دریافت کیا کہ کل جو بزرگ آپ کے ہمراہ آئے تھے وہ کون تھے؟ میں نے کہا وہ قبیلہ بنی ہاشم کی ایک بزرگ ترین ہستی ہیں۔ اس نے آپ کا حسب ونسب پوچھنا چاہا لیکن میں نے انکار کیا۔

اس نے کہا اچھا اب اس کنیز کے بارے میں بھی تھوڑا سن لو۔ جب میں نے اسے ملک مغرب کے انتہائی دور دراز مقام سے خریدا تو میرے پاس اہل کتاب میں سے ایک عورت آئی اور بولی، یہ کنیز تیرے پاس کیسی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے خود اپنے لیے اس کو خریدا ہے۔ اس نے کہا نہیں نہیں، یہ کنیز ایسی نہیں جو تجھ جیسے کے پاس رہے، یہ تو اس قابل ہے کہ کسی ایسے شخص کے پاس رہے جو ساری روئے زمین پر سب سے بہتر ہو اس کے پاس بھی تھوڑے ہی دنوں میں اس کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے سامنے شرق سے غرب تک تمام روئے زمین کے لوگ پست اور کم رتبہ نظر آئیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ میں اس کنیز کو لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کنیز کے بطن سے امام رضاؑ پیدا ہوئے۔ (عیون اخبار الرضاؑ ص۱۷)

کتاب الخرائج والجرائح ص ۲۳۵ پر ہشام بن احمر سے اور کتاب الارشاد میں
صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸ پر بھی ہشام بن احمر سے اسی کے مثل روایت ہے۔ (بحار الانوار
ج ۵/۴ ص ۳ تا ۵، جلاء العیون، منتہی الآمال)

ولادت امام علی رضا علیہ السلام

علی بن میثم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے ان کے باپ کا بیان ہے
کہ میں نے اپنی والدہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی
والدہ نجمہ بیان کرتی تھیں کہ جب میرا فرزند علیؑ (رضا) میرے شکم میں تھا تو
مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا مگر نیند کے عالم میں اپنے شکم سے تسبیح
وتہلیل اور تمجید کی آوازیں سنتی تو خوف سے چونک پڑتی اور بیدار ہو جاتی تو کوئی
آواز نہ سنتی تھی۔ جب میرا یہ فرزند پیدا ہوا تو اس نے فوراً اپنے قدم زمین پر
رکھے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیے، سر آسمان کی طرف بلند تھا۔ دونوں
لبوں کو حرکت تھی، معلوم ہوتا جیسے کچھ کہہ رہا ہے۔ پھر میرے پاس اس کے
والد حضرت موسیٰ بن جعفرؑ تشریف لائے اور فرمایا اے نجمہ! تجھے یہ اللہ کا
کرم مبارک ہو۔ میں نے اس بچے کو ایک سفید پارچے میں لپیٹ کر انھیں
دے دیا۔ آپ نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی پھر
آب فرات منگوا کر اس کے تالو میں لگایا اور مجھے دے دیا اور فرمایا اسے لو،
یہ زمین پر اللہ کی بقیہ امانت ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۵/۴ ص ۶، جلاء العیون
ص ۵۴۴ - ۵۴۳، منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

خیزران

آپ کا نام ونسب

آپ کا نام بعض مورخین نے سبیکہ اور بعض نے خیزران، ریحانہ اور سکینہ
لکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو مریسیہ اور مشہور یہ ہے کہ آپ نوبیہ تھیں اور جناب
ماریہ قبطیہ کے خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ (جلاء العیون ص ۵۶۰)
جناب شیخ عباس قمیؒ نے لکھا ہے آپ محمد تقی علیہ السلام کی والدہ گرامی
ام ولد تھیں اور ان کا نام سبیکہ تھا اور آپ کے شوہر جناب امام رضا علیہ السلام
نے آپ کا نام خیزران رکھا تھا۔ آپ نوبیہ تھیں اور جناب ماریہ قبطیہ مادرِ
ابراہیم فرزند رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے تھیں۔ آپ اپنے
زمانہ میں تمام عورتوں سے زیادہ صاحب فضیلت وشرف خاتون تھیں جس
کی طرف پیغمبر اسلام کے اس قول سے اشارہ ملتا ہے جس میں آپ نے فرمایا
ہے بِأَبِي ابْنُ خِيَرَةِ الْإِمَاءِ النُّوبِيَّةِ الطَّيِّبَةِ میرے باپ قربان اس فرزند
پر جو بہترین کنیز جو اہل نوبہ سے ہے کا بیٹا ہے۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۲۶)
علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات میں لکھا
ہے کہ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کو دُرّہ کے نام سے پکارا جاتا تھا یہ
مریسیہ تھیں۔ پھر حضرت امام رضا علیہ السلام نے ان کا نام خیزران رکھا۔ یہ
حضرت ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام

مسبیکہ تھا اور نوبیہ قبیلہ سے تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا اسم گرامی ریحانہ اور کنیت ام الحسن تھی۔ (ترجمہ بحار الانوار)

آپ کا خدمت امام میں حاضر ہونا

یزید بن سلیط والی خبر میں ہے کہ جب ان کی ملاقات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے راہ مکہ میں ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سنو! مجھے اس سال واپس لے لیا جائے گا اور اب یہ امامت میرے فرزند علیؑ کو ملے گی اور اس کا نام علیؑ ہے تو اس میں علیؑ کی خصوصیات بھی ہیں۔ اس لیے کہ علیؑ اول حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب ہیں اور علیؑ ثانی علی بن الحسین علیہ السلام ہیں اور میرے اس علیؑ کو علیؑ اول کا فہم، ان کی حکمت، ان کی نگاہ، ان کی دینی محبت ملی ہے اور علیؑ ثانی سے اس کو مصائب پر صبر ملا ہے۔ ہارون کے انتقال کے بعد کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان سے چار سال تک کلام کرے (چار سال میں ان کو صبر آتا ہے)۔

پھر فرمایا اے یزید! اب پھر جب تم یہاں سے گزرو اور اس سے تمہاری ملاقات ہو اور تم سے اس کی یقیناً ملاقات ہوگی تو اسے خوش خبری سنا دینا اللہ اس کو ایک فرزند بابرکت و امانت دار اور گناہوں سے محفوظ عطا کرےگا (امام محمد تقیؑ) اور وہ تم کو خود بتائے گا کہ تم یہاں مجھ سے مل چکے ہو اور جب ایسا ہو تو پھر انھیں بتا دینا کہ وہ کنیز جس کے بطن سے تمہارا یہ فرزند پیدا ہوگا وہ ماریہ قبطیہ کے خاندان سے ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیز تھیں اور جب وہ تمھیں ملیں تو انھیں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔

جناب خیزران کی فضیلت و علو، مرتبت کے لیے یہی کافی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے یزید بن سلیط کو سلام پہنچانے کا حکم فرمایا جس طرح پیغمبر اسلام نے جابر کے ذریعہ امام محمد باقر علیہ السلام کو سلام پہنچایا تھا۔

یزید کا بیان ہے کہ ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی وفات کے بعد میں حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے ملا۔ آپ نے بغیر میرے کچھ کہے ہوئے خود فرمایا اے یزید! عمرہ کے متعلق تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان جیسی آپ کی مرضی۔ مگر میرے پاس اخراجات سفر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! جب میں تم سے چلنے کو کہہ رہا ہوں تو کیا تمہارے اخراجات نہ دوں گا۔ یزید کا بیان ہے کہ پھر ہم لوگ عمرہ کی نیت سے نکلے اور اس مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا اے یزید! اس مقام سے تو تم عمرہ کے سفر میں کئی مرتبہ گزرے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں اور پھر میں نے آپ سے پورا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مگر ابھی تک تو وہ کنیز آئی نہیں۔ جب ملے گی تو اسے سلام پہنچا دوں گا۔

اس کے بعد ہم دونوں مکہ پہنچے اور آپ نے وہ کنیز وہاں اسی سال خریدی اور کچھ ہی دن بعد وہ حاملہ ہوئی اور اس کے بطن سے ایک فرزند (امام محمد تقیؑ) پیدا ہوا۔ یزید کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ بن موسیٰ رضا کے دوسرے بھائی یہ چاہتے تھے کہ اپنے باپ کے وارث صرف یہی لوگ رہیں اس لیے وہ لوگ بلاسبب اس کے دشمن بن گئے۔ اسحاق بن جعفر نے ان لوگوں سے کہا خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ حضرت ابو ابراہیم علیہ السلام کی مجلس میں اسی جگہ بیٹھتے ہیں کہ جہاں ہم لوگوں کے بیٹھنے کی مجال نہیں۔

کتاب الامامۃ والتبصرہ تالیف علی بن بابویہ میں عبداللہ بن محمد شامی سے بھی اسی کے مثل روایت ہے۔ (عیون اخبار الرضا ماخوذ از ترجمہ بحار الانوار ص ۳۶-۳۷ ۹/۱۰)

ولادت امام محمد تقی علیہ السلام

علماء کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ۱۰/ رجب المرجب ۱۹۵ھ مطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ مدینہ منورہ میں متولد ہوئے۔ جناب شیخ مفید فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی اس لیے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شیعوں کے امام منقطع النسل ہیں۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے، اس نے مجھے صاحب اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے یہاں مسند امامت کا وارث پیدا ہوگا۔ چنانچہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ارشاد ص ۴۷۳)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے یہاں جو بچہ عنقریب پیدا ہوگا وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا۔ (اعلام الوریٰ ص ۲۰۰) واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بلا کر کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ جب رات آئی تو ہمسایہ کی چند عورتیں بھی بلائی گئیں۔ نصف شب سے زیادہ گزرنے پر یکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں

امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے انھیں نہلانے کے لیے طشت میں بٹھایا اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہوگیا مگر پھر بھی اس حجرہ میں روشنی بدستور رہی اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچہ کو نہلا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں پر بوسہ دے کر مجھے واپس کر دیا۔ دو دن تک امام محمد تقی علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں تیسرے روز جب آنکھیں کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی پھر داہنے بائیں دیکھ کر کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند حجت خدا اور وصی رسولؐ ہدیٰ ہے۔ اس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں ان میں تعجب کیا؟

محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہر امامت تھی جس طرح دیگر ائمہ علیہم السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہریں ہوا کرتی تھیں۔ (مناقب، چودہ ستارے ص ۴۷۴-۴۷۵)

جناب سمانہ خاتون

اسم گرامی

آپ کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا جیسا کہ علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا کہ آپ ام ولد تھیں اور اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ سیدہ ام الفضل کے نام سے مشہور تھیں۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۱۱۶)

جناب شیخ مفیدؒ نے بھی آپ کو ام ولد اور نام سمانہ لکھا ہے۔ (ارشاد ص ۳۰۷)

کتاب اعلام الوریٰ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی النقی مقام صریا میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے امام موسیٰ بن جعفر نے آباد کیا تھا وہاں ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن عیاش کی روایت کے مطابق ۵ رجب بروز سہ شنبہ سنہ مذکور میں تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام سمانہ تھا۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۱۱۷)

کافی میں ہے کہ حضرت امام علی النقی ماہ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں تولد ہوئے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ماہ رجب ۲۱۴ھ میں تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا اسم گرامی سمانہ تھا۔ (کافی ج ۱ ص ۴۹۷)

محمد بن طلحہ اپنی کتاب کشف الغمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب ۲۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ (امام علی نقی) کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام سمانہ مغربیہ تھا۔ کچھ لوگ اس کے علاوہ دوسرا بتاتے ہیں۔

حافظ عبد العزیز کا قول ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام کا لقب ہادی اور آپ کی والدہ کا اسم گرامی سمانہ ہے۔ ابن خشاب کا قول ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ کا اسم گرامی سمانہ ہے مگر انھیں منفرشہ مغربیہ بھی کہا جاتا تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۳۲) مصباح کفعمی میں بھی آپ کا اسم گرامی سمانہ ہے اور کتاب الدروس میں بھی یہی نام ہے۔ (کتاب الدروس، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۱۲۰)

علامہ سید علی نقی مرحوم نے امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ امام نے ام الفضل دختر مامون کے ہوتے ہوئے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد فرمایا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی یہی امام علی نقی علیہ السلام کی ماں ہوئیں۔ (رہنمایان اسلام ص ۱۷۶) مگر اسم گرامی امام علی النقی علیہ السلام کے ابتدائی حالات میں وہی سمانہ خاتون تحریر کیا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جناب عمار یاسر کی نسل سے تھیں۔

علامہ نجم الحسن کراروی مرحوم نے بھی یہی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جناب سمانہ خاتون یاسری نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جناب سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یاسر کی نسل سے تھیں، کے علاوہ (امام محمد تقی کی بیویوں میں) کسی سے اولاد نہیں ہوئی۔ (چودہ ستارے ص ۴۹۴)

اس سے زیادہ آپ کے حالات دستیاب نہ ہو سکے لیکن آپ کی یہی کیا کم فضیلت ہے کہ آپ ایک معصوم امام کی زوجہ اور معصوم امام کی ماں ہیں۔

جناب حدیثہ خاتون

آپ کا اسم گرامی

آپ کے اسم مبارک کے بارے میں بھی کافی اختلاف ہے۔ شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو محمد حسن عسکری مدینہ منورہ کے اندر ماہ ربیع الاول ۲۳۲ھ میں تولد ہوئے آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا اسم گرامی حدیثہ تھا۔ (ارشاد ص ۳۱۵)

کتاب الدروس میں ہے کہ آپ (یعنی امام حسن عسکری) کی والدہ گرامی کا نام حدیث تھا۔

محمد بن طلحہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں تحریر کیا ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام نامی سوسن تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۷۱)

حافظ عبد العزیز بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ (حسن عسکری) کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو سر من رائے میں وفات پائی اس وقت آپ کا سن مبارک صرف ۲۸ سال کا تھا۔ آپ (امام حسن عسکریؑ) کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام حریبہ تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۷۳)

اعلام الوریٰ میں ہے کہ آپ (یعنی امام حسن عسکری) مدینہ منورہ میں بروز جمعہ ۸ ربیع الآخر ۲۳۲ھ کو تولد ہوئے اور آپ نے سر من رائے میں

۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو وفات پائی۔ اس وقت آپ کا سن اٹھائیس ۲۸ سال کا تھا۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کو حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (اعلام الوریٰ ص ۳۴۹) مناقب آل ابی طالب اور کافی میں بھی آپ کو ام ولد اور نام نامی حدیث لکھا ہے۔ (مناقب آل ابی طالب ج ۴ ص ۴۲۱، کافی ج ۱ ص ۵۰۳، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰/۹ ص ۲۳۰ تا ۲۳۳)

جناب شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا نام حُدیث اور بقولے سلیل تھا اور آپ کو جدّہ کہتے تھے۔ آپ عفیفہ، کریمہ، نہایت سنجیدہ، صالحہ اور ورع و تقویٰ سے بھرپور تھیں۔ (جلاء العیون ص ۲۹۵) اور جنات الخلود میں ہے کہ وہ اپنے ملک میں بادشاہ زادی تھیں اور ان کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ شیعوں کے لیے پناہ و دادرس تھیں۔ مسعودی نے اثبات الوصیہ میں فرمایا کہ روایت میں ہے کہ جب آپ (سلیل مادر امام حسن عسکریؑ) امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ سلیل ہر آفت، برائی اور نجاست سے باہر کر دی گئی ہے یا پاک کی گئی ہے۔ پھر ان سے فرمایا کہ خدا تمھیں جلد ہی اپنی حجت سے سرفراز فرمائے گا کہ جو زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ مسعودی نے فرمایا کہ یہ مخدرہ (سلیل) حاملہ ہوئیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام آپ کے بطن مبارک سے ۲۳۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت امام علی نقی علیہ السلام کی عمر سولہ سال چند مہینے کی تھی۔ آپ نے جب عراق کا سفر فرمایا تو ۲۳۶ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۹۴)

آپ کے سلسلے میں زیادہ تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

جناب نرجس خاتون

آپ کا نام و نسب اور خدمت امام میں حاضر ہونا

راویوں کی ایک جماعت نے ابوالفضل شیبانی سے انھوں نے محمد بن بحر بن سہل شیبانی سے روایت کی ہے کہ بشیر بن سلیمان بردہ فروش جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھا اور حضرت ابوالحسن امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت ابومحمد امام حسن عسکری علیہ السلام کے دوست داروں میں سے تھا اور سر من رائے (سامرہ) میں ان دونوں حضرات کا پڑوسی بھی تھا، نے بیان کیا کہ ایک دن میرے پاس کافور خادم آیا اور کہا کہ مولا ابوالحسن علی بن محمد (امام علی نقی علیہ السلام) نے تم کو بلایا ہے تو میں گیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے بشیر! تم انصار کی اولاد میں سے ہو اور تم لوگوں کو موالات اور دوستی سلف سے خلف تک وراثتاً منتقل ہوتی جارہی ہے اور تم ہم اہل بیتؑ کے معتمد اور قابلِ اعتبار ہو تو آج میں تمھیں مزید ایک فضیلت و شرف سے نوازنا چاہتا ہوں کہ جس کے سبب سے تم ہمارے شیعوں میں دوستی و موالات کے اعتبار سے سب سے بڑھ جاؤ گے۔ یہ رازداری کی بات ہے۔ میں تمھیں ایک کنیز خریدنے کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔

پھر آپ نے رومی زبان اور رومی رسم الخط میں ایک خط لکھا، اس پر اپنی مہر لگائی، پھر ایک زرد رنگ کی تھیلی نکالی جس میں دو سو بیس دینار

تھے اور فرمایا یہ خط اور یہ تھیلی لو اور فلاں دن دوپہر سے پہلے فرات کے پل پر پہنچ جاؤ۔ جب تم پہنچو گے تو ایک جانب چند کشتیاں اسیروں کی نظر آئیں گی ان میں چند کنیزیں بھی ہوں گی۔ وہاں بنی عباس کے عمائدین کے وکلاء اور کچھ عرب کے نوجوان بحیثیت خریدار تم کو ملیں گے۔ تم عمرو بن یزید بردہ فروش کے سامنے ذرا دور دن بھر کے لیے کھڑے ہو جانا۔ اسی اثناء میں وہ خریداروں کو دکھانے کے لیے ایک کنیز کو لائے گا جو ان صفات کی ہوگی اور گف بُنے ہوئے حریر کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہوگی اور خریداروں کے سامنے جانے اور ان کے ہاتھ لگانے اور چھونے سے انکار کرتی ہوگی۔ ایک باریک پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی اپنی رومی زبان میں فریاد کر رہی ہوگی اور مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا کہتی ہوگی۔ وہ یہ کہتی ہوگی کہ "ہائے میری پردہ دری" اور بعض خریدار کہیں گے کہ ہم اس کے تین سو دینار دیں گے کیونکہ یہ بہت پاکدامن معلوم ہوتی ہے اسی لیے ہمیں مرغوب ہے لیکن وہ کنیز کہے گی کہ اگر تو سلیمان بن داؤد یا ان کے مثل کوئی اور بادشاہ بھی بن کر آجائے تو مجھے تو اس وقت بھی پسند نہیں ہوگا اور بردہ فروش یہ کہے گا کہ میں کب تک تجھے فروخت نہ کروں گا بالآخر تجھے فروخت کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن کنیز کہے گی کہ تجھے جلدی کیوں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ میں اپنے لیے ایسا خریدار منتخب کرلوں جس کی وفاداری اور امانت داری پر میرا دل مطمئن ہو۔ اس وقت تم اپنی جگہ سے اٹھنا، عمرو بن یزید بردہ فروش کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرے پاس رومی زبان اور رومی رسم الخط میں ایک مرد شریف کا ایک خط ہے جس میں اس نے اپنے کرم و وفا اور شرافت و سخاوت کو بیان کیا ہے، تم یہ خط اس کنیز کو دے دو تاکہ وہ اس صاحب خط کے

اخلاق و عادات کے متعلق غور کرے۔ اگر وہ اس کے ہاتھ فروخت ہونے پر
راضی ہو جائے تو میں اس مرد شریف کا وکیل ہوں، اسے خرید لوں گا۔

بشیر بن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کنیز کے متعلق حضرت ابوالحسن (امام
علی نقی) علیہ السلام نے جو کچھ حکم دیا تھا میں نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔
اس کنیز نے آپ کے خط کو دیکھا تو زار و قطار رونے لگی اور عمرو بن یزید سے
کہا تم اس کے ہاتھ مجھے فروخت کر دو اور میں حلف سے کہتی ہوں کہ اگر
تم نے مجھے اس صاحب خط کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کرو گے تو
میں جان دے دوں گی۔ پھر میں اس کی قیمت کے لیے مول تول کرنے لگا
یہاں تک کہ قیمت وہی طے پاگئی جو میرے مولا نے میرے حوالے کی تھی۔ میں
نے اس کی قیمت ادا کی اور وہ خوش و مسرور کنیز میرے حوالے کر دی گئی۔ میں
اسے لے کر بغداد میں اس حجرے کی طرف چل دیا جہاں میں مقیم تھا مگر اس
کنیز کو چین نہ تھا۔ بار بار اس خط کو اپنی جیب سے نکالتی، اسے چومتی، آنکھوں
سے لگاتی، رخساروں پر رکھتی اور سینے سے لگاتی تھی۔ میں نے حیرت سے
کہا، تو اس خط والے سے واقف بھی نہیں اور پھر اس کے خط کو اس والہانہ
طریقے پر بوسے دے رہی ہے۔

کنیز نے جواب دیا، اے اولاد انبیاء کی معرفت نہ رکھنے والے! ذرا غور
سے سن۔ میں قیصر روم کے فرزند یشوعا کی بیٹی ہوں۔ میرا نام ملیکہ ہے۔ میری
ماں شمعون، وصی حضرت عیسٰی کے حواری کی اولاد میں سے ہے۔ میں تجھے
اپنا حیرت انگیز قصہ سناتی ہوں۔ جب میں تیرہ سال کی تھی تو میرے دادا
قیصر روم نے اپنے بھائی کی اولاد میں ایک لڑکے کو میرے لیے منتخب کیا اور
شادی کے انتظامات شروع کیے اور اس کے لیے انھوں نے نسل حواریین و

قسیسین و رہبان میں سے تین سو آدمی ذی وجوہ و باوجاہت اشخاص میں
میں سے سات سو اور امیرانِ لشکر، فوجوں کے سرداروں، نقیبوں اور قبائل
کے سرداروں میں سے چار ہزار اشخاص کو اپنے قصر میں مدعو کیا اور ایک قیمتی
تخت جس میں انواع و اقسام کے جواہرات جڑے ہوئے تھے محل سے منگا
کر ایک بلند مچان پر سجایا جس میں چالیس سیڑھیاں تھیں۔ جب ان کے بھائی
کا لڑکا اس مچان پر چڑھا تو ہر طرف صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں اساقف حضراتِ
قطار سے کھڑے تھے، انجیل کے بہت سے نسخے کھلے ہوئے تھے کہ اچانک
صلیبیں ٹوٹ کر زمین پر آگئیں، مچان کے پائے ٹوٹ گئے اور تخت پر بیٹھنے
والا (شاہزادہ جس سے میری شادی ہونے والی تھی) تخت سے گر کر بے ہوش
ہوگیا۔ اب کیا تھا، اساقف (پوپ پادری وغیرہ) کے چہرے زرد ہو گئے، جسم
لرزنے لگے۔ ان کے سردار نے میرے جد سے کہا اے بادشاہ! آپ مجھے
اس منحوس تقریب سے باز رکھیں، یہ دین مسیح اور آسمانی مذہب کے زوال
کی نشانی ہے۔

میرے جد نے بھی فال بدلیا اور اساقف سے کہا اچھا اس مچان کے
پایوں کو دوبارہ کھڑا کرو اور پھر اسی طرح صلیبیں لٹکا دو اور اس بدکار اور
منحوس دولھا کے بھائی کو بلالو تاکہ میں اپنی بیٹی کی شادی کر دوں، ممکن ہے یہ
نحوست دور ہو جائے۔ مگر جب اس کو دولھا بنا کر تخت پر بٹھایا گیا تو اس
کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجمع منتشر ہوگیا۔ میرے جد
قیصر روم وہاں سے غمگین و ملول اٹھ کر اپنے زنانخانے میں چلے گئے اور دروازوں
پر پردے ڈال دیے گئے۔

میں نے اسی شب ایک خواب دیکھا کہ حضرت مسیح و شمعون اور ان

کے کچھ حواری میرے جد کے قصر میں جمع ہوئے اور آسمان جیسا ایک نوری منبر وہاں پر نصب کیا گیا جہاں میرے جد نے میری شادی کے لیے تخت نصب کیا تھا۔ اتنے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے داماد اور ان کی اولاد میں سے چند حضرات تشریف لائے۔ حضرت مسیحؑ نے پیش قدمی کی اور ان کا استقبال کیا اور دونوں گلے ملے۔ حضرت محمدؐ نے ارشاد فرمایا اے روح اللہ! میں آپ کے وصی شمعون کی لڑکی ملیکہ کا پیغام اپنے اس لڑکے کے لیے لے کر آیا ہوں۔ یہ فرما کر آنحضرتؐ نے حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی جانب اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا (جو اس خط کے لکھنے والے) میرے فرزند ہیں، حضرت مسیحؑ نے شمعونؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا لو تمھیں ایک شرف حاصل ہوا۔ تم اپنے خاندان کو آل محمدؐ کے خاندان سے نسبت دے لو۔ شمعون نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔

یہ سن کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوری منبر پر تشریف لے گئے اور انھوں نے میرا نکاح اپنے فرزند سے پڑھ دیا اور حضرت مسیحؑ و اولاد محمدؐ اور حواریین اس نکاح کے گواہ بن گئے۔ جب میں اس خواب سے بیدار ہوئی تو ڈری کہ اگر میں یہ خواب اپنے باپ دادا سے بیان کرتی ہوں تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے لہٰذا اس کو چھپائے رہی، کسی پر اس خواب کو ظاہر نہیں کیا مگر ابو محمد کی محبت میرے دل و جان میں اس قدر رچ بس گئی کہ میں نے کھانا پینا بھی بند کر دیا۔ نتیجے میں ضعف و ناتوانی اتنی بڑھ گئی کہ میں شدید بیمار پڑ گئی۔ مدائن کے آس پاس کوئی ایسا طبیب نہ تھا کہ جسے میرے جد نے بلا کر علاج نہ کرایا ہو۔ مگر جب مایوسی کے سوا کوئی مداوا میری بیماری کا نہ ہو سکا تو میرے جد نے مجھ سے کہا اے میری خنکیٔ چشم! تیرے دل میں اگر کوئی خواہش ہو

تو بتا دے تاکہ میں دنیا ہی میں اس کا سامان کر دوں۔ میں نے عرض کیا دادا جان! میں اپنی صحت اور مرض سے نجات کا دروازہ ہر طرف سے بند پا رہی ہوں۔ کاش آپ ان مسلمانوں کو رہائی دے دیتے جو آپ کے قید خانوں میں ہیں۔ ان کی بیڑیاں کاٹ دی جاتیں، ان کی جان بخشی ہو جاتی تو مجھے امید ہے کہ حضرت مسیحؑ اور ان کی مادر گرامی مجھے صحت عطا فرما دیں۔

جب میرے جد نے قیدیوں کو رہا کر دیا تو میں اپنے جسم میں قدرے آثار صحت محسوس کرنے لگی اور کچھ آب و غذا کھانے پینے لگی۔ یہ دیکھ کر میرے جد کو بہت خوشی ہوئی اور اب تو وہ قیدیوں پر اور زیادہ کرم کرنے اور انھیں عزت دینے لگے۔ چودہ دن کے بعد میں نے پھر خواب دیکھا گویا سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور ان کے ساتھ مریم بنت عمران اور جلو میں ایک ہزار حوران بہشتی ہیں۔ حضرت مریمؑ نے مجھ سے فرمایا یہ تمھارے شوہر ابو محمد کی مادر گرامی سیدہ نساء ہیں۔ یہ سن کر میں ان سے لپٹ گئی اور زار و قطار رونے لگی اور شکایت کی کہ حضرت ابو محمد سے میری ملاقات نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا میرا فرزند ابو محمد (امام حسن عسکریؑ) تمھاری ملاقات کو اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تم مشرکہ ہو اور دین نصاریٰ پر قائم ہو اور یہ میری بہن مریم بنت عمران ہیں۔ انھوں نے بھی تمھارے دین سے برأت کر لی ہے۔ لہٰذا اگر تم اللہ اور حضرت مسیحؑ و مریم کی خوشنودی چاہتی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ ابو محمد تم سے ملیں تو کہو کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ اَبِیْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے اور میرے پدر محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔)

جب میں نے یہ کلمہ پڑھا تو انھوں نے مجھے گلے لگا لیا۔ میرا دل خوش

ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اب توقع رکھو، تمھیں ابو محمدؑ کی زیارت ہو گی اور میں انھیں بھیجوں گی۔ اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہوئی اور مجھے امید ہوئی کہ اب میں حضرت ابو محمدؑ سے ملوں گی۔ دوسرے دن میں نے حضرت ابو محمد کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھ کو اپنی محبت میں مبتلا کیا ہے اور آپ مجھ سے ملتے بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سے نہ ملنے کا سبب یہ تھا کہ تم مشرکہ تھیں، اب اسلام قبول کیا ہے لہٰذا تم سے ہر شب (خواب) میں ملتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ ہمیں اور تمھیں ظاہر میں بھی ملا دے گا۔ پھر آج تک خواب میں ان کی ملاقات مجھ سے نہیں چھوٹی۔ بشیر نے دریافت کیا مگر تم قیدیوں میں کیسے آگئیں؟ انھوں نے جواب دیا ایک شب خواب میں حضرت ابو محمدؑ نے مجھے بتایا کہ تمھارے دادا فلاں فلاں دن مسلمانوں سے جنگ کے لیے ایک لشکر روانہ کریں گے پھر اس لشکر کے عقب میں خود بھی روانہ ہو جائیں گے، تم چند کنیزوں کے ساتھ بھیس بدل کر فلاں راستے سے ان کے ہمراہ ہو جانا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ مسلمانوں کے نگراں دستے نے مجھے دیکھ لیا پھر جو کچھ ہوا وہ تمھارے مشاہدہ میں ہے۔ یہ تمھاری اطلاع کے لیے میں نے بتا دیا ہے ورنہ کسی اور کو نہیں معلوم کہ شاہِ روم کی دختر اس حال کو پہنچی ہے۔ پھر مال غنیمت کی تقسیم میں جس شیخ کے حصہ میں میں آئی اس نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ تو میں نے خود کو چھپانے کے لیے اپنا نام نرجس بتایا۔ اس نے کہا یہ کنیزوں کے نام ہیں۔

بشیر کا بیان ہے کہ میں نے کہا تعجب ہے تم رومی عورت ہو مگر تمھاری زبان عربی ہے؟ اس نے کہا ہاں، میرے جد کی بے حد تمنا تھی کہ میں دیگر زبانیں بھی سیکھوں، اس لیے انھوں نے اپنی ایک ترجمان عورت کو مقرر کیا جو صبح وشام

آتی اور مجھے عربی بولنا سکھاتی۔ اس طرح میری عربی زبان رواں اور مستحکم ہو گئی۔

بشیر کہتا ہے کہ جب میں اس کنیز کو لے کر سرمن رائے آیا اور اسے امام ابو الحسن علیہ السلام (امام علی نقیؑ) کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس سے پوچھا: بتاؤ تمھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت، نصرانیت کی ذلت اور محمدؐ اور ان کے اہل بیتؑ کا شرف کس طرح بخشا؟ اس نے کہا فرزند رسولؐ! اب میں کیا عرض کروں، آپ کو تو اس کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم دو باتوں میں سے ایک پسند کرلو۔ کیا تم دس ہزار دینار لینا پسند کرو گی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف؟ اس نے کہا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف۔ آپ نے فرمایا اچھا تو پھر تمھیں ایک بیٹا مبارک ہو جو شرق سے غرب تک ساری دنیا کا مالک ہو گا اور زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم وجور سے بھری ہوئی ہو گی۔ اس نے پوچھا وہ بیٹا کس سے ہو گا؟ آپ نے فرمایا: فلاں سنہ فلاں مہینہ اور فلاں تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھارے لیے کس کا پیغام دیا تھا اور حضرت مسیحؑ اور ان کے وصی نے کس سے تمھارا نکاح قبول کیا تھا۔ اس نے عرض کیا: آپ کے فرزند حضرت ابو محمد (امام حسن عسکری) علیہ السلام سے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان کو پہچانتی ہو؟ اس نے عرض کیا جس شب کو میں حضرت سیدہ نساء عالمین علیہا السلام کے ہاتھوں اسلام لائی تھی اس شب سے آج تک کوئی شب ایسی نہیں گزری جس میں ان کو میں نے خواب میں نہ دیکھا ہو۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام علیہ السلام نے کافور کو حکم دیا کہ جاؤ میری بہن حکیمہ کو بلا لاؤ۔ جب وہ آئیں تو فرمایا: اے میری بہن! دیکھیے یہ وہی ہے؟ انھوں نے بڑھ کر بڑی دیر تک اس کو گلے لگائے رکھا اور بہت

خوش ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے بہن سے فرمایا، بنت رسولؐ! اس کو اپنے گھر لے جائیے اور فرائض وسنن (نماز وغیرہ) سکھائیے، یہی ابو محمدؑ کی زوجہ اور امام قائمؑ کی ماں ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۲۹ تا ۳۴، جلاء العیون ص ۵۸۰ تا ۵۸۳ و منتہی الآمال شیخ عباس قمی ج ۲ ص ۴۱۸ تا ۴۲۱)

اس طرح آپ ہاجرۂ ثانیہ بن کر فخر خلیل کی کنیزی میں آکر بادشاہ دو عالم کی ماں ہوگئیں۔

کلینی وابن بابویہ اور شیخ طوسی و سید مرتضیٰ اور ان کے علاوہ بھی محدثین عالی شان نے بسند ہائے معتبر جناب حکیمہ خاتون سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے برادر زادہ (امام حسن عسکری) مجھ سے ملاقات کے لیے آئے تو اس کنیز کو بغور دیکھنے لگے۔ میں نے کہا جان برادر! شاید یہ کنیز آپ کو پسند ہے تو میں اسے آپ کی خدمت کے لیے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا اے پھوپھی جان! ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے اس کو دیکھ کر تعجب ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا تعجب ہو رہا ہے؟ تو فرمایا، اس کے بطن سے ایک ایسا با برکت فرزند پیدا ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے اتنا ہی بھر دے گا جتنا وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ میں نے کہا اے میرے سردار! پھر میں آپ کے لیے اس کو بھیج دیتی ہوں۔ فرمایا نہیں، بلکہ آپ اس سلسلہ میں میرے پدر بزرگوار سے اجازت حاصل کریں۔

جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اپنا لباس تبدیل کیا اور حضرت ابو الحسن امام علی النقی علیہ السلام کے گھر آئی، انھیں سلام کیا اور بیٹھ گئی۔ مگر ابھی میں نے سلسلۂ کلام شروع نہ کیا تھا کہ انھوں نے خود ہی فرمایا، اے حکیمہ! اپنی کنیز نرجس کو میرے فرزند ابو محمدؑ کے لیے بھیج دو۔ میں نے عرض

کیا اے میرے آقا! میں تو اسی مقصد سے حاضر ہوئی تھی کہ آپ سے اس کی اجازت لے لوں۔ آپ نے فرمایا اے مبارکہ! اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ کو بھی اجر و ثواب میں شریک کرے اور اس کار خیر میں آپ کا بھی حصہ ہو۔ جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ میں فوراً واپس آئی اور نرجس کو دولھن بنایا اور اسے حضرت ابو محمدؑ کے لیے ہبہ کر دیا اور اپنے ہی گھر میں ان دونوں کو جمع کیا۔ امام ابو محمدؑ چند دنوں میرے پاس ہی رہے پھر اپنے والد بزرگوار کے پاس چلے گئے اور میں نے ان کے ساتھ ہی نرجس کو بھیج دیا۔

جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو الحسن امام علی النقی علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی جگہ امامت کے عہدے پر فائز ہوئے اور جس طرح میں ان کے والد بزرگوار کی ملاقات کو جایا کرتی تھی اسی طرح ان کی بھی ملاقات کو برابر جانے لگی۔ ایک دن جب میں گئی تو نرجس میرے پاس آئی اور بولی، اے میری مالکہ! لائیے میں آپ کے موزے اتاروں۔ میں نے کہا لیکن اب تو میری مالکہ و آقا تم ہوگئی ہو، میں تم سے اپنے موزے اتارنے یا کسی قسم کی خدمت کا کام نہ لوں گی، بلکہ اب میں بسر و چشم تمھاری خدمت کروں گی۔

یہ باتیں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے سن لیں تو فرمایا، پھوپھی جان! اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ پھر میں ان کے پاس غروب آفتاب تک بیٹھی اس کے بعد کنیز کو آواز دی کہ میری چادر لے کر آؤ، میں واپس جاؤں گی۔

ولادت حضرت صاحب الزمانؑ

امام ابو محمد علیہ السلام نے فرمایا، پھوپھی جان! آج شب آپ یہیں ہمارے

ساتھ قیام فرمائیں کیونکہ اس بچے کی ولادت ہونے والی ہے جو اللہ کے نزدیک بے حد مکرم ہے اور جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرے گا میں نے دریافت کیا اے میرے سید و سردار! کس عورت سے؟ میں تو نرجس میں حمل کے کچھ بھی آثار نہیں دیکھتی۔ فرمایا، نرجس کے ہی بطن سے تولد ہوگا کسی غیر کے بطن سے نہیں۔ یہ سن کر میں نرجس کی طرف بڑھی اور اس کے پشت بطن کو بوسہ دیا مگر آثار حمل نظر نہ آئے۔ میں نے واپس آکر حضرت ابو محمدؑ کو بتایا کہ میں نے یہ کیا ہے تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ آپ کو فجر کے وقت نرجس میں آثار حمل بھی نظر آجائیں گے۔ کیونکہ اس کی مثال مادر موسیٰؑ جیسی ہے اس لیے کہ مادر موسیٰؑ میں بھی وقت ولادت موسیٰؑ تک حمل کا اظہار نہیں ہوا تھا اور نہ کسی کو حمل کا پتہ چلا، کیونکہ فرعون حاملہ عورتوں کے پیٹ موسیٰ کی تلاش میں چاک کرا دیتا تھا۔ یہ مولود بھی موسیٰؑ کی نظیر ہے۔ (جلاء العیون ص ۵۸۴)

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ میں وقت طلوع فجر تک دیکھتی رہی، نرجس اس قدر گہری نیند میں تھی کہ پہلو بھی نہیں بدلتی تھی۔ مگر جب رات آخر ہوئی تو نیند سے چونک اٹھی۔ میں نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگایا اور بسم اللہ پڑھ کر اس پر دم کیا، اتنے میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے آواز دے کر فرمایا کہ آپ اس پر "سورہ قدر" پڑھ کر دم کریں تو میں نے سورہ قدر پڑھ کہ دم کیا اور پوچھا، تمہارا کیا حال ہے؟

نرجس نے کہا: وہ امر ظاہر ہوگیا ہے جس کی خبر آپ کو میرے آقا نے دی تھی۔ چنانچہ میں پھر سورہ قدر پڑھ کر نرجس پر دم کرنے لگی جیسا کہ آقا نے حکم دیا تھا کہ اتنے میں بچے نے بھی بطن مادر سے وہی پڑھنا شروع کر دیا جو میں پڑھ رہی تھی۔ یہ سن کر میں قدرے خوفزدہ ہوئی تو حضرت ابو محمدؑ نے

آواز دی کہ پھوپھی! یہ امر الٰہی ہے اس پر گھبرانے اور متعجب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ہمیں بچپن ہی میں قوت گویائی عطا فرماتا ہے اور بڑے ہونے پر زمین والوں کے لیے اپنی حجت قرار دیتا ہے۔ ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ نرجس اپنی جگہ سے غائب ہوگئی میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ حائل ہوگیا تھا۔ یہ دیکھ کر میں چیختی ہوئی دوڑ کر حضرت ابو محمد علیہ السلام کے پاس پہنچی۔ آپ نے مجھے پریشانی کے عالم میں دیکھ کر دلاسہ دیا اور فرمایا، پھوپھی جان! آپ واپس جائیں۔ نرجس آپ کو اپنی جگہ پر ملے گی۔ جب میں واپس ہوئی تو دیکھا کہ نرجس اپنے مقام پر موجود ہے، پردہ ہٹ چکا ہے اور اس کے جسم سے ایسا نور ساطع تھا کہ میری آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ پھر ناگاہ دیکھا کہ وہ نومولود اپنے گھٹنوں، ہاتھوں اور پیشانی کو زمین پر ٹکائے ہوئے سجدۂ خالق میں ہے اور اس کی دونوں انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند ہیں اور زبان سے یہ کلمے جاری کر رہا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَنَّ اَبِیْ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ کہ میرے پدر بزرگوار امیر المومنین ہیں اور پھر ایک ایک امام کا نام لیتے ہوئے خود اپنے نام کو زبان معجز نما پر جاری فرمایا اور عرض کیا اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِیْ وَعْدِیْ وَاَتْمِمْ لِیْ اَمْرِیْ وَثَبِّتْ وَطْاَتِیْ وَامْلَاِ الْاَرْضَ بِیْ عَدْلًا وَّقِسْطًا اے اللہ تو مجھ سے اپنے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرنا، میرے امر کو پورا کرنا اور مجھے ثابت قدم رکھنا اور میرے ذریعہ سے زمین کو عدل و قسط سے بھر دینا۔

پس اتنے میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے آواز دی کہ پھوپھی جان! اس بچے کو لے کر میرے پاس آئیے۔ میں اس کو لے کر آپ کے پاس گئی۔ بچہ میرے ہاتھ پر تھا جوں ہی وہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہنچا فوراً اس نے اپنے پدر بزرگوار کو سلام کیا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس کو آغوش میں لیا پھر چالیس روز تک مسلسل ہر روز ایک طائر آتا اور انھیں لے کر فضائے آسمانی میں پرواز کراتا اور دوسرے بہت سے طائر اس کے عقب میں پرواز کرتے تو اس وقت میں نے امام ابو محمد علیہ السلام کو یہ کہتے سنا کہ اے فرزند! میں نے تمھیں اس ذات کے سپرد کیا جس کو ام موسیٰؑ نے اپنے بیٹے کو سپرد کیا تھا۔

جب طائر بچے کو لے کر پرواز کر گیا تو نرجس رونے لگیں۔ حضرت امام ابو محمد علیہ السلام نے فرمایا، چپ ہو جاؤ اس لیے کہ اس بچے پر تمھارے سوا کسی اور کا دودھ حرام ہے، یہ جلد ہی تم کو واپس ملے گا جس طرح موسیٰؑ اپنی ماں کو واپس ملے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۝ (سورہ القصص آیت ۱۳) "پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف واپس کر دیا تاکہ اس کی (ماں کی) آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس (مادر موسیٰؑ) کو دکھ نہ پہنچے۔"

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یہ طائر کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ روح القدس تھے جو ائمہ کے لیے مقرر ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور علم کے ساتھ ان کی تربیت کرتے ہیں۔ جناب حکیمہ کا بیان ہے جب چالیس روز گزر گئے تو بچہ واپس ہوا۔ میرے بھتیجے نے مجھے بلا بھیجا میں پہنچی تو دیکھا کہ ایک بچہ آپ کے سامنے اپنے پیروں سے چل پھر رہا ہے میں نے کہا میرے آقا! یہ بچہ تو دو برس کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ

مسکرا دیے اور فرمایا جب انبیاء و اوصیاء کی اولاد میں کوئی امام تولد ہوتا ہے تو اس کی نشو و نما دوسرے لوگوں کی اولاد سے مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے بچوں میں سے جو بچہ امام ہوتا ہے جب وہ ایک ماہ کا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک سال کا ہے اور بطن مادر میں کلام کرتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور ایام شیر خواری ہی میں ہر صبح و شام اس پر ملائکہ نازل ہوا کرتے ہیں۔

جناب حکیمہ کا بیان ہے کہ اسی طرح اس بچے کی نشو و نما ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت ابو محمد علیہ السلام کی رحلت سے قبل تھوڑے ہی دنوں میں وہ بچہ مکمل مرد نظر آنے لگا ایسا کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز میں نے حضرت ابو محمد علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس کے سامنے آپ مجھے بیٹھنے کے لیے فرما رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ نرجس کا فرزند ہے۔ یہی میرے بعد میرا خلیفہ و جانشین ہوگا اور میں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں لہٰذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ پھر چند ہی دنوں میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے رحلت فرمائی اور لوگوں میں افتراق پیدا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور خدا کی قسم میں ہر صبح و شام ان کو دیکھتی ہوں اور ان کے متعلق جو لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں وہ اس سے بھی مجھے آگاہ کر دیتے ہیں اور میں تم لوگوں کو بتاتی ہوں اور خدا کی قسم جب بھی میں ان سے کسی بات کے پوچھنے کا قصد کرتی ہوں تو وہ میرے سوال کرنے سے پہلے ہی مجھے بتا دیتے ہیں۔

(ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، جلاء العیون ص ۵۸۴ تا ۵۸۶، منتہی الآمال ج ۲ ص ۴۲۱ تا ۴۲۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ولادت کے تیسرے دن اس فرزند کی شوق زیارت میں حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پہنچی اور میں نے پوچھا کہ میرے مولا کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے سپرد کر دیا ہے کہ جس کا حق ہم سے اور تم سے زیادہ ہے، سات دن کے بعد تشریف لائیے۔ جب ساتویں دن میں گئی تو میں نے ایک گہوارہ میں اپنے مولا و آقا کو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہنستے اور مسکراتے دیکھا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے پکارا کہ میرے فرزند کو لے آئیے۔ میں صاحبزادے کو آپ کی خدمت میں لے گئی۔ آپ نے اپنی زبان مبارک بچے کے دہن میں دے دی اور فرمایا اے بیٹا! کچھ پڑھو۔ آپ نے کلمۂ شہادتین اور پیغمبرؐ خدا اور تمام ائمہ پر صلوات پڑھی اور بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت جو پہلی روایت میں بیان ہوئی پڑھی۔ یہ سن کر حضرت امام ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا اے فرزند! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کی بھی تلاوت کرو۔

اپنے پدر بزرگوار کی فرمائش پر امام عصرؑ نے حضرت آدمؑ کے صحیفوں سے جو سریانی زبان میں تھے، تلاوت شروع کی۔ پھر کتاب ادریسؑ، کتاب نوحؑ، کتاب ہودؑ، کتاب صالحؑ اور صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی توریت و داؤدؑ کی زبور اور عیسیٰؑ کی انجیل اور میرے جد کے فرقان کی تلاوت کی۔ پھر اپنے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلینؑ کے قصے سنائے۔ پھر امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا۔ جب میرے رب نے مجھے اس امت کا مہدیؑ عطا فرمایا تو دو فرشتے بھیجے جو انھیں اٹھا کر شامیانۂ عرش تک لے گئے۔ خدا نے ارشاد فرمایا اے میرے بندے مرحبا۔ تو میرے دین کی نصرت کرے گا، میرے امر کو ظاہر کرے گا، میرے بندوں کی ہدایت

کرے گا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے ذریعہ سے لوگوں کا مواخذہ کروں گا، تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں کو عطا کروں گا، تیرے ذریعہ سے لوگوں کو بخشوں گا اور تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں پر عذاب نازل کروں گا۔ اے فرشتو! اب انھیں واپس لے جاؤ اور انھیں ان کے باپ کے سپرد کر دو اور نرمی کے ساتھ واپس لے جاؤ اور ان کے باپ کو یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ یہ بچہ میری ضمانت اور میری حفاظت و نگرانی میں اس وقت تک رہے گا جب تک حق ثابت نہ ہو جائے اور باطل مٹ نہ جائے اور دین میرے لیے تا ابد نہ ہو جائے۔ (جلاء العیون ص ۵۸۷، بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۶۰، منتہی الآمال ج ۲ ص ۴۲۵)

کتاب شواہد النبوت اور وفیات الاعیان و روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو مختون اور ناف بریدہ تھے اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت منقوش تھی جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔ یہ قدرتی طور پر بحر متقارب کے دو مصرعے بن گئے۔ حضرت نسیم امروہوی نے اس پر کیا خوب تضمین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

عین خدا کی آنکھ کا تارا — چشم و چراغ دیدۂ نرجس
چودھواں اختر اوج بقا کا — بدر کمال نیمۂ شعبان
کفر مٹانے خلق میں آیا — حامئ ملت ماحئ بدعت
قرآن صورت دیکھ کے بولا — وقت ولادت ماشاء اللہ
جاء الحق و زھق الباطل
ان الباطل کان زھوقا

(چودہ ستارے ص ۵۵۷-۵۵۶)

اے رب کریم! تیرے رسولؐ نے تیرے پیغام حریت کو تیرے بندوں تک پہنچانے میں حق ادا کر دیا اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات بخشی۔ آج پھر صاحبان اقتدار تیرے کمزور و ناتواں بندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور عالم انسانیت پھر غلامی کا شکار ہے۔ میرے مالک! اپنے حبیب کے وارث کو جلد مامور فرما کہ اس ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے اور ایک بار پھر عالم انسانیت آزادی کی فضا میں سانس لے سکے۔ اے مالک حقیقی اس کے وسیلہ اور صدقے میں اپنے اس سر تا پا غریق عصیاں بندے کو روز حساب آتش دوزخ سے نجات عطا فرما۔

تمت بالخیر

مولّف کے دیگر تصانیف

الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل کی حسب ذیل دیگر کتابیں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں:

فخرِ مریم

جناب فاطمہ بنت اسد کی سوانح عمری

سلمان محمدی

حضرت سلمان فارسی کی سوانح عمری

ام سلمہ

ام المومنین حضرت ام سلمہ کی سوانح عمری

متاع رباب

شہزادہ حضرت علی اصغر کی سوانح عمری

ماریہ قبطیہ

ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے مختصر حالات

فضّہ

کنیز زہرؑا، حضرت فضّہ کے مختصر حالات

سویڈن سے قم تک : سفرنامۂ اسلامی جمہوریٔ ایران

الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل